قرآنی شعورِ انقلاب

جلد دوم



امام عبیداللہ سندھیؒ

قرآنی شعورِ انقلاب

از

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

مرتبہ

حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

(جلدِ دوم)

تقدمہ و تحقیق

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute

کتاب	—◈—	قرآنی شعورِ انقلاب (جلدِ دوم)
اِفادات	—◈—	امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
مرتب	—◈—	حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ
تقدمہ و تحقیق	—◈—	مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
سالِ طباعت	—◈—	اکتوبر 2019ء
ناشر	—◈—	رحیمیہ مطبوعات، لاہور
قیمت		

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
☎ 00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute

عرضِ ناشر

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے سلسلے کے بزرگوں کی کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے شعبہ ''رحیمیہ مطبوعات'' کی طرف سے جاری ہے۔ اب تک اس سلسلے کے بزرگوں کی کتابیں بڑی تحقیق و تدوین اور تخریج کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ ولی اللّٰہی سلسلے کے فروغ کے لیے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے جو انتھک محنت کی ہے، وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ انھوں نے پوری زندگی ولی اللّٰہی سلسلے کے بزرگوں کی تعلیمات کو عام کرنے میں بڑی جدوجہد اور کوشش کی ہے۔

زیرِنظر کتاب ''قرآنی شعورِ انقلاب'' ولی اللّٰہی اُسلوب پر قرآن حکیم کی منتخب سورتوں پر مشتمل ہے۔ حضرت سندھیؒ نے ان سورتوں کی تفسیر مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کو اِملا کرائی تھی۔ انھوں نے بڑی محنت اور سلیقے سے ہر سورت کو مرتب کر کے مختلف عناوین کے ساتھ شائع کیا تھا۔ پھر ہمارے احباب نے ان سورتوں کو ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کے نام سے یک جا مرتب کیا تھا۔ اس طرح اس کتاب کے چھ ایڈیشن مکی دارالکتب لاہور نے شائع کیے تھے۔

ادارہ رحیمیہ لاہور میں شعبہ ''رحیمیہ مطبوعات'' قائم ہونے کے بعد اس کتاب پر ازسرِنو تحقیق و تخریج کا کام ہوا۔ اس طرح اس کتاب کا ایک محققانہ ساتواں ایڈیشن اگست 2009ء میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری کا تحریر کردہ ایک وقیع مقدمہ اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نقوش ہائے زندگی بھی شاملِ اشاعت کیے گئے تھے۔ اس ایڈیشن کے شروع میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی ایک وقیع ''تقریظ'' اور حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن کا ''حرفِ اوّل'' بھی شامل تھا۔ اس ایڈیشن کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کے بعد اس کتاب کے تین مزید ایڈیشن اگست 2010ء، جولائی 2012ء اور اگست 2015ء میں شائع ہوئے۔

آخری ایڈیشن بھی کافی عرصے سے ختم ہو چکا تھا۔ احباب کا تقاضا تھا کہ صفحات کی ضخامت زیادہ ہونے کی وَجہ سے اس سے استفادہ کرنے میں دِقت ہوتی ہے۔ اس لیے زیرِنظر ایڈیشن میں اس کتاب کو دو جلدوں شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ جلدِ دوم ہے۔

ناظم رحیمیہ مطبوعات، لاہور

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

تَعْنِیَہ

میں یہ اوراق اپنے کہن سال، جواں فکر، اُستاذِ معظم، مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

رحمۃ اللّٰہ علیہ وعلیٰ اَساتذتہٖ ومشائخہٖ

کے نامِ نامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

☆ جن کے فَیض سے یہ (اوراق) قلمبند ہوئے ہیں۔

☆ اور جنہوں نے مسلمانانِ ہند کو قرآنی انقلاب اور فلسفۂ ولی اللہی سے روشناس کرایا۔

☆ اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کے قانون کو دنیا میں بلند کرنے کی کوشش میں اپنی جان و مال، اپنے عزیز و اقارب اور ملک و وطن سب کچھ ہیچ سمجھا۔

☆ اور ایک بلند نظر، صاحب عزیمت انقلابی کی طرح زندگی بسر کر کے آخر کار

۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ (21 اگست 1944ء)

کو بحالت صوم جان جانِ آفرین کو سپرد کی۔

نیاز آگیں: بشیر احمد بی۔اے، لدھیانوی



فہرست مضامین

قرآنی قانونِ انقلاب (سورت الممتحنہ)

قرآنی صفِ انقلاب (سورت الصّف)

قرآنی حکمتِ انقلاب (سورت الجمعہ)

قرآنی ضبطِ انقلاب (سورت المنافقون)

قرآنی اجتماعیتِ انقلاب (سورت التغابن)

عائلی اجتماعیت کے قرآنی اصول

(سورت الطلاق)

قرآنی دستور انقلاب (حصہ اوّل)

(سورت المزمل)

قرآنی دستور انقلاب (حصہ دوم)

(سورت المدثر)

قرآنی اصولِ انقلاب (سورت العصر)

قرآنی فکرِ انقلاب

سورت الاخلاص، سورت الفلق، سورت الناس

سورت الفلق

سورت الناس

قرآنی قانونِ انقلاب

سورت الممتحنہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

حرفِ اوّل

از ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمٰن

دین اسلام کو جو تابانی اور تازگی عطا کی گئی ہے وہ ہر دور میں صاحبِ عصر مجدد دین کے ذریعے آشکارا ہوتی رہتی ہے۔ دین حق کی اس ناقابل تنسیخ خوبی کو دُھندلانے کے لیے انسانیت دشمن طاقتوں نے ہر حربہ آزمایا۔ لیکن پہلے راؤنڈ میں کامیابی کے باوجود بالآخر انہیں چاروں شانے چت گرنا ہی پڑا۔

دورِ حاضر میں اللہ تعالیٰ نے ولی اللّٰہی جماعت کو یہ امتیازی وصف بخشا ہے کہ وہ دین کی روح اور اس کے مغز تک رسائی کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کے شعور سے بھی بہرہ مند رہی ہے۔ اسی جماعت کے سرمایۂ افتخار حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کا ہاتھ تو دور کی نبض پر تھا۔ اور انہوں نے جس خوبی سے قرآنی حکمت کو عصر حاضر کی جانی پہچانی آواز بنایا وہ انہی کا حصہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں سورۃ الممتحنہ کی وہ تفسیر پیش کی جا رہی ہے جو مولانا سندھی سے ان کے شاگرد شیخ بشیر احمد بی اے لدھیانویؒ نے اخذ کی ہے۔ اس سورت کے ذریعہ مولانا موصوف نے قرآنی انقلاب کے لیے ''قاعدے وضابطے'' کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اس بنا پر سورت کی اس مختصر تشریح کا عنوان ''قرآنی قانون انقلاب'' قرار پایا۔

(کتابچہ کی صورت میں طبع اول کا ابتدائیہ)

سورۃ الممتحنہ (60)

(یہ سورت مدنی ہے)

تمہید سورت

موضوع سورت

اگر حزب اللہ کے ارکان خیانت کریں تو انہیں کیا سزا دی جائے گی؟ اس مسئلے کی توضیح الممتحنہ میں کی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں حزب اللہ کے ارکان کو راز داری کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ جنگی قوت پیدا کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

سورۃ الحشر کے ساتھ ربط

سورۃ حشر میں لڑنا اور سرمایہ جمع کرنا' حزب اللہ کے فرائض میں داخل کیا گیا تھا۔ اس سورۃ الممتحنہ میں بتایا گیا ہے کہ حزب اللہ اپنا حاکمانہ نظام ایک قانون کے اندر رہ کر قائم کرے۔ کیونکہ جو جماعت قانون کے اندر رہ کر اپنا نظام رکھ سکتی ہے' اسے اگر دوسری قوم پر حاکم بنا دیا جائے تو وہ اس کا انتظام بھی قانون کے اندر رہ کر کرسکے گی۔ اس طرح ظالمانہ قوتوں کا استیصال ہو سکے گا۔

ایک واقعہ

حزب اللہ کا ایک ممبر ہے' وہ مہاجر ہے' وہ کفار کی جاسوسی کرتا ہے اور پکڑا جاتا ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا معاملہ کرتے ہیں؟ اس پر لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف منعطف ہوئی کہ کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بعد تمام قاعدے تلقین کر دیئے گئے۔ اور حکم دے دیا گیا کہ حزب اللہ کے ممبران قواعد کے اندر رہ کر کام کریں۔

حدیبیہ میں جو صلح ہوئی تھی وہ کفار نے توڑی تو حضور نبی کریم ﷺ نے خاموشی کے ساتھ عساکر جمع کر کے مکہ معظّمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپؐ نے کوشش کی کہ اس تیاری کی خبر باہر نہ نکل سکے۔ لیکن ایک بدری مہاجر حاطب ابن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ حضرت محمد ﷺ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ تحقیقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس لیے اطلاع دی کہ اہل مکہ جن کے قبضہ میں میرے اہل و عیال ہیں' اس احسان کے عوض وہ ان سے اچھا سلوک کریں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ عذر قبول فرمالیا اور اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اس پر یہ آیات نمبر 1 تا نمبر 3 نازل ہوئیں۔ جن میں پیغمبرؐ کے اس فعل کو قاعدہ مقرر کرنے کی بجائے ایسے حالات کے لیے نئے قوانین دیئے گئے ہیں۔

==========

سورۃ الممتحنہ (مدینہ 60)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ
تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ
تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝١ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً
وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝٢ۭ لَنْ
تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٣ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ
قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ
وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا
قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ
رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝٤ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٥ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ
فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝٦ۧ

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ
قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى
الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ
مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ
فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ
مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا
تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ
اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَىْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ الَّذِىْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝١١ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ
عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ
وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ
مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا
يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝١٣ ع

تفسیر سورت

فصل اول

حزب اللہ کے ممبروں کے فرائض کیا ہیں؟ اور انہوں کون سے کام نہیں کرنے ہیں، آیات نمبر 1 تا 9 میں اس کی تفصیل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر 1 : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ ٭ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡهُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس جو سچا دین آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں۔ رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے نکلے ہو تو ان کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے راستے سے بہک گیا۔“

دشمن طاقت

دشمن طاقت کی توضیح اس آیت میں ان الفاظ میں کر دی گئی ہے۔

(الف) قدکفروابما جاء کم من الحق۔

(ب) یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوا باللہ ربکم۔

ماجاء کم من الحق وہ انقلاب ہے جو قرآن حکیم لے کر آیا ہے۔

ان تومنوا باللہ ربکم تم نے اس انقلاب کو کامیاب بنانے کا ذمہ اٹھایا۔

انسان اپنے رب کے سوا کسی کا حکم مان ہی نہیں سکتا۔ یہ طبعی حقیقت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے خدا کے حکم کے سوا اور سب حکموں کے ماننے سے انکار کر دیا۔

یخرجون الرسول وایاکم ۔"اس جرم" کی پاداش میں کہ تم اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے، انقلاب کے مخالفین رسول اللہ کو اور تمہیں وطن سے خارج کر دیتے ہیں۔ وہ مار نہیں سکتے، رشتہ داری ہے، اور ڈرتے ہیں کہ اس وجہ سے خود ان کے اندر شدید اختلافات پیدا نہ ہو جائیں۔ اس لیے وہ گھر سے نکال ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حقیقت میں انسان کی جلاوطنی بھی موت کے قریب ہے۔ یہ ہے دشمن طاقت۔

دشمن کون ہے؟

اس قسم کی جماعت جب کبھی پیدا ہوگی، دشمن کہلائے گی۔ اس میں ہم تین چیزوں کو اساس قرار دیتے ہیں۔

(1) قرآن کے انقلاب کو سمجھ کر اس کا انکار کر دینا۔

(2) ایک جماعت قرآن کے انقلاب پر ایمان رکھتی ہو اور اس انقلاب کے سوا اور کوئی پروگرام نہ مانتی ہو، اس کی مخالفت کرنا۔

(3) اس انقلاب کو کامیاب بنانے والی جماعت سے لڑائی مول لینا تاکہ وہ جماعت اسے کامیاب نہ بنا سکے۔

اب ایک شخص ہے جو قرآن حکیم کے انقلاب کو نہیں سمجھتا اور نہ اس کا انکار کرتا ہے، یا وہ اس جماعت کو قرآن کے انقلاب کو ذمہ داری سے کامیاب بنانے والی

جماعت نہیں مانتا' یا وہ ان سے لڑائی نہیں کرتا۔ تو ایسا شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق کافروں کی فہرست میں شامل کیے جانے کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

جو شخص ان شرطوں کو پورا کرتا ہے اور قرآنی جماعت کے بالمقابل میدان میں آتا ہے اور پھر ایک ایسی جماعت اس کی حلیف ہو کر لڑتی ہے جس میں یہ تفصیلی اجزا نظر نہیں آتے تو عملی طور پر اس حلیف کو بھی کافر ہی تصور کیا جائے گا۔

آج کل عام مسلمانوں کی ذہنیتیں تو وہی ہیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے مخالف لڑنے والوں کے لیے قائم کی تھیں' مگر وہ لڑنے والے آدمی مر چکے۔ ان کے نام سے یا ان کی وراثت سے جو قومیں پیدا ہوئیں ہم لوگ ان کو بھی ان کے آباء و اجداد کی طرح لڑنے والا فرض کر لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے۔ یہ مفروضہ اس طرح غلط ہے جس طرح یہ مفروضہ غلط ہے کہ آج کے مسلمان ان مسلمانوں کے قائم مقام ہیں جنہوں نے قرآن کے جہاد یا انقلاب کو کامیاب بنایا تھا۔ اگرچہ ایک مسلمان اپنے آپ کو طبعی طور پر ان مسلمانوں کا جائز وارث بتاتا ہے مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ وہ باتیں ان مسلمانوں میں نہیں ہیں۔ اس لیے یہ ان کی طرح کامیابیوں کے مالک نہیں ہیں۔ ہماری سمجھ میں ان کافروں کے قائم مقام بھی حقیقت میں ان لڑنے والے کافروں کے پورے پورے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لڑائی قائم ہو جانے کے بعد حزب اللہ کا فرض

اس کی طرف آیت کے اس حصے میں ارشاد ہے۔

ان کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی و ابتغاء مرضاتی

(اگر تم میرے راستہ میں جہاد کے لیے نکلے اور میری رضاء تلاش کرنے کے لیے نکلے)

یہ **یا ایھاالذین امنوا** سے خطاب ہے۔

پہلے درجے پر ایمان کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے والا قرآن حکیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بالجزم کر چکا ہے۔ اور اس کے مخالف قانون کو نہ ماننے کا بھی عزم مصمم کر چکا ہے۔ اب وہ مجمل ایمان ذرا مفصل ہو جاتا ہے۔

سبیل اللہ کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

جہاد کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی ہر ایک جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔

جہاد کی غرض و غایت

اس جدوجہد کی عملی صورت قانون متعین کرتا رہے گا۔ قانون کی روح ہمیشہ قائم رکھنی چاہیے۔تو قانون ٹھیک نتیجہ پیدا کرے گا۔ کیونکہ جب قانون کی روح نظرانداز ہو جاتی ہےتو قانون کی ظاہری پابندی مفید نتائج پیدانہیں کرتی۔

قانون کی روح

قانون کی روح کو ہمیشہ مدّنظر رکھنے کو''ابتغاء مرضاتی'' کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے۔

حزب اللہ کی اعلیٰ جماعت کے لیے جو عنوان مقرر کیا گیا ہے۔ وہ ''رضی اللہ عنہم و رضواعنہ'' ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے قانون کے سوا کسی اور قانون کی پروا نہ کی جائے۔ اسی بات کو ابتغاء مرضات اللہ کہا گیا ہے۔ گویا اللہ کے قانون کو مان کر غیر کے قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے تو اس سے رضاء الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ قانون کی اس سپرٹ کو قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔

حزب اللہ کے قانون کی مخالفت کا مطلب

اس کی طرف:

لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (دوست نہ بناؤ میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو؟) میں ارشاد ہے اور جس کی تفصیل تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کا پیغام بھیجتے ہو) ہے۔

یعنی قانون کی خلاف ورزی کا مطلب یہ ہے کہ ''میرے اور اپنے دشمن کو دوست بناتے ہو اور پھر اسے خفیہ پیام بھیجتے ہو''؟ جب تم نے ان کے ساتھ دشمنی کا اعلان کر ہی دیا ہے تو پھر دوستی کہاں تک معقول ہوسکتی ہے؟ یہ مخالف کی ادنیٰ ترین اعانت ہے۔ اس سے انسان خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اعانت کتنا جرم ہے۔

حزب اللہ خدا کی نگرانی میں

وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ

یہ جماعت حزب اللہ کہلاتی ہے۔ اس لیے اس کے اعمال کی نگرانی اللہ سبحانہ تعالیٰ خود ہی کرے گا۔ اور وہی انسان کو اس کے اعمال کے مطابق ثمرہ دے گا۔ سبیل اللہ (حزب اللہ کے پروگرام) کی مخالفت کرنے والا غلط راستے پر چل پڑا ہے۔ اس لیے اسے خدا ضرور سزا دے گا۔

سورۃ کے باقی حصے میں اس مرکزی آیت کی تشریح ہے۔

آیت نمبر2 : اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲ۭ

ترجمہ: ''اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو اظہار عداوت کرنے لگیں۔ اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ تم منکر ہو جاؤ۔''

مخالفین کا مقصد

تمہاری اس غلطی سے تمہارے دشمن کیا فائدہ اٹھاتے ہیں؟ اگر وہ ملی نقصان جو تمہاری اس حرکت سے پہنچ سکتا ہے' تمہاری نظروں میں ہوتا تو تم ایسی حرکت نہ کرتے۔ وہ نقصان یہ ہے کہ مخالف تمہاری بھیجی ہوئی اطلاعات سے فائدہ اٹھا کر تمہارے پروگرام کو توڑنا اور تمہیں اس سے منکر بنانا چاہتے ہیں۔ (وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ)

آیت نمبر 3: لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾

ترجمہ: ”تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہیں فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ وہ (اللہ) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔“

تم نے اتنے بڑے نقصان کے مقابلے میں جو جزوی فائدہ سوچا تھا کہ اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو فائدہ پہنچا سکو گے' یہ رشتہ داری اللہ کے ہاں پہنچ کر یعنی قیامت میں تمہارے کام آنے والی چیز نہیں ہے۔ جس رشتہ داری میں خدا کے حکم کا خیال نہ ہو وہ خدا کے سامنے پیش ہونے تک ٹوٹ جائے گی (**یفصل بینکم**)۔

لہٰذا جزوی فائدے کو مقدم نہ کرو۔

آیت نمبر 5,4: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ
إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ
إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ
رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا
فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾

ترجمہ: ”بے شک تمہارے لیے ابراہیم میں اچھا نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو ان کے ہمراہ تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ہم نے تمہارا انکار کر دیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لیے ظاہر ہوگیا۔ یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں تمہارے لیے معافی مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں۔ اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں ان کا تختہ

مشق نہ بنا جو کافر ہیں۔ اور اے ہمارے رب ہمیں معاف کر۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔''

حضرت ابراہیمؑ کی مثال

حزب اللہ میں کوئی شخصیت ایسی ہے جس کو آئیڈیل سمجھا جائے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا وہی معاملہ تمہیں کرنا چاہیے۔

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ :

انہوں نے علی الاعلان کہہ دیا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا ہوگیا ہے۔ یہ مخاصمت اس وقت تک رہے گی جب تک تم خدا کے قانون کی اطاعت کی طرف لوٹ نہ آؤ۔ اب ہم تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں کسی کام میں مدد دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ان کی دعا یہ تھی:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵

تم بھی اس دعا کو اپنا آئیڈیل بناؤ۔

حضرت ابراہیمؑ کی ایک دعا جس کی اتباع نہیں ہوسکتی

الاقول ابراھیم لابیہ لا ستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شئی

(مگر ابراہیم کا یہ قول اپنے باپ سے کہ میں تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگوں گا، (یہ اسوۂ حسنہ نہیں ہے۔)

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعا مانگی تھی' ان کی یہ بات قابل تقلید نہیں ہے۔ انسانوں کی لغزشوں پر قرآن اپنے قانون نہیں بدلتا۔

آیت نمبر 6: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶

ترجمہ : ''بلا شبہ ان لوگوں میں تمہارے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید (عقیدہ) رکھتا ہو اور جو روگردانی کرے گا تو اللہ بالکل بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔''

الغرض تمہارے لیے ان لوگوں کے افعال و اعمال بہترین نمونہ ہیں۔ جو شخص ان کے نمونے پر نہ چلے اللہ کو اس کی مطلق پروا نہیں ہے۔ اگر اس کا دعویٰ خدا سے محبت کا ہے تو اسے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے طریق پر چلنا چاہیے۔

کیا دوستی کا امکان ختم ہوگیا؟

آیت نمبر7 : عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ : ''شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تمہیں دشمنی ہے' دوستی قائم کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

کیا اب یہ سمجھ لیا جائے کہ جو لوگ ہمارے دشمن ہیں ان سے دوستی پیدا ہونے کا امکان ختم ہوگیا۔ اس لیے ان سے کوئی دوستانہ معاملہ کرنا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا؟

اس آیت میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ یہ مطلب نہیں۔ خدا ایسے سامان پیدا کرے گا کہ ان کے ساتھ دوستی پیدا ہو جائے۔ مگر یہ غلط ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی کر کے ان سے دوستی پیدا کرو۔ اللہ انہیں کے دلوں میں انقلاب پیدا کر دے گا کہ وہ تم سے دشمنی کرنا چھوڑ دیں گے۔ اس وقت تم بھی ان سے دوستی کر سکتے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دشمنی کر رہے ہوں تو ان کی محبت تم اپنے دلوں میں رکھ کر ان کی مدد کرو۔

دوستی کب جائز ہے؟

آیت نمبر8: لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ

ترجمہ: ’’اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے۔ اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے‘ اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘

یہاں یہ مذکورہ بالا خیال کی تصریح کی گئی ہے یعنی جب ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ وہ لڑنا چھوڑ دیں تو پھر ان سے دوستی ممنوع نہیں ہے۔

آیت نمبر 9: اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

ترجمہ: ’’تمہیں اللہ انہی سے منع کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر لوگوں کی مدد بھی کی‘ کہ ان سے دوستی کرو۔ اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہے۔‘‘

دوستی کرنے کی ممانعت اس وقت تک ہے جب تک وہ دشمنی پر ہیں اور اس کے دو بنیادی سبب ہیں:

(1) قاتلو کم فی الدین (اصل دشمن جو قتل انسانیت کا ارتکاب کرتے ہیں)

(2) ظاھر و اعلی اخراجکم (ان (قاتلوں) کے حلیف بن کر انسانیت کو ہجرت پر مجبور کرتے ہیں۔)

دشمن کا دوست

من یتولھم فاولئک ھم الظلمون جو دشمنوں سے دوستی کرے وہ بھی دشمنوں ہی میں شمار ہونے لگتا ہے۔

حزب اللہ کے ممبروں کے فرائض قانونی طور پر منضبط کر لیے گئے۔ ان کی روح تخریبی (سلبی) ہے یعنی یہ کہ یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ اب انہیں (آیات 10 تا 12 میں) بتایا جائے گا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

فصل دوم

فصل اول میں اس امر پر بحث کی گئی تھی کہ ایک شخص حزب اللہ کا رکن ہو کر کفار کے ساتھ خفیہ راہ و رسم پیدا کرے تو کیا کرنا چاہیے۔ اب اس فصل میں اس کے برعکس اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ کوئی شخص مخالف کیمپ میں ہوتے ہوئے حزب اللہ کی طرف دست مودّت بڑھائے تو کیا کرنا چاہیے۔

دشمن کا آدمی مسلم کیمپ میں

جو لوگ مخالف کیمپ سے آتے ہیں وہ بعض اوقات دشمنی کے لیے آتے ہیں۔ گو وہ اپنے آپ کو دوست ظاہر کرتے ہیں وہ یا تو مسلم کیمپ میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں یا یہاں کے راز کی جستجو کرتے ہیں۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ دشمن کے کیمپ سے تمہارے پاس آئیں پہلے ان کا امتحان لے لو اور دیکھ لو کہ وہ دشمنی کرنے تو نہیں آئے؟ اگر تم سمجھو کہ وہ دوستی کی راہ سے آئے ہیں تو ان کو اپنی جماعت میں شامل کر لو۔ لیکن اگر وہ اپنے ساتھ روپیہ پیسہ لائے ہیں تو وہ واپس کر دو۔ یہ روپیہ کافروں کا شمار ہوگا' اسے مسلم کیمپ میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

بعض نااہل فقیہ مسلمانوں میں ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے مسلمانوں کی اجتماعی مالی طاقت کو سخت صدمہ پہنچایا۔ وہ انارکسٹ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اجتماعیت کے معنی جانتے ہی نہیں۔ بدقسمتی سے انارکسٹ فقیہوں کا فقہ حنفی پر غلبہ ہو گیا۔ اس کا سبب بادشاہوں کا ظلم بنا ہے۔ بادشاہوں کے ظلم سے بچنے کے لیے ہر شخص بادشاہ کے حکم کا انکار نہ کرنا اپنا کمال سمجھتا ہے۔ اس طرح ہوتے ہوتے ان میں سے اجتماعیت بالکل رخصت ہو گئی۔

آیت نمبر10: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ کرلو۔ اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ پس اگر تم انہیں مومن معلوم کرو تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ‘ نہ وہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافران کے لیے حلال ہیں۔ اور ان کفار کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا۔ اور تم پر گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔ اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا‘ مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں‘ اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لیے صادر فرمایا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔‘‘

(الف) اِمْتَحِنُوْهُنَّ امتحان کا طریق آیت نمبر 12 میں آتا ہے۔

کافر خاوندوں کا مہر واپس کردیں

(ب) وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا: یہ عورتیں جو تمہارے پاس آتی ہیں ان پر ان کے پہلے خاوندوں نے جو مال خرچ کیا ہے یعنی ان کا مہر وہ ان کو واپس کردو۔

(ج) وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی تم اپنا مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرسکتے ہو۔

(د) وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ : جس طرح بعض عورتیں کافروں کے کیمپ سے مسلم کیمپ میں آتی ہیں‘ ایسے ہی ایسی عورتیں بھی ہیں جو مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر وہ

ہجرت کی قائل نہ تھیں اس لیے وہ پیچھے کافروں کے کیمپ میں رہ گئیں۔ جس طرح پہلی قسم کی عورتوں کے پہلے تعلقات قانون تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اس طرح ان مسلمانوں کے کافر عورتوں کے ساتھ تعلقات کو بھی قرآنی قانون تسلیم نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے کہ ان سے اپنے تعلقات قطع کرو۔ اس لیے حکم دے دیا کہ ان عورتوں کا ناموس جو کافر رہ گئیں اور اسلامی پروگرام کو تسلیم نہیں کرتیں' اپنے قبضے میں مت رکھو۔

اپنی بیویوں کا مہر واپس لے لو

(ہ) وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ : تم نے اپنی بیویوں کا جو مہر مقرر کیا تھا وہ ان سے واپس لے لو۔

(و) وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا : انہوں نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ تم سے لے لیں۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ : یہ حکم اللہ کا ہے اس لیے انصاف پر مبنی ہے۔ جو کافر انصاف کرتا ہے وہ اللہ کا حکم قائم کرتا ہے۔ جو مسلمان ظلم کرتا ہے وہ شیطان کا حکم قائم کرتا ہے۔ ایسا مسلمان اجتماعیت کو فراموش کر چکا ہے۔

آیت نمبر 11: وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: ''اور اگر کوئی عورت تمہاری عورتوں میں سے کفار کے پاس نکل گئی ہے پھر تمہاری باری آجائے تو تم ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں چلی گئیں ہیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

اگر کافر مہر ادا نہ کریں

اگر کافر لوگ ان عورتوں کے مہر ادا نہ کریں جو تم نے چھوڑی ہیں تو مال غنیمت میں سے پہلے ان مسلمانوں کا حق ادا کرو جن کی بیویاں کفار کے پاس جا چکی ہیں۔

فَعَاقَبْتُمْ : ہاتھ مارو۔ ان سے اتنا مال غنیمت لے لو۔

مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا : جتنا مسلمانوں نے خرچ کیا ہے وہ انہیں دے دو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ : اللہ کے انصاف کی پیروی کرو یعنی خود بھی انصاف کرو۔

آیت نمبر 12: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ
شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ
يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ
وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

ترجمہ: ’’اے نبی جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ اور نہ چوری کریں گی۔ اور نہ زنا کریں گی۔ اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی‘ جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی) بنالیں۔ اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی‘ تو ان کی بیعت قبول کر۔ ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ‘ بے شک اللہ بخشنے والا‘ نہایت رحم والا ہے۔

امتحان کا طریق

کُفّار کی جو عورتیں امتحان دینے کے بعد قبول کی جاسکتی ہیں (جس کی طرف آیت نمبر 10 میں اشارہ کیا گیا ہے)‘ ان کے امتحان کا کیا قاعدہ ہوگا؟ یہ طریقہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے نئے رکن کے فرائض متعین ہو جائیں گے۔ یعنی یہ کہ وہ کن کن چیزوں کا اقرار کرے کہ اسے حزب اللہ کی رکنیت کے لیے قبول کرلیا جائے۔

بیعت کا مطلب

یبایعنک اپنا پورا اختیار تجھے دے دیں۔ اپنا سر رکھ دیں یعنی اقرار کریں کہ اگر ہم حزب اللہ کی خلاف ورزی کریں تو آپ سزا جاری کرنے کے پورے پورے مختار ہیں۔

سیاست اور بیعت

جب ہم ایک عہد کریں اور ساتھ ہی یہ بھی اقرار کرلیں کہ اگر اس کی خلاف ورزی کریں تو اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں‘ خواہ وہ ضبطی مال کی صورت میں ہو یا سر قلم کرنے کی شکل میں‘ ہم ہرگز اعتراض نہ کریں گے‘ اس اقرار نامے کو بیعت کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ اس بیعت کو سیاسی رکنیت کی اساس قرار دیتے ہیں(1) (القول الجمیل اورفیوض الحرمین)۔

ہمارے نادان علماء سیاست کو مذہب سے علیحدہ تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور اسلام و ایمان کی بیعت گویا ان کے نزدیک سیاسی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم ان لوگوں کو سفہائے امت میں سے گنتے ہیں۔شاہ ولی اللہؒ کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں اجتماعی سیاست سمجھا دی ہے۔ انہوں نے جن اصولوں پر اسلامی اجتماعیت کو حل کیا ہے اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ گو وہ لوگ اپنا فکر (Idealogy) الگ رکھتے ہیں' مگر اسے کامیاب بنانے کے لیےقوانین وہی تجویز کرتے ہیں جو شاہ صاحبؒ بتاتے ہیں۔ ان نادان فقہا کے پیچھے چل کر مسلمان کبھی ان مصیبتوں کے سمندروں سے پار نہیں اتر سکتے جو ان کی اجتماعیت ٹوٹنے کے بعد ان کے راستے میں حائل ہوگئے ہیں۔اب نہ ہمارا علمی نظام باقی رہا ہے' نہ اخلاقی' نہ مالی۔ نہ گھر کا ٹھکانہ ہے' نہ مسجد کا۔ ہر جگہ بدنظمی ہی بدنظمی مہیب شکل میں نظر آ رہی ہے۔اس کے لیے ایک اجتماعیت شناس امام چاہیے جو قرآن کا اجتماعی نقطہ نظر سمجھا سکے۔کوئی مستعار سیاست یا ادھورا پروگرام مسلمانوں کو مصیبت سے نجات نہیں دلاسکتا۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پروگرام کے ماسواء کوئی پروگرام ہمیں نظر نہیں آ تا۔

شاہ صاحبؒ کی حکمت کے مطابق اس بیعت ہی کے طریقے سے حکومت پیدا ہوتی ہے' اس کی دو شکلیں ہیں:

(1) خلافت باطنہ اور (2) خلافت ظاہرہ

(1) اگر (بیعت کے اصول پر جماعت تشکیل دی جائے اور اسے اپنی تیاری کے مرحلے میں) لڑنے کی اجازت نہ ہوتو شاہ صاحبؒ اسے خلافت باطنہ قرار دیتے ہیں۔

(2) اگر (جماعت اپنی حکومت قائم کر لے اوراسے اقدامی اور دفاعی جنگ کے لیے)

(1) شاہ ولی اللہ اپنی کتاب فیوض الحرمین میں خلافت ظاہرہ اور خلافت باطنہ کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان فرما کر لکھتے ہیں: ''لما اصلنا هذا الاصل قلنا ان نفرّع علیه الاخذ بالبیعة '' (جب ہم نے خلافت ظاہرہ اور باطنہ میں امت کے لیے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے بنیادی اصول بیان کر دیے تو بیعت لینے کا قانون اسی بنیادی اصول کی فرع ہے۔) (دیکھئے ''فیوض الحرمین'' مشہد نمبر 36 ،ص 98 ،طبع کراچی۔) (آزاد)

لڑنے کی اجازت ہوتو اسے خلافت ظاہرہ قرار دیتے ہیں۔

حکومت کس طرح قائم کی جاتی ہے

شاہ صاحب بادشاہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ ان کی نگاہ میں بادشاہی فقط ذات خداوندی کو زیبا ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان کا بہترین امتیاز یہ ہے کہ وہ اللہ کا بہترین نائب ہو کر حکومت کرے۔ اس لیے وہ اسے خلافت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کی بادشاہی اس بیعت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بیعت کرنے والا آدمی جس سے بیعت کرتا ہے اسے ایک سلطان مانتا ہے۔ اگر وہ فقیہ ہے اور حکیم ہے تو ایک آدمی کی بیعت ہی سے اس کی سلطنت کی بنیاد پڑے گی۔ اگر سفیہہ ہے تو لاکھوں کے مجموعے سے بھی کوئی نظام قائم نہیں ہوسکتا' نہ کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔

بیعت کی مدات

مومن عورتیں کن باتوں پر بیعت کرتی ہیں:

(1) انکارشرک

لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

کسی شخص کو اپنا کارساز ماننا' اسے خدا کا شریک بنانا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو حکومت کا مرکز ماننا بھی شرک کرنا ہے۔ وہ وعدہ کرتی ہیں کہ ان دونوں قسموں کے شرکوں میں سے کسی قسم کا شرک بھی قبول نہیں کریں گی۔

(2) مالی حقوق کی حفاظت

وَلَا يَسْرِقْنَ : کسی کا مال نہیں چرائیں گی۔

لوگوں کے جو مالی حقوق مسلمہ ہوں گے ان کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ مالی حقوق پر کم سے کم درجے کا حملہ چوری ہے' وہ یہ نہیں کریں گی' چہ جائیکہ اس سے بالاتر کسی اور ذریعے سے کسی کا مال ہضم کرنے کی کوشش کریں۔

(3) حفاظتِ عزت

وَلَا يَزْنِيْنَ : وہ زنا نہیں کریں گی۔

انسان کی عزت، عصمت کے ساتھ نکاح کی پابندی میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ وعدہ کرتی ہیں کہ کسی کی عزت برباد نہ کریں گی۔

(4) اولاد کا قتل نہ کرنا

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ : اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

اپنی عزت بچانے کے لیے اور زنا کاری چھپانے کے لیے اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

(5) نیوگ اور بہتان تراشی سے انکار

وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ : ایک کا بچہ دوسرے کے نام نہ لگائیں گی۔[1]

ایک عورت ایک مرد سے بچہ لے کر دوسرے کے نام لگا دیتی ہے' یہ بہتان ہے۔ پہلے لوگوں میں رواج رہا ہے کہ ایک مرد سے کام نہ چلے تو عورت دوسرے مرد سے بچہ لے آتی ہے۔ اسے نیوگ کہتے ہیں' یہ حرام ہے۔عورت ایسی حرکت نہ کرے۔ بچہ پیدا کرنے کی خواہش اور نسل بڑھانے کا جذبہ بے شک تقاضائے فطرت انسانی ہے۔مگر ایک مصنوعی طریقے کو فطرت کا قائم مقام بنانا بہتان ہے، جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہمارے لوگوں نے چند خاص ملکوں میں بیٹھ کر اور ان کے اندر رہ کر قوانین بنائے ہیں۔ وہ ان ملکوں کی فقہ ہے۔ یہ فقہ ساری کی ساری قرآن حکیم میں نہیں آ سکتی۔ پس بغداد کی فقہ ہندوستان میں نہیں لائی جاسکتی۔اور انگلستان کا قانون پاکستان میں نہیں چل

---

[1] حدیث پاک میں آتا ہے کہ مرد بھی اسی طرح کی بیعت کریں گے، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنی بیعت کا حکم دیا، اور اس میں درج ذیل پانچ (5) مدات کا ذکر کیا۔ پس ہم نے آپؐ سے بیعت کی۔ امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے یہ حدیث تخریج کی ہے۔ (بخاری حدیث نمبر 18، باب 11/11، ص 17، طبع بیروت۔) (آزاد)

سکتا۔ بخارا کے بادشاہ ہندوستان پر حاکم ہو جاتے ہیں اور انگلستان کے تاجر ہندوستان میں آتے ہیں۔ دونوں اپنے اپنے ملکوں کے قانون یہاں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (یہاں کے) لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آ جاتے ہیں۔ انہی (مسائل) میں سے نیوگ کا مسئلہ ہے۔ لوگ اسے زنا میں داخل کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے، یہ ایک قانون کے تحت ہے۔ اس لیے اسے زنا نہیں کہا جاسکتا۔ زنا سے مراد ہے کسی قسم کا نکاح نہ ہونا اور نیوگ ایک قسم کا نکاح ہے کہ اسے زنا کے تحت (بیان کر کے) نہیں لایا جاسکتا۔ اس لیے قرآن حکیم کو اسے جداگانہ طور پر منع کرنا پڑا۔

اب تک جو چیزیں تھیں وہ منفی حیثیت میں تھیں۔ اب ایک مثبت چیز سے اس قانون کی تکمیل کر دی جاتی ہے۔

معروف کا معنی

وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِىۡ مَعۡرُوۡفٍ : (وہ آپ نافرمانی نہیں کریں گی معروف میں)

جو چیز کسی ملک میں عقلاء کی مجاریٹی (اکثریت) میں معقول مانی جائے اسے معروف کہا جاتا ہے۔ جب بیعت معروف پر ہوگی تو گویا ساری شریعت کو تسلیم کرلیا گیا۔

فَبَايِعۡهُنَّ : ان کی بیعت قبول کرلو۔

وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ : اگر وہ غلطی سے خلاف ورزی کر بیٹھیں تو اللہ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ : حزب اللہ کی کمزور حالت میں عورتیں اس کی ممبر بنتی ہیں مگر وہ سیاسیات میں بڑی طاقت نہیں مانی جاتیں۔ اس سے انہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ ان کی کمزوری دور کر دے گا اور یہ چھوٹی طاقت بھی بہت بڑا کام کرسکتی ہے۔

زندگی پر مایوسی کا اثر نہ ہونے دو

آیت نمبر 13: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَوَلَّوْاْ قَوْمًا غَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُواْ مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ كَمَا يَئِسَ ٱلْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْقُبُورِ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا' وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہوگئے جیسے کافر اہل قبور سے ناامید ہوگئے۔''

کفار جو اہل کتاب سے نہیں ہیں اہل قبور سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ مایوسین کی پہلی جماعت ہے۔ یہ لوگ سمجھ بیٹھے ہیں جو قبر میں چلا گیا اس کی ترقی کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے اپنی ترقی کا میدان فقط قبر سے ورے تک سمجھ لیا ہے۔ ان کے مقابلے میں مایوسین کی دوسری جماعت اہل کتاب کی بھی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ باوجود آخرت کو تسلیم کرنے کے عملی طور پر اپنے آپ سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور یقین کر چکے ہیں کہ وہ اپنے جماعتی نظام سے ترقی کی کوئی ہمت پیدا نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بڑے انسان کی آمد پر امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آئے گا تو ہم ترقی کرسکیں گے۔ اس کے بغیر ہم اجتماعی نظام سے کوئی کام نہیں لے سکتے۔ یہ یہود ہیں۔ مسلمان ان سے دوستی پیدا کر کے ان کی مانند نہ بن جائیں اور کسی بڑی خارجی طاقت کے منتظر بن کر نہ بیٹھ رہیں۔ بلکہ قرآن حکیم کی مدد سے اپنی ترقی کا سامان آپ اپنے اجتماعی نظام کی مدد سے پیدا کریں۔ یہود و نصاریٰ دونوں اپنی آخرت سے مایوس ہو کر قبر سے ورے تک اپنا میدان ترقی سمجھنے لگ گئے ہیں۔ مسلمان ان خیالات سے متاثر نہ ہوں۔

آخرت اور زندگی کا تلازم

قوموں کی زندگی میں آخرت کا عقیدہ ان کے دنیاوی عقیدہ کا بطن ہوتا ہے۔ جب یہ آخرت کی زندگی سے مایوس ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں مایوس ہو جائیں گے۔ ایک ہی عمل ہے' وہ منہ میں ایک اثر پیدا کرتا ہے اور پیٹ میں جا کر دوسرا پیدا کرتا ہے۔ منہ کے اندر پیدا شدہ اثر کو ظاہری حیات تصور کیا جائے تو

پیٹ کے اندر پیدا شدہ اثر کو باطنی حیات کہا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں لازم وملزوم ہیں۔ جو شخص اپنے اعمال سے آخرت میں مایوس ہے وہ اپنی محنت اور اجتماعیت سے دنیا میں بھی ترقی کا کوئی سامان پیدا کرنے کی امید اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے گا۔ اس قسم کے لوگوں سے دوستی پیدا کر کے ان کے سے نہ ہو جاؤ۔

مایوسّین کی محبت کے نقصانات

اس سورت کے آغاز میں کہا گیا تھا کہ **یاایھاالذین امنو لا تتخذوا عدوی وعدوّکم اولیاء** یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو اجتماعیت اسلامیہ کے دشمن ہیں اور اس میں رخنہ اندازی کر رہے ہیں کسی قسم کی محبت نہ رکھو' تو اس کی حکمت آخری آیت میں بیان فرما دی کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو جاؤ گے۔ درمیان میں اور بھی بہت سے نقصانات اس قسم کی دوستی سے پیدا ہوں گے' جن کا ذکر آ چکا ہے۔ مگر سب سے بڑا نقصان یہ اخلاقی نقصان ہے جو عام مایوسیت (Pessemism) کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ یہ تمہاری موت ہے۔

آخر اور اولیٰ ایک دوسرے کے مقابل الفاظ ہیں۔ اگر ایک چیز کو اُولیٰ کہا جائے تو دوسری چیز کو آخرۃ کہنا چاہیے۔ دنیاوی زندگی کا ایک حصہ جو پہلے ہے وہ اُولیٰ ہو تو جو حصہ اس کے بعد آئے گا اسے آخرۃ کہنا جائز ہے۔ گویا دنیاوی زندگی کی آخرۃ ہے جو دوسری زندگی سے متصل ہوتی ہے۔ پس دنیاوی زندگی کا آخری حصہ اور دوسری زندگی کا پہلا حصہ آپس میں علت ومعلول کا تناسب رکھیں گے۔ جس شخص کے دل میں دوسری زندگی کی کامیابی کا تصور ہو' وہ ضرور اپنی دنیاوی زندگی کے آخری حصے میں کامیابی کا یقین حاصل کرنا چاہے گا' ورنہ وہ علت ومعلول کا تناسب قائم نہیں رہ سکے گا۔

ایک قوم اہل کتاب ہے۔ اس کی اس تعلیم نے اسے ایک فکر دیا ہے۔ اگر یہ قوم اپنی ہمت اور اس کتاب کی تعلیمات کی پابندی سے اس فکر (Idea) کو حاصل کرنے سے مایوس ہوگئی تو اس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ (آخرت سے مایوس ہوگئے)

وللاخرۃ خیرلک من الاولی کی تفسیر

سورۃ الضحیٰ میں جو آیا ہے **وللاخرۃ خیرلک من الاولی** تو اس میں حضرت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی دو حالتوں میں تناسب دکھایا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دوسری حالت جو آنے والی ہے وہ اس پہلی حالت سے اچھی ہوگی۔ جس میں وحی کے انقطاع کی وجہ سے مایوسی ہوگئی تھی۔ جیسے سورج ڈھل جاتا ہے اور رات ہو جاتی ہے اور پھر دوسرے دن سورج نکل آتا ہے' اسی طرح وحی کے انقطاع سے مایوسی کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ یہ انقطاع اس لیے ہوا کہ دوسری وحی پہلی سے قوی تر آنے والی ہے۔ پہلی وحی اس کے لیے بنیاد کا کام دے گی۔ پس یہ بنیاد جس قدر مضبوط ہوگی اس پر اسی قدر مضبوط عمارت بن سکے گی۔ اس لیے عارضی انقطاع وحی سے جو حالت پیدا ہوئی ہے' اسے اُولیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے بعد سلسلہ وحی کے آغاز سے جو نیا دورِ حیات شروع ہوا ہے' اسے آخرت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس تمام دنیاوی زندگی کو اولیٰ کہا جائے تو حیات مابعد الممات کو آخرت کہنا جائز ہے۔ لیکن ان معنوں میں آخرت کی بہتری ان سے پہلے معنوں میں اولیٰ کی بہتری پر موقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس ترجمے کی طرف تفہیمات الٰہیہ(1) میں اشارہ فرمایا ہے۔

تمت سورة الممتحنة (60)

(دستخط مولانا بشیر احمد بحروف انگریزی)

بروز بدھ 43-05-05

شام 5:30 بجے



(1) حضرت امام شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے تفہیمات میں سورہ والضحیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے: (وللاخرة خیر لک من الاولی) فوالذی نفسی بیدہٖ ما اتی حالة لاحقة الا وھی ارفع من التی قبلھا، ثم وعدہ' الی ان یبلغہ، مقاماً رفیعاً کلّت الالسن عن نعتہٖ بقولہ (ولسوف یعطیک ربک فترضی) ترجمہ: ''پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ آپؐ کی زندگی میں آنے والی کوئی حالت ایسی نہیں کہ وہ اپنی پہلی حالت سے بلند تر نہ ہو، پھر اللہ نے آپؐ سے وعدہ کیا کہ آپؐ ایسے بلند مقام تک پہنچیں گے، جس کی حقیقت بیان کرنے سے زبانیں عاجز ہیں۔'' (تفہیم نمبر 98، ص 131، ج 2) (آزاد)

قرآنی صفِ انقلاب

سورت الصّفّ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

صف بندی کی اہمیت

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ

(بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔)

صف باندھ کر لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں رخنہ نہ آنے دیا جائے جو صف دشمن کے مقابلے میں جائے اس میں سے جتنے آدمی شہید ہوں ان کا رخنہ فوراً پُر کر دیا جائے۔ اس طرح اپنی کمی پوری کرتی ہوئی یہ صف آگے بڑھے۔ فوجی نظام میں یہ علوم متعارفہ کے درجے کی چیز ہے کہ جو افسر شہید ہو جائے اس کے نیچے کا آدمی فوراً خود بخود اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس نظام کا کوئی عہدہ آخری دم تک کبھی خالی نہیں رہتا۔ فتح اسی تنظیم کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے۔ بعض اوقات حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ صف میں ایک آخری آدمی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ جاتا ہے تو فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ساری جماعت کی فتح شمار ہوتی ہے۔ جب تک مرنے والوں کی جگہ زندہ لوگ سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائیں، کسی فوجی نظام کا نام تک نہیں لینا چاہیے۔ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ چاہے ہم سو آدمیوں کا دستہ دشمن کے مقابلے میں بھیجیں، مگر اس دستے میں جو کمی ہوتی رہے، اسے پورا کرنے کا انتظام پیچھے سے ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ سو آدمیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہوا دشمن کو شکست دے دے۔ اس کے لیے اگر پیچھے ساری قوم تیار نہیں ہے تو وہ سو آدمیوں کا دستہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو لوگ اس طرح ''بنیان مرصوص'' (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بن کر لڑتے ہیں اللہ ان سب سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یعنی اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ ساری قوم بنیان مرصوص بن کر کام کرے۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الصّف (61)

(مدنی سورت ہے)

تمہیدِ سورت

سورۃ ممتحنہ کے ساتھ ربط

سورۃ ممتحنہ میں جو تعلیم دی گئی تھی اسے اگر تعلقات خارجیہ سے تعبیر کیا جائے تو زیادہ بعید نہیں۔ (گویا اس سورت میں وزارتِ خارجیہ کے امور کا تعین کیا گیا تھا۔)

وزارتِ خارجہ کا کام

غیر مسلم جماعتوں کے دو حصے ہوں گے:

(1) وہ دشمن جن کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہیے۔

(2) ایسے لوگ جو دشمنی نہیں کرتے، ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا ممنوع نہیں۔

اس سورۃ میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ تعلقات منقطع کرنے کے کیا درجے ہیں۔ جن سے تعلقات منقطع کر لیے جائیں ان کے ساتھ بھی انصاف کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ جس طرح تعلقات منقطع کرنے کے بعد ہم اپنے حقوق محفوظ کرنا چاہتے ہیں، ویسے ہی فریق ثانی کے حقوق بھی ہم پائمال کرنا نہیں چاہتے یہی چیز ہے جو وزارت خارجہ (Foreign Office) کی پالیسی (Policy) معین کرتی ہے۔

وزارت حربیہ کا کام

وزارت خارجہ کے بعد وزارت حربیہ (Ministry of Defence) کا کام آتا ہے۔ جس جماعت یا قوم کو وزارت خارجہ دشمن قرار دے دے اور جن سے تعلقات منقطع کر لے ان کے ساتھ لڑنے کی پوری تیاری کرنا حکومت بنانے والی پارٹی کے لیے ضروری ہے۔ حکومت کے قیام کے بعد اس کو وزارت حربیہ کہا جائے گا۔

سورۃ صف کا مضمون

چنانچہ اس سورت الصّف میں لڑائی کی تیاری کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کو بڑی بڑی جنگوں کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

==========

سورۃ الصّف (61)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا
تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ
مَّرْصُوْصٌ ﴿٤﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي
اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ
كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿١٠﴾
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ
مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ
مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ
فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ع ●

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾
ترجمہ: ”جو مخلوقات آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔“

قرآن کا نظام قائم کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جنگ کرنے کا حکم کہ اللہ کا قانون یعنی اللہ کی کتاب دنیا میں حاکمانہ انداز سے کامیاب ہو اس لیے نہیں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج ہے (سبح)۔ بلکہ اس لیے کہ وہ ایک قوم کو حکومت چلانے کی ذمہ داری سکھانا چاہتا ہے (یہ حکیم کے اسم کی تاثیر ہے)۔ اور اس طریقے سے دنیا میں معزز بنانا چاہتا ہے (یہ اسم عزیز کا مطلب ہے)۔

اللہ کا محتاج نہ ہونا زمین و آسمان کی حکومت چلانے سے ظاہر ہے۔ آسمانی سیارے اور ستارے ایک خاص نظام میں حرکت کر رہے ہیں اور اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ایسے ہی زمین کے مختلف موالید اور جنّ سب اپنے اپنے فرائض پورے کر رہے ہیں۔ اور اس قانون کے اندر چل رہے ہیں جو اللہ نے اُن کے لیے بنا دیا ہے۔ اگر اتنے بڑے نظام کے چلانے میں اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے تو وہ انسانوں کے اندر ایک خاص قسم کی حکومت چلانے میں کسی کا محتاج کیوں ہونے لگا؟

آیت نمبر 2: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢﴾
ترجمہ: ”اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔“

جبری خدمت

حزب اللہ قائم ہونے کے بعد جماعت میں یہ استعداد آ گئی کہ وہ اپنے فرائض خود ادا کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کریں۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنا' اس نظام کو سنبھالنا یہ ہمارا ایمانی فرض ہے۔ اب ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہماری رہنمائی کی جائے اور ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ فرائض جو ہو سکتے ہیں وہ بتائے جائیں۔ تو انسان کو حکومت بنانے میں سب سے مشکل فرض جو پیش آتا ہے' وہ عمومی فوجی خدمت (Conscription) ہے۔ جو لوگ اس مشکل سے گھبرائیں وہ اس آیت کی ذیل میں آتے ہیں۔

آیت نمبر 3: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ''بہت بری بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔''

ایک قوم پارٹی کے پروگرام کے اندر رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ فرض کے ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے تو اُسے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اس فرض کے ادا کرنے میں سستی کریں وہ سخت سزا کے مستوجب سمجھے جائیں گے۔ اگر وہ اس فرض سے کوتاہی کی شکل میں یہ سخت سزا برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو ان کی باتیں فقط ڈینگیں ہیں' عملی تقدم نہیں ہے۔

پس اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ یہ تم جانتے ہی ہو کہ اعلیٰ فرض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا اُس کے ترک کرنے پر سزا برداشت کرنے کی تیاری ہے اور سزا سخت سے سخت دی جائے گی۔ خدا کے ہاں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ تم (اعلیٰ فرض ادا کرنے کے لیے) آمادگی ظاہر کرو اور پھر کام نہ کرو۔

ہمارے علماء کی غلطی

جب کوئی جماعت اعلیٰ فرائض ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سمجھ لے کہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی پر اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو اس میں ضبط (Dicipline) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ڈسپلن کے بغیر کوئی فوج دنیا میں

کامیاب نہیں ہوسکتی۔ فوجی زندگی کا عملی تجربہ نہ ہونے کے باعث ہمارے علماء کے دماغ خراب ہو چکے ہیں (الا ماشاء اللہ)۔ اس لیے وہ ان آیات کا مطلب سمجھنے سے بہت دور ہیں۔ وہ قرآن حکیم کی آیتوں کے لفظی ترجمے ہی میں اٹکے رہتے ہیں۔ اور قصے بیان کر کے ہی گھر پورا کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر اپنے نفس پر یہ فرض کر کے کہ کیا میں اس ڈیوٹی کے ادا کرنے کے لیے تیار ہو رہا ہوں جو قرآن حکیم کی حکومت پیدا کرنے کے سلسلے میں مجھ پر عائد ہوتی ہے، غور ہی نہیں کرتے۔ جب تک وہ اس طرح غور نہیں کریں گے، ان کو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا۔ انہوں نے اس بے فکری سے قوم کی ذہنیت مردہ بنا دی ہے جیسے کوئی دوسری قوم آ کر ان کو سلطنت بنا کر دے دے گی۔ قرآن حکیم پڑھنے والے آدمی کے لیے اس قسم کا خیال ڈوب مرنے کے قابل ہے۔

برطانیہ کی سب سے بڑی قباحت

ہمیں یورپ میں انقلابی جماعتوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہ لوگ جنگ کے بغیر انقلاب کا تخیل ہی نہیں رکھتے۔ گاندھی جی نے جو پراپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔ ان کے ہاں انقلاب کے ساتھ ملٹری ازم (Militarism) شامل ہے۔ یورپ میں ملٹری ازم انتہا تک ترقی کر چکا ہے۔ ایک یورپی انقلابی ملٹری ازم کا اعلیٰ لیڈر بنے بغیر اپنے آپ کو انقلابی نہیں کہتا۔ ان کا انقلابی نظام سب کا سب زندگی بخش ہے۔ وہ ہر وقت موت کے منہ میں جانے کے لیے آمادہ رہتے ہیں، اسی سے ان میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک مصیبت تو یہ تھی کہ برٹش گورنمنٹ نے ہندوستانی قوموں کو برطانوی رعایا کے برابر حقوق نہ دیئے۔ ہم اسے اس ایمپائر کی سب سے بڑی قباحت مانتے ہیں۔ ہمارے ملک سے اس سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاتی ہے جتنی خود برطانیہ کی کمائی کرنے والی جماعت سے ٹیکس حاصل کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے باشندوں کو تعلیم اور ملٹری ازم میں کوئی حق نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ یہ ہمارا قدرتی حق تھا۔ ہم پر ظلم کیا گیا ہے۔ ہم اپنا حق لیے بغیر دم نہیں لیں گے۔ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے ہر ایک آدمی کو تعلیم یافتہ اور سولجر (Soldier) بنائیں، برٹش گورنمنٹ مجبور ہو کر ڈومینین سٹیٹس دے گی۔ اور ہم اس مصالحت پر راضی ہیں۔

اس لیے کہ ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ کے شریک رہ کر اپنی قوم کو تعلیم اور فوجی تربیت میں یورپ کے برابر بنائیں۔

انقلاب اور حریت

اصل مسئلہ یہ ہے کہ کوئی قوم اپنی حکومت پیدا ہی نہیں کرسکتی اور نہ کوئی پارٹی انقلابی بن سکتی ہے جب تک اس کا ایک ایک فرد فوجی ڈیوٹی ادا کرنے کے لیے پورا پورا آمادہ نہ ہو جائے۔ اور فوجی ڈیوٹی ادا کرنے اور اس کے لیے قوم کو تیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جو شخص اس ڈیوٹی سے تخلف (پیچھے ہٹنا قبول) کرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔ یہ چیز پہلے ہی دن انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ مجھے یہ سزا دی جائے گی۔ اس صورت میں ڈسپلن پیدا ہوسکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے علماء (اور دانشوروں) کے دماغ پر جوں تک نہیں رینگتی (الا ماشاء اللہ)۔

آیت نمبر 4: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

ترجمہ: ”بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے“

بنیان مرصوص کا مطلب

صف باندھ کر لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں رخنہ نہ آنے دیا جائے جو صف دشمن کے مقابلے میں جائے اس میں سے جتنے آدمی شہید ہوں ان کا رخنہ فوراً پُر کر دیا جائے۔ اس طرح اپنی کمی پوری کرتی ہوئی یہ صف آگے بڑھے۔

بنیان مرصوص کی حقیقت

فوجی نظام میں یہ علوم متعارفہ کے درجے کی چیز ہے کہ جو افسر شہید ہو جائے اس کے نیچے کا آدمی فوراً خود بخود اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس نظام کا کوئی عہدہ آخری دم تک کبھی خالی نہیں رہتا۔ فتح اسی تنظیم کی صورت ہی میں ہوسکتی ہے۔ بعض اوقات حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ صف میں ایک آخری آدمی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ جاتا ہے تو فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ساری جماعت کی فتح شمار ہوتی ہے۔ جب تک

مرنے والوں کی جگہ زندہ لوگ سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائیں، کسی فوجی نظام کا نام تک نہیں لینا چاہیے۔ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ چاہے ہم سو آدمیوں کا دستہ دشمن کے مقابلے میں بھیجیں، مگر اس دستے میں جو کمی ہوتی رہے اسے پورا کرنے کا انتظام پیچھے سے ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ سو آدمیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہوا دشمن کو شکست دے دے۔ اس کے لیے اگر پیچھے ساری قوم تیار نہیں ہے تو وہ سو آدمیوں کا دستہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو لوگ اس طرح بنیان مرصوص بن کر لڑتے ہیں اللہ ان سب سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یعنی اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ ساری قوم بنیان مرصوص بن کر کام کرے۔

عورتیں اور فوجی خدمت

قرآن حکیم کو ماننے والی جماعت اپنے رب کی محبت حاصل کرنے کے لیے بغیر کسی جبر کے یہ جبری ڈیوٹی (Conscription) اپنے ذمے لے لے گی۔

مسلمانوں میں اللہ کے فضل سے اب تک یہ صلاحیت موجود ہے۔ مگر جیسے سیاسی نظام پیدا کرنے کے میدان میں ان کے لیڈروں نے ان کو بدنام کر رکھا ہے ویسے ہی فوجی نظام پیدا کرنے میں ان کے علماء اور ان کے بزرگوں نے ان کو بے عزت کر دیا ہے۔ ان کے بڑے علماء اور بڑے بزرگ سب سے زیادہ بزدل اور سب سے زیادہ عورتوں کے غلام ثابت ہوں گے (الا ماشاء اللہ)۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ یہ عورتوں کی غلامی کرنے کا مسئلہ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے زمانہ میں بھی پیش آچکا ہے اور میں خود بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔ یہ لوگ عورتوں کے غلام ہیں۔ یہ کبھی گھر سے نہ نکلیں گے۔ حضرت مولانا اسمٰعیلؒ کے خط میں ایک فقرہ آتا ہے۔ ''در فرج زناں مشغول ہستند'' (سوانح احمدیہ)۔

ہمارا بھی یہی تجربہ ہے ہمارے بہترین شاگردوں نے اس لیے جواب دے دیا کہ وہ اپنی عورتوں کی غلامی سے نہ نکل سکے۔ اس لیے ہمارے دماغ پر یہ خصوصی اثر آیا ہے کہ جب تک ہم عورتوں کو میدان میں نہ لائیں گے یہ بے ایمان مردہ طاقت حرکت میں نہیں آئے گی۔ اس لیے ہم میدان جنگ میں آنے کے لیے مرد اور عورت کی کوئی

شرط نہیں لگاتے۔ چنانچہ ہماری ہر ایک عورت اور ہر ایک لڑکی میدان میں آئے گی اور جو اس کی مخالفت کرے گا جب ہم کو نظام پر قبضہ مل گیا ہم اسے فوراً سوسائٹی سے الگ کر دیں گے۔ ہم گاندھی جی کے طریق انقلاب کے داعی نہیں ہیں، ہم اس طریق انقلاب کو فقط تیاری کے لیے مفید سمجھتے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ مکی زندگی میں مقید رہتے تھے۔ ہم کسی عالم کو اس مسئلے پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے کہ عورتوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا۔ اس قسم کے مخذل اور بزدلی سکھانے والے لوگ اسلامی سوسائٹی سے چن چن کر علیحدہ کر دینے چاہئیں۔

مخذلین اور مرجفین کے استیصال کی ضرورت

شاہ ولی اللہ دھلویؒ فرماتے ہیں:

''واذا اراد (ﷺ) الخروج و عرض جیشه، ویتعاهد الخیل والرجال، فلایقبل من دون خمسة عشرة سنة کما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یفعل ذلک، لامخذلاً وهوالذی یقعد الناس من الغزو، ولا مرجفاً وهو الذی یحدث بقوة الکفار.''

ترجمہ: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ فرماتے تو آپؐ کا لشکر آپؐ کے سامنے پیش کیا جاتا، آپؐ مردوں اور گھوڑوں کی خبر گیری کرتے، پندرہ سال سے کم عمر کے نوجوان کو قبول نہ کرتے، اور نہ مخذل کو قبول کرتے، مخذل وہ ہے جو لوگوں کو لڑائی سے روک کر گھر بیٹھے رہنے کا کہے، اور نہ مرجف کو لشکر میں داخل ہونے دیتے، اور مرجف وہ آدمی ہے، جو دشمن کی قوت بیان کر کے لڑنے والوں کو مرعوب کرے اور ان کا مورال گرائے۔''

(حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم، ص 175)

یعنی شاہ صاحب کے نزدیک ''مخذل اور مرجف کو مجاہدین کی صف سے نکال دیا جائے۔'' پس ہم بھی ان کو ختم کر دیں گے۔ بلکہ ان کو قوم ہی سے نکال دیں گے۔

انہوں نے ہماری مسجدیں منبر سنبھالے ہوئے ہیں اور مدارس پر بھی ان کی حکومت چل رہی ہے۔ ہماری زبان سے جتنا سب وشتم نکلتا ہے اس میں ہدف یہی لوگ ہیں اور وہ بھی ہماری جماعت کے علماء۔

مسلمان اور فوجی خدمت

ہماری ایمانی زندگی میں قرآن حکیم کی حکمت کو سمجھ کر اس کی پابندی کرنا ضروری ہے، ہم اسے قبول نہیں کر سکتے کہ جب ایک مسلمان اپنے ملک پر اپنی حکومت پیدا کرتا ہے، تو وہ کس طرح اپنی ذات کو اور اپنے اہل کو جس میں اس کے لڑکے، لڑکیاں اور میاں بیوی بھی شامل ہیں فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرا سکتا ہے؟

فوجی خدمت کی وسعت

فوجی خدمت فقط یہ نہیں ہے کہ میدان میں لڑیں۔ فوج کے متعلق کوئی سا کام پورا کرنا فوجی خدمت ہے۔ مگر ایک چیز سب میں مشترک رہے گی اور وہ یہ کہ ہر ایک شخص شہید ہونے کے لیے تیار رہے گا۔ اور صف اول میں رخنہ پُر کرنے والے آدمی موجود رہیں گے۔ اس مسئلے کو حل کیے بغیر یہ کہنا کہ ہم--- ہندوستان میں اپنا مستقل نظام چاہتے ہیں' پاگلوں کا کام ہے۔

انقلاب اور ڈپلومیسی

ہم ان عقلمندوں کی صف میں جانا گوارا نہیں کرتے جنہوں نے اپنی مجبوریوں سے مضطر ہو کر اپنے آپ کو پاگل بنا رکھا ہے۔ انقلاب اور اس کی روح اس سے انکار کرتی ہے کہ اپنے حقیقی فکر کو چالاکیوں سے چھپایا جائے۔ حکومت پیدا کرنے کے بعد بے شک ڈپلومیٹک سروس برداشت کرنی پڑے گی۔ مگر حکومت پیدا کرنے والی ایک انقلابی پارٹی ڈپلومیسی استعمال نہیں کر سکتی۔ اسے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

آیت نمبر 5: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

ترجمہ : ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ پس جب وہ پھر گئے تو اللہ نے ان دل پھیر دیئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

اس آیت میں جس مکالمے کا ذکر ہے اس کا تفصیلی ذکر تورات میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دو آدمی جاسوسوں کے طور پر دشمنوں میں بھیجنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ** (مائدہ 24:5) یہ ہے وہ ایذا جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے (یہ ہماری تفسیر ہے)۔

ہوا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے دوسرے دو آدمی کھڑے ہو گئے۔ اور وہ دشمن کے کیمپ کی خبریں لے کر زندہ واپس آ گئے۔ جو لوگ بیٹھ رہے تھے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ ہمیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ جب وہ جاسوس زندہ واپس آ گئے تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس الزام سے بری کر دیا۔ وہ دو آدمی قتل نہ ہوئے۔ موسیٰؑ اس الزام سے بری ہو گئے۔ یہ ترجمہ (مفہوم) ہے اس آیت کا

یٰایھا الذین اٰمنو لا تکونوں کالذین اذوا موسیٰ فبرأ اللّٰہ مما قالوا و کان عنداللّٰہ وجیھًا ○

جہاد سے انکار کا انجام

فلما زاغوا ازاغ اللّٰہ بھم

جب وہ پھر گئے (یعنی جہاد میں آگے بڑھنے سے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیئے (بات سمجھنے سے)۔

واللّٰہ لا یھدی القوم الفٰسقین ○

یہ وہی جماعت ہے جس کا ذکر آیت نمبر 5 میں آیا ہے۔ یہی الفاظ سورۃ المائدہ میں آئے ہیں۔ جہاں یہ الفاظ ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ

(مائدہ 25:5)

(کہا (موسیٰ علیہ السلام) نے اے میرے رب! میں اپنی اور اپنے بھائی کی جان کا اختیار رکھتا ہوں، ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان جدائی کر دے۔)

مسلمانوں کے لیے درس عبرت

یہودیوں کا ذکر کر کے قرآن حکیم مسلمانوں کو تنبیہہ کرتا ہے کہ وہ جہاد کے مسئلہ میں آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں۔ ورنہ وہ بھی قرآن حکیم کی سمجھ سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

آیت 6: وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

ترجمہ: ''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا' اے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں۔ تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آ گیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔''

جیسے موسیٰ ؑ نے جہاد کی بنیاد ڈالی اور صفیں باندھ کر دشمن سے لڑنے کا طریق شروع کیا' اس طریق کو قائم رکھنے والے انبیاء رسول اللہ ﷺ تک پیدا ہوتے رہے۔ موسیٰ ؑ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے درمیان حضرت عیسیٰ ؑ ابن مریم ایک بڑے اولوالعزم نبی آئے۔ جن کے ذریعے سے بائبل کی اشاعت ہوئی وہ عیسیٰ ؑ بن مریم اور ان کے حواری ہیں۔

بنی اسرائیل میں شاندار حکومت کا مرکز پیدا کرنے کا درجہ طے ہو چکا ہے۔ اب اگر بنی اسرائیل کے سوا دوسری قومیں بھی اپنا ایمان اور فکر اس طرح کا بنالیں تو وہ بھی اس برکت کی مستحق ہوسکتی ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے ساتھ حکومت میں اشتراک پیدا کرسکتی ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام کے متبع یعنی یہودا سے قبول نہیں کرتے۔

اس تحریک میں عیسیٰؑ کا مقام

(الف) اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ (بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس تحریک کو عالمگیر بنانے کی کوشش کی۔ مگر یہود ان کے روبرو اس بات پر آمادہ نہ ہوئے۔ بایں ہمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے اپنا سلسلہ قائم رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بائبل دنیا کی تمام قوموں میں پھیل گئی، ہر قوم کے مفکرین کو جنہوں نے بائبل کے اصول کو مان کر اس تحریک میں حصہ لینا چاہا، مسیحؑ کے حواریوں نے ان کو مساوی درجہ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ قوموں کی قومیں عیسائیت میں داخل ہونے لگیں اور پھر ان میں بھی حکومت آ گئی۔ اس طرح مسیحؑ نے تورات کی بین الاقوامی اشاعت میں خاص حصہ لیا۔ ان کی نبوت بھی بنی اسرائیل میں ایک مستقل شان رکھتی ہے۔

حضرت مسیحؑ کی پیش گوئی دربارہ فارقلیطؐ

مسیحؑ کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ جیسی بین الاقوامی حکومت تورات کے اصول پر بنی چاہیے وہ ان کے حواریوں کی کوشش سے نہیں بن سکے گی۔ بلکہ اس کے لیے بنی اسماعیل میں سے ایک نبی پیدا ہوگا وہ اسے مکمل کرے گا۔ اس لیے انہوں نے اپنے حواریوں کو وصیت کی کہ تم اپنا کام جاری رکھو تا آنکہ فارقلیط تمہارے پاس آ جائے۔ میں جا رہا ہوں میرے گئے بغیر وہ نہیں آئے گا۔ میں اسے بھیجوں گا۔ وہ میری بات کہے گا۔ جو کام خدا کرتا ہے۔ میں تمہیں اپنے نام سے کہتا ہوں۔ (یعنی بھیجے گا تو اسے خدا ہی مگر میں کہتا ہوں کہ ''میں بھیجوں گا'') اس لیے کہ میں خدا کا ہوں اور اس جملہ میں کہ ''میں بھیجوں گا'' تمہارے لیے ایک وجہ تسلی ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ آ کر اس کی تصدیق کرے گا تو تم اپنے کام کو اطمینان سے جاری رکھ سکو گے۔

نکتہ اشتراک

حضرت مسیحؑ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے کام میں نقطۂ اشتراک بین الاقوامی حکومت ہے۔ مسیحؑ کے حواری تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی اشاعت دے دیں گے۔ مگر

اس کی حکومت قائم کرنے کے لیے جتنے حوصلے اور طاقت کی ضرورت ہے وہ یہ حواری پیدا نہیں کر سکیں گے۔ اس کے لیے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بنی اسماعیل میں مبعوث ہوں گے اور اپنی قوم میں سے طاقت پیدا کرلیں گے جو اس حکومت کی پشتیبانی کرے گی۔

حضرت مسیحؑ کا شاندار کارنامہ

حضرت مسیحؑ نے تورات کے علم کو رسول اللہ ﷺ تک ملانے میں ایک بڑے شاندار واسطے کا کام دیا ہے۔ اگر وہ تورات کی تعلیم کو بین الاقوامی طاقتوں میں منتشر (پھیلا) نہ کرسکتے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا آسان نہ ہوتا۔ ممکن تھا کہ جیسے بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کے ساتھیوں نے تعلیم پانے کے بعد اسے محدود کر دیا، ایسے ہی بنی اسماعیل بھی پوری طرح تیار ہونے کے بعد اپنے مشن کو محدود کر دیتے۔ مگر چونکہ تورات کی تعلیم حضرت مسیحؑ کے توسط سے عام طور پر پھیل چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی امت کو دوسری قوموں کی معاونت اس حد تک حاصل ہوگئی کہ وہ تورات کی فکر سے، جسے بنی اسماعیل حکومت میں لانا چاہتے تھے، آشنا ہو چکی تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی جماعت کے لیے بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا نسبتاً آسان ہوگیا۔

یہودی علماء کی کور باطنی

اب اگر تورات کے عالموں کو جہاد کے متعلق بصیرت حاصل ہوتی تو وہ دوسری قوموں کی اس ذہنیت سے کہ وہ تورات پر اپنے نظریات درست کر چکے ہیں فائدہ اٹھاتے۔ مگر یہودی اس درجے کے فراخدل نہیں تھے۔ ان کی مثال ہندوستان کے برہمنوں اور بنی اسماعیل کے بعض فرقوں میں پائی جاتی ہے۔

(ب) مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ

(تورات جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی تصدیق کرنے والا ہوں)

یعنی میں بائبل کے اس حصے کو جسے عہد قدیم کہا جاتا ہے، ٹھیک مانتا ہوں، مگر اسے دوسری قوموں میں پھیلانا چاہیے، یہ کام میں اچھی طرح سرانجام دے سکتا ہوں۔ پس میری بات سنو اور مانو۔ مگر میں تم میں یہ قابلیت نہیں پاتا کہ تم اس بین الاقوامی تعلیم

کی خلافت پیدا کرلو گے۔

پیش گوئی کی تحریف

(ج) وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ

(ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اوراس کا نام احمد ہوگا)

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایک رسولؐ آئے گا جو میرے کام کی اساس پر بین الاقوامی خلافت پیدا کرے گا۔ اس کی بنیاد تورات ہوگی۔ اس نبی کا نام احمد ہوگا۔ یہ فارقلیط کا ترجمہ ہے۔ آگے تحریف کر کے یہود نے اس کے ہجے بدل دیئے اور اس کا ترجمہ تسلی دینے والا وغیرہ کر دیا۔ یہ یہود کی عام عادت ہے۔ یہ لوگ الفاظ کے ہجوں میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے انہیں دوسرے معنوں میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ جس متن کو نہیں بدلنا چاہتے اس میں دوسری قرات پیدا کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔(1)

(د) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

(جب وہ واضح دلیلیں لے کران کے پاس آ گیا،تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے)

یہود کی غلطی

وہ احمد آ گیا تو یہود اس کا انکار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ بین الاقوامی حکومت کیسے بن سکتی ہے؟ یہ کوئی جادو ہے؟ حکمران تو ایک ہی ہوگا اور وہ ہم میں سے ہوگا۔ ہم ابراہیم علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ پس بادشاہ ہمیشہ ہمارا ہی ہوگا۔ ہم کسی دوسرے کی بادشاہی قبول نہیں کرسکتے۔

اس میں ان کی غلطی یہ ہے کہ حکومت اصل میں قانون کی ہوتی ہے یا شخص کی؟ اگر قانون کی حکومت ہےتو دوسری قوم کے لوگ بھی بادشاہ بن سکتے ہیں بشرطیکہ اس قانون کو چلائیں۔ پھر یہود کا اصرار کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ ہو ہی نہیں سکتا، ٹھیک نہیں۔

---

(1) مولوی محمد حسین بٹالوی نے ''اشاعت السنہ'' میں فارقلیط پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دکھایا ہے کہ کیسے اس کے ہجے بدلے گئے اور کیا کیا معنی پہنائے گئے۔ اس سے پہلے مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ اس لفظ پر بحث کر چکے ہیں۔ موجودہ اناجیل میں یہ مسئلہ بالکل صاف نظر آتا ہے۔اس حصے پر سرسید احمد خان نے ''خطبات احمدیہ'' میں بہت اچھی بحث کی ہے۔ (مرتب)

پیغمبر علیہ السلام کی وصیت حجۃ الوداع میں

رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کی بادشاہی کی دعوت دی اور اس کو قائم کر دکھایا۔ اور اپنے بعد جو چیز چھوڑ گئے وہ فقط قرآن ہے۔ حجۃ الوداع میں جو خطبہ دیا وہ (صحیح) مسلم (کتاب الحج ج 1، ص 397) کی حدیث میں صاف موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں' اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس سے آگے فرمایا کہ وہ القرآن ہے۔''

نیز حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اگر تمہارا امیر چھوٹے سر والا حبشی ہو مگر یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوالہ و اطیعوا۔ (جو تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی بات سنو اور اس کی اتباع کرو) (مسلم کتاب الامارہ ج 2، ص 125) یہ ہے وہ کام جو احمد مرسل ﷺ کر گئے۔ تمام دنیا کی قومیں اس کی تعریف کریں گی۔ تورات کا قانون صحیح تھا اسے تمام قوموں میں جاری کر دکھایا۔

روایت الآئمۃ من القریش

جیسے یہودیوں میں یہ فکر تھا کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہونا چاہیے۔ ویسے ہی قریش بھی ایک جماعت تھی اور اب تک ہے، پہلا دور قریش کی حکومت کا یقیناً گزر چکا ہے۔ اس لیے **الآئمۃ من القریش** کا فقرہ مسلمانوں کے ذہن میں راسخ ہوگیا ہے۔ یہ حدیث کس درجے کی صحیح ہے اس سے ہم بحث نہیں کرتے۔ مگر یہ متفق علیہ تاریخی حقیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بغداد کے خاتمے تک قریش ہی کی سرداری رہی۔ اس پانچ سو برس کی مدت میں جو چیز علماء وحکماء اور سیاسی جماعتوں میں مسلم رہی' وہ یہی ہے کہ امامت قریش کی ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اسے مستقل قانون ہی بنا لیا ہے۔ ایک زمانے کے لیے تو یہ یقیناً قانون تھا۔ لیکن جو لوگ اسے مستقل قانون کا درجہ دیتے ہیں ان کی ذہنیت یقیناً یہود کی ذہنیت کے مشابہ ہے۔ ان کا لوگوں کا فکر یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والی جماعت خواہ حبشہ سے پیدا ہو یا ایران سے' ہند سے پیدا ہو یا یورپ سے' امامت ہر صورت میں قریش ہی کے لیے مخصوص ہے۔

حکومتوں میں طاقت قومی فوج کے زور سے ہوتی ہے، جب امیر ایسا ہو کہ فوجی طاقت طبعی طور پر اس کی معاونت نہ کرتی ہو تو اس انمل جوڑ سے کبھی مضبوط حکومت دنیا میں چل نہیں سکتی۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ جس قوم میں قرآن کی حکومت چلانے کی اہلیت ہے اور جس کی قومی فوج اس کی تائید کے لیے تیار ہے اسی میں سے امیر بھی ہوگا جو قرآن کی حکومت چلائے گا۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں کو اس امیر کی اطاعت کا حکم ہے اور قریش کو بھی اس امیر کی تابعداری کرنی چاہیئے۔ تب رسول اللہ ﷺ کا مشن دنیا میں کامیاب سمجھا جائے گا۔

جب ہم حدیث (کی کتابیں) پڑھ چکے تو **لآئمۃ من القریش** کی حدیث پر ہمیں اطمینان تھا۔ مگر ہمارے استاد(1) دولت عثمانیہ کے خلیفہ کی حمایت سکھاتے تھے۔ اس سے ہمیں شبہ پیدا ہوا کہ یہ تو قریش نہیں ہیں، ان کی اطاعت کیوں کی جائے۔ ہم نے اپنے استاد سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر قریش میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ ہو تو کیا پھر بھی **الائمۃ من القریش** ہوں گے؟ ہمیں بات سمجھ میں آ گئی اب ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ایک مثال

حدیث میں ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اب ایک ایسا شخص فرض کرو جسے فاتحہ نہیں آتی۔ تو ہماری فقہ حنفی میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کی کوئی سورت پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ چونکہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن میں راسخ تھا اس لیے استاد کے مختصر جواب سے سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔

خاتمیت قرآن کی تحقیق

(الف) تبدّل قومی اور خاتمیت

جب اسلام اس طرح پر اُن تمام قوموں کو جو قرآن کی تعلیم جاری کرنے کے لیے کھڑی ہو جائیں مساوی حق دیتا ہے تو اب ہم یہ چیز بھی مان سکتے ہیں کہ قرآن حکیم

(1) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔

کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی۔ اس لمبی مدت تک قرآن حکیم کے جاری رہنے میں جو چیز مانع ہوسکتی ہے وہ یہی ہے کہ ایک قوم اپنی طاقت ختم کر چکی ہے یا ایک نظام اپنی طاقت ختم کر چکا ہے (مثلاً بادشاہی نظام)۔ اگر قرآن حکیم اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ ہے تو یقیناً اسے بھی اس قوم یا نظام کے ساتھ وابستہ مان لینا پڑے گا۔

پہلے ہزار سال میں جن جن قوموں نے اسلام کی خدمت کی ان میں شاہی نظام تھا۔ دوسرے ہزار سال سے شاہی نظام ٹوٹنا شروع ہوا اور اب جمہوری نظام دنیا پر حکومت کر رہا ہے۔ اگر یہ چیز مان لی جائے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کسی خاص قوم یا نظام کے ساتھ پابند نہیں ہے تو کہنا پڑے گا کہ جونسی قوم یا جونسا نظام قرآن حکیم کی حکومت چلائے گا تمام مسلمانوں کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی۔ چاہے قریش ہوں یا غیر قریش۔ اس قسم کی بات مان لینے کے بعد اس امر کے باور کرنے کا کافی موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم قیامت تک جاری رہے گی۔

اس کے برعکس قرآن کی حکومت قائم کرنے کے لیے خاص قوم یا خاص نظام معین کر دیا گیا تو قرآن کی عمر اس قوم یا اس نظام کی عمر تک ہی چل سکتی ہے۔ اس کے بعد قرآن حکیم کو قطعی طور پر ختم ہو جانا چاہیے۔

ایک قوم سے حکومت اور بادشاہی دوسری قوم میں چلی جائے اور دوسری قوم بھی قرآن کا حکم قائم رکھے۔ اس طرح پر اسلام کی عمر لمبی ماننے والے اکثر علماء مسلمانوں میں موجود ہیں۔ وہ قرآن کو کسی قوم کے ساتھ مقید نہیں مانتے۔ پہلے عربوں نے قرآن حکیم کی خدمت کی، پھر ایرانیوں نے کی، پھر ترکوں اور ہندیوں میں آئی، تو اہل علم ان سب کی خدمات کی قدر کرتے ہیں۔ مگر یہ سارے نظام شاہی تھے۔ سب قوموں کے تبدلات میں نظام ایک ہی رہا۔

(ب) تبدل نظام اور خاتمیت

اب جس حالت میں پہلا نظام بدل گیا تو دوسرے نظام سے بھی قرآن کی خدمت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ایسے عالم تو ملیں گے جو یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ دوسرے نظام سے بھی حکومت ہونی چاہیے ورنہ قرآن کی حکومت قیامت سے پہلے ختم

ماننی پڑے گی۔

جملہ معترضہ

یہاں یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ایک قوم کی عقل قرآن کی خدمت کرنے سے عاجز آجاتی ہے۔ وہ اپنا اطمینان اس طرح کر لیتی ہے کہ اب قیامت آ گئی۔ درحقیقت ان کی اپنی موت آ گئی ہوتی ہے۔ اگر اس جملے میں صداقت ہے تو فقط اتنی کہ اس قوم کی قیامت آجاتی ہے۔ اسے تمام قوموں کی قیامت ماننا احمقانہ خیال ہے۔ چونکہ اکثر مقدس لوگ پہلے خیال کے حامی ہیں اس لیے انہیں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ حالانکہ دیکھ رہے ہیں کہ قومیں بڑھ رہی ہیں اور مسلمانوں کی جگہ لے رہی ہیں، مگر نہیں مانتے۔

ایسے ہی اگر ایک نظام ختم ہوجائے گا تو اس نظام کے متبعین بھی شور مچانے لگ جائیں گے کہ قیامت آ گئی۔ اس کے بغیر ان کی طبیعت مطمئن ہو ہی نہیں سکتی۔ یہاں بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس نظام کی موت یا قیامت آ گئی یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر دوسرا نظام اس کی جگہ لے رہا ہے تو اسے نوع انسان کی قیامت کس طرح کہا جاسکتا ہے؟ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

الغرض اس بات کو ماننے والے اکثر اہل علم موجود ہیں جو قوموں کی تبدیلی سے قرآن کی تعلیم جاری رہنے کے قائل ہیں۔ اور ایسے ارتجاعی (Reactionary) بھی موجود ہیں جو اپنی قوم کے سوا دوسری قوم کو قرآن کا خادم نہیں دیکھ سکتے۔

اب جس زمانے سے یہ نظام بدل گیا ہے، اہل علم ضرورت تو سمجھتے ہیں کہ کوئی نیا نظام ہونا چاہیے۔ جس سے قرآن کی خدمت ہو۔ اور جس سے کامیاب قرآنی حکومت بنائی جائے۔ مگر کوئی نظام پیش نہیں کرسکتے۔ ہماری سمجھ یہ ہے کہ اللہ نے شاہ ولی اللہ کو اس کام کے لیے خاص طور پر منتخب کیا ہے۔ وہ اس نظام کے تبدیل ہونے سے پہلے اسلام کے لیے نیا نظام پیش کرتے ہیں۔ اس تبدیلی نظام کے بعد بھی قرآن کی حکومت

کی عمر لمبی ہوسکتی ہے۔ ہم اس پر مطمئن ہیں۔ اور ہم اس چیز کی طرف اہل علم کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

قرآن حکیم اور جمہوری دور

قرآن عظیم کی بین الاقوامی حکومت کا ایک دور شاہی نظام کے ماتحت ختم ہو چکا۔ اب جمہوری نظام پر انٹرنیشنل ازم کے ماتحت قرآن حکیم دنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ اس لیے پہلے مسلم اقوام میں جمہوریت آنی چاہیے۔ پھر یہ جمہورتیں مل کر ایک انٹرنیشنل مرکز پیدا کریں۔ ہر ایک جمہوریت میں اور اس انٹرنیشنل مرکز میں قرآن حاکم ہو۔

شاہ ولی اللہ اور جمہوری نظام

قرآن حکیم کے غلبہ کے لیے جس قدر مواد شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں ملے گا، جو وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک کے دور سے استنباط کرتے ہیں، وہ اس نئے دور میں کافی ہے۔ ان کو بعض مسائل میں جمہور اہل علم سے مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ اس لیے ان کی بات آسانی سے لوگوں میں شائع نہ ہوسکی۔ صاف لفظوں میں کہا جائے تو بات یوں ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دور کو خلافت راشدہ سے خارج کر دیتے ہیں۔ اس میں وہ نرم نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔ اگر ہماری طرح وہ بھی صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیتے تو ان کی کتاب پڑھی بھی نہ جاتی۔ اور آج بھی اہل علم کا دماغ اتنا جامد ہے کہ وہ اس حقیقت پر غور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر حضرت علیؓ کا دور جو فتنے کا زمانہ تھا قرآن حکیم کی تعلیم کا صحیح مصداق ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم نظام کی پابندی نہیں سکھاتا۔ حضرت ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانے میں نظام تھا تو بھی قرآن کی حکومت ہے۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں نظام نہیں ہے تو بھی قرآن کی حکومت ہے۔ اس سے آج کل کے اہل علم کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم براہ راست کوئی نظام نہیں سکھاتا۔ اسی لیے ٹرکی میں لادینی حکومت پیدا ہوگئی ہے اور کل کو مصر میں ہو کر رہے گی۔ اور مصر عربی ممالک کا دماغ ہے۔ ایران آدھی سے زیادہ لادینی حکومت پیدا کر چکا ہے۔ افغانستان ٹرکی کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اس طرح جو قومیں جمہوریت کی طرف آ رہی ہیں، ان کے پاس جمہوریت کے

ساتھ قرآن حکیم کا نظام چلانے کے لیے کوئی عقلمندی باقی نہیں رہی' ان کے علماء ان کو براہ راست چلانے کا دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں اگر جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم چلے گا تو فقط شاہ ولی اللہؒ کا بنایا ہوا نظام چلے گا۔

قرون ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت

جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کو چلانے کی سمجھ پیدا کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو قرون ثلاثہ مشہود لھا الخیر سے خارج کر دیا جائے اور حضرت عثمانؓ تک کا زمانہ ہی تسلیم کیا جائے اور اسی کو قرون ثلاثہ المشھو د لھا الخیر کا مصداق قرار دیا جائے۔ پھر اس دور کے مندرجہ ذیل تین درجے بن جائیں:

(1) رسول اکرم ﷺ کا دور۔

(2) سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا زمانہ۔

(3) سیدنا عثمانؓ کا زمانہ۔

یہ امام الہند شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم ہے' جس میں ہم نے تھوڑا سا تصرف کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو ایک ساتھ ملاتے ہیں۔ ہم نے سیدنا ابوبکرؓ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ یہ ہماری ذاتی رائے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے نظام کو نہیں بدلا۔ بلکہ ویسا ہی قائم رکھا۔ اس لیے سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔ سیدنا عمرؓ نے اس نظام میں قدرے تبدیلی کی۔ اس لیے ان کے دور کو دوسرا دور کہنا زیادہ موزوں ہے۔ لُطف یہ ہے کہ اگرچہ سیدنا عمرؓ نے نظام میں کچھ تبدیلی کی لیکن بعد میں اس تبدیلی پر خود ہی افسوس کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ کاش میں یہ تبدیلی نہ کرتا تو اچھا تھا۔(1) اور ابوبکرؓ کے درجے پر کام کرتا رہتا تو بہتر ہوتا۔ پس سیدنا عمرؓ کے دور کو دوسرا دور قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

(1) حضرت عمرؓ نے آخری عمر میں فرمایا: ''لو استقبلت من امری مااستد برت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المجاجرین'' (المحلیٰ لابن حزم ج 2، ص 158) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے، اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا، اور بلاشبہ مالدار لوگوں کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔ (آزاد)

خلافت صدیقیؓ اور حکومت فاروقیؓ کا فرق

سیدنا ابوبکرؓ کے زمانے میں سرمایہ داری کا کوئی اساس قائم نہیں ہونے دیا گیا۔ ساری جماعت مجاہدین ایک درجے پر بقدر ضرورت وظیفہ پاتی رہی۔ چنانچہ جس کے زیادہ بچے تھے اسے زیادہ مل جاتا تھا اور جس کے کم تھے اسے تھوڑا مل جاتا تھا۔ کام کرنے والوں کے اندر بھی کوئی مراتب قائم نہیں کیئے گئے تھے۔ بعینہٖ یہی حال حضرت نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تھا۔ پس قرآن حکیم کی تعلیم پر عمل کرنے کا یہی معیار ہے۔ سیدنا عمرؓ نے درجے مقرر کر دیئے اور اس طرح سرمایہ داری کا ایک پہلو سامنا آیا۔ گو سیدنا عمرؓ نے اسے غلط طریقے پر جانے نہیں دیا اور پھر آخر میں نادم ہوئے۔ اس کے بعد سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں اس تقسیم پر اور اضافہ ہوا۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن گئے۔ اس لیے سیدنا عثمانؓ کی حکومت تیسرے درجے کی حکومت ہے مگر اس عہد میں بھی سرمایہ داری اسلامی سوسائٹی کی اساس نہ بن سکی۔ شاہ صاحبؒ اس کے بعد کسی دور کو قابل تقلید نہیں مانتے۔

حضرت علیؓ کا مقام

ان حالات میں شاہ صاحب کے لیے حضرت علیؓ کا مسئلہ بہت پیچیدہ بن جاتا ہے۔ خوارج حضرت علیؓ کے اس اخراج پر بہت خوش ہوں گے۔ مگر شاہ صاحب اس پر کیسے راضی ہوسکتے ہیں۔ اس لیے شاہ صاحب نے حضرت علیؓ کو آئندہ تمام انقلابات کا امام مان لیا ہے۔ اول امام الانقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور دوسرے درجے پر امام الانقلاب حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ شاہ صاحب اس مسئلے پر تفہیمات الٰہیہ (جلد اول، تفہیم نمبر 77، ص 321 تا 322) میں بحث کی گئی ہے۔

اس طرح انقلاب خلافت راشدہ کا جز بن جاتا ہے۔ اب کسی اسلامی نظام کو انقلاب سے علیحدہ کر کے مستقل درجہ دینا غلط ہوگا۔ یوں حضرت علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ میں شمار کی جائے گی۔

شاہ ولی اللہؒ کی امامت

الغرض بین الاقوامی نظام کو قائم کرنے والی تعلیم جو قرآن حکیم ہے' اس پر ہماری آج تک کی معلومات کی بنا پر شاہ ولیؒ اللہ کو امام بنائے بغیر اس دوسرے ہزارے میں عمل تقریباً ناممکن ہے۔ پس اس کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کو امام ماننا پڑے گا اور اسلامی جمہورتیں قائم کر کے حجاز مقدس میں بین الاقوامی جمہوری نظام قائم کرنا ہوگا۔

بینات کیا ہیں؟

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (پھر جب آیا ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر)

رسول اللہ ﷺ کی تصدیق تورات کی آیتوں سے اور انجیل کی آیتوں سے صاف واضح ہوتی ہے جیسا کہ سرسید احمد کی ''خطبات احمدیہ'' میں تصریح کی گئی ہے۔ یہ بینات ہیں۔

سحر سے کیا مراد ہے؟

(ہ) قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (کہنے لگے کہ یہ تو کھلم کھلا جادو ہے)

حضرت نبی اکرم ﷺ وہی پروگرام لے کر آئے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ بھی بین الاقوامی حکومت پیدا کرنا چاہتے ہیں جس پر حکم خداوندی حاکم ہو۔ مگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس پروگرام کے ماتحت بین الاقوامی حکومت کا پیدا ہو جانا جادوگری ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کے طریق کار کا کام نہ ہوگا۔ یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کو اس سلسلے کا متمم نبی قبول نہیں کرتے۔

آیت نمبر 7: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ حالانکہ اسلام کی طرف اسے بلایا جا رہا ہے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

کتاب الٰہی کی اطاعت کرنا اور اس کا حکم ماننا ہی اسلام ہے۔ قرآن حکیم تورات کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ گویا وہ اسی اسلام کی دعوت دیتا ہے جسے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام قائم کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اگر کوئی جماعت جو ان کے اتباع کی مدعی ہو اس کا انکار کر دے تو اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہوسکتی ہے؟ انصاف کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ خدا کے قانون کی بے رو و رعایت اطاعت کی جائے۔ خدا کا وہ قانون جو ابراہیمؑ کے ذریعے سے پھیلا اور موسیٰؑ کی کتاب میں ضبط کیا گیا تھا اسی کی دعوت رسول عربیﷺ دیتے ہیں۔ اب اس کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مخالفین خدا کے نام پر انصاف کرنا نہیں چاہتے۔ یہی سب سے بڑی بے انصافی ہے۔ یہ لوگ ابھی تک اس کے منتظر بھی ہیں کہ ایک متمم نبی آئے جو تورات اور انجیل کے احکام پورے کر دے اس کے باوجود اس نبیؐ اعظم کو نہیں مانتے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

اس بے انصافی --- ظلم --- کے بعد جو انہوں نے قرآن حکیم کے ساتھ برتی ان کا کوئی حق نہیں رہتا کہ خدا سے یہ امید رکھیں کہ کوئی اور نبی ان کی ہدایت کے لیے بھیجا جائے۔

ارتجاعی جماعتیں

ان آیتوں کے تقاضے سے ہم جس قدر سمجھ سکتے ہیں اس کا یہی حاصل ہے کہ جس نبیؐ کا انتظار یہودی کر رہے ہیں یا عیسائی کر رہے ہیں وہ رسول اللہﷺ تھے۔ ان کے تشریف لے آنے کے بعد کسی نبی کا انتظار قطعاً غلط ہے۔ وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے اور انتظار کیے جاتے ہیں۔ ان جیسی ارتجاعی جماعتیں مسلمانوں میں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کے ہاں یہ فکر کہ کوئی اور شخص آ کر دینی تعلیم کو مکمل کرے گا مسلسل پایا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اور مطلب ہو اور قدرت الٰہی کوئی آدمی پیدا کر دے تو اسے ہم ممکن مانتے ہیں۔ مگر یہ کہ انسانوں کو تعلیم دینے کے لیے کوئی اور شخص آئے گا اسے ہم قطعاً غلط مانتے ہیں۔

آیت نمبر 8: يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

ترجمہ: ''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا اگرچہ کافر برا مانیں۔''

ان کی کوششیں یہی ہیں کہ نور الٰہی یعنی (قرآن حکیم) بجھا دیا جائے (اپنے پراپیگنڈہ کے زور سے اس کی تعلیم کو ناکام بنا دیں)۔ مگر اللہ اس تعلیم کو کامیاب بنا کر چھوڑے گا۔ مخالف لوگ ناکام رہیں گے مگر ان کو جبراً مغلوب ہو کر رہنا پڑے گا۔

آیت نمبر 9: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔''

کسریٰ و قیصر کے مغلوب ہو جانے کے بعد اس دین کا غلبہ تمام ادیان پر محقق ہوگیا۔ اس کی تفصیل شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں بیان فرمائی ہے۔ (دیکھئے کتاب کا مقصد اول فصل سوم ص 163 تا 175)

الھدیٰ: افرادِ نوعِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق پیدا کرنے کے لیے جس ہدایت کی ضرورت ہے وہ الھدیٰ ہے۔

دین الحق: اجتماعی قانون جو بین الاقوامی پوزیشن حاصل کرنے کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔ دین الحق ہے۔ یہ بھی قرآن میں دیا گیا ہے۔ چونکہ قرآن کا قانون نوعِ انسان کے لیے بہترین طبعی قانون ہے اس لیے اس کا غلبہ تمام ادیان پر ہونا چاہیے۔ یہ انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔

المشرکون: جن لوگوں نے خدا کے سوا کسی اور کو حاکم مان لیا اور خدا کے قانون کے سوا کسی اور نظامِ قانون کو بین الاقوامی درجہ دیا' وہ مشرک ہیں۔ ان کو مجبور ہو کر اس بین الاقوامی قانون کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ یہی وہ عظیم الشان انقلاب ہے جس کی قرآن حکیم دعوت دیتا ہے۔ جب یہ نور دنیا میں پھیل جائے اور اپنی قوت کا ثبوت ایک مرتبہ دیدے تو اب کسی اور نبی کا انتظار بے سود ہے۔ اسی پروگرام کو انقلابی رنگ میں

چلائیے۔

بین الاقوامی غلبے کا پروگرام

رسول اللہ ﷺ کے عمل سے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانے میں اظہار دین ہو جائے گا۔ یہ ایک مخصوص جماعت کی کوشش کا نتیجہ ہوگا' جسے حزب اللہ کہتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے۔ اب آئندہ اس مثال کے مطابق کام ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہمیشہ ایسا غلبہ متحقق ہوتا رہے گا۔ اس لیے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ پروگرام کیا ہے جو رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے عمل سے مستنبط ہوتا ہے؟ اس کا ذکر آیات نمبر 10-13 میں آتا ہے۔

آیت نمبر 10: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے؟''

عذاب الیم کیا ہے؟

ایک مذہبی جماعت کا غیر مذہبی حاکم کی اطاعت پر مجبور ہو جانا عذاب الیم ہے۔

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝١٠

تمہیں ایک معاملہ بتائیں جیسے تاجر سوچ سمجھ کر اپنی مرکزی طاقت بڑھا لیتے ہیں تم بھی ایک کام اپنے ہاتھ میں لے لو تو اس عذاب سے ہمیشہ نجات پاؤ گے اور کوئی غیر طاقت جو خدائی قانون کو نہ مانتی ہو تم پر غالب نہ آسکے گی۔

آیت نمبر 11: تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝١١

ترجمہ: ''تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

عذاب الیم سے بچنے کے لیے پہلا کام

(1) ایمان

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ)

کامیابی کا پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن عظیم پر ایمان لاؤ اور اس کی تشریحات جو رسول اللہ ﷺ نے دیں اور جن کے مطابق آپؐ نے لائحہ عمل بنایا' اس پر ایمان لاؤ۔ اس کے متعلق ایسا یقین پیدا کرلو کہ کسی اور چیز کے متعلق نہ ہو۔

عذاب الیم سے بچنے کے لیے دوسرا کام

(2) جہاد

تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرو)

یہ قانون ہی سبیل اللہ ہے۔ اسے کامیاب بنانے کے لیے مال دینے اور سر دینے کی ضرورت ہے۔ یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ سب کچھ ''حزب اللہ'' کے نظام کے اندر ہوگا۔ اس طرح مال اور سر کی بازی لگا کر کام کرتے رہو۔ یہی جہاد ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ بہترین طریقہ ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں معاملات دنیا کے اتار چڑھاؤ اور قوموں کے تنزل و ترقی کا علم ہو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔

آیت نمبر 12: **يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲**

ترجمہ: ''وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کے باغوں میں یہ بڑی کامیابی ہے۔''

آیت نمبر 13: **وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳**

ترجمہ: ''اور دوسری بات جو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد ہے اور جلدی فتح اور ایمان والوں کو خوشخبری دیدے۔''

کام کا نتیجہ

اس طرح کام کرنے سے انسانیت کی دونوں ضرورتیں پوری ہو جائیں گی یعنی (1) تعلق باللہ کی اصلاح۔ (2) دنیا میں غلبہ

(1) تعلق باللہ کی اصلاح

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اللہ اور بندے کے تعلقات اس کے پروگرام (یعنی) جہاد فی سبیل اللہ سے درست ہوں گے جو الھدیٰ کا نتیجہ ہے۔ (جو آیت نمبر 9 **هو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ** میں بیان ہوا ہے۔) اس میں شاہ ولی اللہؒ نے خیر کثیر میں بحث کی ہے۔ (دیکھئے **الخزانۃ السادسہ** ص 259)

(2) دنیا میں غلبہ

نصر من اللہ وفتح قریب جہاد فی سبیل اللہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دین سب ادیان پر غالب آجائے گا۔ (**ھو الذین ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ** (آیت نمبر 9)

وبشر المومنین ان کو اس بات کی بشارت دو کہ جب وہ اس ایمانی طریق پر کام کریں گے، ہمیشہ غالب رہیں گے۔

حضرت مسیحؑ کا نمونہ

رسول اکرم ﷺ کی جماعت نے ایک مرکزی قطعہ زمین پر نمونہ قائم کر دیا۔ اسے ساری دنیا میں پھیلانے کے لیے وہی طریقہ استعمال کرنا پڑے گا جو حضرت مسیحؑ نے حوارین کے ذریعے سے قائم کیا۔

(1) بین الاقوامی مرکزِ ہدایت

حوارین کو مسیحؑ کا دیا ہوا پروگرام یہ تھا کہ وہ مسیح کا پیام دنیا کی قوموں میں نشر

کریں۔ ان قوموں میں اس پیام کی اشاعت کے بعد ایک جماعت تو ایسی پیدا کی جائے گی جو اسے مانے گی۔ اور ایک مخالف جماعت پیدا ہو جائے گی۔ اس قوم کی ماننے والی جماعت اپنی مخالف جماعت کو شکست دیتی رہے گی۔ اس طرح یہ قانون دنیا بھر میں پھیل جائے گا۔

اسی طرح قرآن کا غلبہ دنیا میں متحقق کرنے کے لیے ایک مرکزی عظیم الشان شاہانہ قوت پیدا کی جائے اور اس کی پشت پر بہت بڑی فوجی طاقت ہونی چاہیے جو انٹرنیشنل غلبہ حاصل کر سکے۔ مگر اس میں دقت یہ ہے کہ جس مرکز میں اتنی اعلیٰ فوجی طاقت پیدا کی جائے گی وہ خود اصلی قاعدہ چھوڑ بیٹھے گا اور اپنا تغلب جمائے گا۔ اس طرح اس کے اندر ہدیٰ کا درجہ قائم ہی نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ اپنا ربط قائم رکھ سکے۔ وہ اپنے مخالفوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قوت جمع کرے گا' چاہے وہ جائز ذرائع سے جمع ہو یا غیر جائز ذرائع سے۔ یہ بات تجربوں سے ثابت ہو چکی ہے۔

(2) ایک قوم میں مرکز ہدایت

اس کے برخلاف دوسرا طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ قوم میں اپنا اپنا مرکز ہدایت قائم کیا جائے۔ اس قوم کو قومی زبان میں تعلیم دے کر قومی مرکز قائم کر دیا جائے۔ وہ اپنی قوم کے مرکز پر غالب آ جائے۔ اس کے لیے بہت زیادہ فوجی قوت کی ضرورت نہ ہوگی' جیسے پہلی صورت میں ضروری تھی۔ چونکہ یہ قومیں ایک ہی پروگرام پر قائم ہو چکی ہیں' وہ باہمی مشورے کے لیے ایک مرکز بنا سکتی ہیں۔ اس کے لیے حج کی تحریک بہت کام دے سکتی ہے۔ تمام قوموں کے مسلمان وہاں مل کر بین الاقوامی اجتماع بنالیں گے۔ اس میں زیادہ تر قوت تعلیم اور ہدایت کی ہوگی۔ جہاں لوگ حج کے لیے جمع ہوں۔ وہ جنگ کا مرکز نہیں ہے۔ وہ فقط خدا یاد کرنے اور صحیح علم پھیلانے کا اجتماعی مرکز ہے۔ فوجی قوت ہر ایک قوم اپنے اپنے گھر کے مخالفوں سے نپٹنے کے لیے اپنے گھر میں جمع کرے گی۔

مرکزی فوجی طاقت کا نقصان

یہ وہ فکر ہے جو ہم آج کل کی انٹرنیشنلسٹ جماعتوں سے سمجھ سکے ہیں۔ ہمارے خیال میں حج کی تحریک اور جہاد کے قومی پروگرام اس فکر کو پورا کرتے ہیں۔ مگر ہماری تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ جہاں فوجی قوت پیدا ہوئی' وہیں شہنشاہی پیدا ہوگئی۔ گو اس سے وقتی طور پر فائدہ پہنچا مگر مستقل طور پر قرآن کی تعمیل کی ایجنسی (Agency) پیدا نہیں ہوسکی۔

دور جمہوریت میں نشر قرآن کا طریق

اب اس دوسرے ہزار سال میں جب شاہی پروگرام ختم ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ جمہوریتیں لے رہی ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ بیداری آجائے کہ وہ شاہی حکومت کی جگہ قومی حکومتوں کے ذریعے سے قرآن حکیم کی خدمت کرنے پر آمادہ ہوں تو تمام دنیا میں قرآن حکیم کی حکومت براہ راست پھیل سکتی ہے۔ اس کے لیے ہر زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ ہونا چاہیے۔ جس کے ساتھ قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام کی تشریح بھی ہو۔ اس کے لیے شاہ ولی اللہؒ کی حکمت بہت کام دے گی۔ اس کے بعد ہر قوم اپنے تحفظ کے لیے فوجی طاقت خود جمع کرے۔ انٹرنیشنل مسائل کے سوچنے کے لیے حج سے بہتر کوئی تحریک پیدا نہیں کی جاسکتی۔ مگر ان رسوم کے اندر جو روح تھی اس کے غائب ہو جانے سے وہ نتیجے نہیں نکل رہے' اور نہ نکل سکتے ہیں جن کی خاطر یہ قوانین من جانب اللہ سکھائے گئے تھے۔

آیت نمبر 14: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۖ فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿١٤﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریین سے کہا تھا کہ اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ پھر ایک گروہ بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہوگیا۔ پھر ہم نے ایمان داروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کردیا۔ پھر تو وہی غالب ہوکر رہے۔''

كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ : یعنی حزب اللہ کا نظام اپنی اپنی قوموں میں پھیلاؤ۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ : ہم تیرا پروگرام دنیا کی قوموں میں پہنچاتے ہیں چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے بنی اسرائیل ہی کو لیا۔

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : بنی اسرائیل کے ایک طائفے میں ایمان آ گیا۔

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ : دوسرے طائفے نے اس پروگرام کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

بنی اسرائیل کے مومنوں نے (اللہ کی مدد سے) اپنے دشمنوں کو مغلوب کرلیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کا یہ طریق عمل' ایک مثال ہے (كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ)۔ قرآن حکیم کی تعلیم بھی دنیا کی قوموں میں اسی طرح جاری ہوسکتی ہے۔

اُسوۂ مسیحؑ کی کامیابی

حضرت مسیحؑ نے اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے جماعت تیار کی تو اسے پہلے پہل عدم تشدد کا پابند بنا دیا گیا۔ مگر یہ حکم ایک محدود زمانے کے لیے تھا۔ جب تک لڑنے والی طاقت تیار نہ ہو عدم تشدد ہی تیاری کا ذریعہ ہوسکتا ہے (جب تیاری مکمل ہو جائے) تو پھر لڑنا جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح نے بھی ایک موقع پر فرمایا کہ ''میں لڑنے اور لڑانے کے لیے آیا ہوں''۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظّمہ میں عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ کام کرایا (یعنی جماعت تیار کردی) اور مدنیہ منورہ میں لڑنے کا پروگرام دیا۔ پس یہ نسخہ پہلے بنی اسرائیل میں پھر بنی اسماعیل میں استعمال کیا جاچکا ہے اور اس کے طفیل عربی طاقت نے کسریٰ و قیصر پر غلبہ حاصل کیا۔

اُسوۂ محمدیؐ کی کامیابی

شاہ ولی اللہؒ کی تحقیقات میں حجاز کی فتح کا نتیجہ عرب پر غلبہ تھا۔ پھر عراق اور شام پر عربی طاقت کی مدد سے غلبہ حاصل ہوا۔ اس کے بعد عراقی طاقت سے ایران پر اور شامی طاقت سے رومی سلطنت پر غلبہ حاصل کیا گیا۔ اس طرح خشت بر خشت انٹرنیشنل غلبہ حاصل ہوگیا۔ اسی طرح دنیا میں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ حزب اللہ کا آخری پروگرام ہے۔

تمت سورۃ الصّف نمبر 61

(یوم الجمعہ 29 اکتوبر 943 ہندی گوجر خان ضلع راولپنڈی)

==========

قرآنی حکمتِ انقلاب

سورت الجمعہ کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الجمعہ (62)

(یہ مدنی سورۃ ہے)

تمہید سورت

سورۃ الصّف کے ساتھ ربط

رسول اللہ ﷺ کو اپنا بین الاقوامی پروگرام پورا کرنا اسی طریقے پر آسان تھا، جس پر حضرت مسیحؑ نے تورات کی اشاعت عامہ کی کوشش کی۔ یعنی ہر قوم میں سے اپنے نظریات ماننے والی ایک جماعت تیار کرلی جائے۔ اور وہی جماعت اپنی قوم کے مخالفوں سے لڑے اور اپنے پروگرام کو حاکمانہ شان دے دے۔ اگر ایک مرکز سے کوئی شہنشاہ اٹھے اور وہ ساری دنیا کو فتح کرتا پھرے (جیسے پہلے زمانے میں سکندر یا اس سے بھی پہلے ذوالقرنین کے نمونے موجود ہیں) تو وہ کوئی دیرپا بین الاقوامی مرکز پیدا نہیں کرسکتا۔ اور نہ اس طرح سے پیدا شدہ بین الاقوامیت پائیدار ہوسکتی ہے۔ اگرچہ اس قسم کے حاکموں کا پیدا ہونا ایک فکر کے عمومی غلبے کے لیے ضروری ہے، تاکہ عام لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ اس فکر میں اتنی طاقت ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اس کے اظہار کے لیے وقتاً فوقتاً انسانیت میں بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ان کے ذریعے سے قوموں کی مستقل تربیت نہیں ہوسکتی۔

قومی انقلاب سے قرآنی تحریک کو فائدہ

جیسے ایک شہر کی تہذیب و اصلاح کے لیے اس شہر کے ہر ایک خاندان کی اصلاح

اسی نقطے پر ہونی ضروری ہے؛ اسی طرح ایک مملکت کی اصلاح جو انقلاب کا نتیجہ ہونی چاہیے؛ اس مملکت کے تمام شہروں میں اس تہذیب کے مراکز قائم کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔ بین الاقوامی پروگرام کے لیے زبانوں سے علیحدہ ہونے والی قومیں ایک اکائی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اکائیوں کی اصلاح مستقل بنیادوں پر قائم ہونی چاہیے۔ جب یہ چیز قائم ہو جائے تو بین الاقوامی پروگرام دنیا کے سامنے صاف ہوکر آئے گا اور دیر تک چلے گا۔ اس میں یہ طاقت آجائے گی کہ اگر اس کی تحریک میں کبھی عارضی کمزوریاں پیدا ہوجائیں تو اس کے اندر ہی سے انقلابی قوت پیدا ہوکر اس کمزوری کو دور کر دے اور اس تحریک کی اصلاح کر دے۔

مضبوط مرکز کا نقصان

اگر قوموں کو کسی بین الاقوامی مرکز کے ساتھ اس طرح وابستہ کر دیا جائے کہ وہ بے دست و پا ہوکر رہ جائیں تو اس مرکز میں کمزوری آنے کے بعد ان میں انقلابی تحریک پیدا ہونا اور ان کا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا نہایت مشکل ہو جائے گا۔ ایک بڑے مرکز سے اقوام میں ایک پروگرام جاری کرنے سے اگر یہ فائدہ سامنے آتا ہے کہ تحریک بہت جلد پھیل جاتی ہے؛ تو اس کے مقابلہ میں یہ خطرہ بھی پیش نظر آتا ہے کہ اگر اس مرکز میں خرابی آجائے تو اتنی بڑی قوموں کی اصلاح خطرناک طور پر مشکل ہو جائے گی۔ اور پھر وہ خرابی انڈے اور بچے دے کر قوموں کو بہت دور تک گمراہ کر دے گی۔

صحیح طریق عمل

اس لیے صحیح طریق عمل جو آج تک دنیا میں تجربے سے مفید ثابت ہوا ہے۔ یہی ہے کہ ہر ایک قوم کے اندر، اس کی ذہنیت کے مطابق، اس کی زبان میں، بین لاقوامی اھتداء کا مخزن جمع کر دیا جائے۔ وہ قوم اپنے بھلے برے کا فیصلہ کرنے کے لیے خودمختار ہو؛ اس طرح ایک پروگرام پر مختلف قومیں تیار ہو جائیں تو ان کو کسی مرکز میں بیٹھ کر بین الاقوامی پروگرام کامیاب بنالینا چنداں مشکل نہیں ہے۔

بین الاقوامی مرکز

ہم اس بین الاقوامی مرکز کے لیے کوئی ایسی سرزمین تجویز نہیں کرسکتے جو کسی خاص

قوم کے تمدن سے رنگین ہو۔ اگر یہ بین الاقوامی مرکز کسی خاص متمدن قوم کے ہاتھوں میں آجائے گا تو وہ اپنے قومی پروگرام ہی کو بین الاقوامی درجہ دینے کے لیے اسے بری طرح استعمال کرے گی۔ اس لیے ہم حجاز کی سرزمین کو جو وادی غیر ذی زرع ہے اور جس کا بیت العلم اقوام میں حرم کا درجہ پیدا کر چکا ہے' بین الاقوامی مشاورت کے لیے بطور مرکز تجویز کرتے ہیں۔ اور اس کی مرکزیت کو تمام دیگر مراکز پر راجح مانتے ہیں بشرطیکہ اس پر کسی خاص متمدن قوم کا تغلّب پیدا نہ ہو جائے اور حجاز اپنی فطری آزادی پر قائم رہے۔

سورۂ صف کے آخری حصے کے مطابق حضرت مسیحؑ کا جو طریق عمل بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمی مشن قائم کیا اس کی مثال سورۃ الجمعہ میں آتی ہے۔

پچھلی سورتوں سے ربط کا ایک اور پہلو

قرآن حکیم نے اپنی آمد کا منشاء ان الفاظ میں بتایا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح آیت 28) اس کے لیے حزب اللہ کا قیام ضروری ہے۔ جو قرآن حکیم کو اپنا پروگرام بنا کر آگے بڑھائے، اور غالب کرے، حزب اللہ کے لیے سیاسی غلبہ لازم ہے، ورنہ اس کا پروگرام دنیا میں چل نہیں سکتا۔ حزب اللہ کی تشکیل کا پروگرام سورۂ مجادلہ سے شروع ہوتا ہے، اور اس سورت سے حزب اللہ کے غلبے کی پیش گوئی جاری ہے۔ چنانچہ سورۃ مجادلہ کے آخری حصہ میں آیا ہے کہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (آیت نمبر 21) یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغامبروں کا دنیا میں غالب آنا حتمی اور یقینی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ قوی ہے، اس لیے وہ اپنے رسولوں کی جماعت کو عزت دیا کرتا ہے، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ المنافقون آیت نمبر 8)۔

اس کے بعد سورۃ الحشر کے شروع میں آتا ہے کہ: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہ سورت بھی حزب اللہ کے سیاسی غلبہ کی پیش گوئی کرتی ہے، جس کے لیے اس سورت الحشر میں حزب اللہ کے حربی پہلو کی تکمیل پر زور دیا گیا

ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات **العزیز** اور **الحکیم** کا ذکر نہایت معنی خیز ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ غلبہ حاصل کرے گا، اور اس کے پروگرام کو زیادہ مستحکم اور پائیدار بنانے کے لیے اسے حکمت کی تعلیم دی جائے گی، جس کے بغیر کوئی غلبہ مستقل نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد سورۃ الممتحنہ میں حزب اللہ کے نظام کو اندرونی طور پر مضبوط بنانے اور تعلقات خارجہ کو استوار کرنے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔ اس لیے اس سورت میں **العزیز** اور **الحکیم** کے اسماء الحسنٰی کے اعادے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے بعد سورۃ الصّف میں سورۃ الحشر ہی کے مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے (یعنی حشر میں حزب اللہ کی حربی اصولوں پر تشکیل پر زور دیا گیا تو سورۃ الصّف میں تیاری کے احکام دیئے گئے ہیں، اور بنی اسرائیل کے قومی انقلاب کی مثال پیش کی گئی ہے) اس لیے یہاں پھر ان اسماء الحسنٰی کا انتخاب کیا گیا ہے، جس میں غلبہ کا پہلو ظاہر ہے، چنانچہ فرمایا: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آیت نمبر 1)۔

سورۃ الجمعہ میں غلبہ کے اس پروگرام کو اور واضح کیا گیا ہے، اور بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کی طرز پر نہ صرف قومی انقلاب کی دعوت دی گئی ہے، بلکہ دوسری قوموں میں قومی انقلابات لانے کی دعوت دی گئی ہے اور بنی اسرائیل میں جن باتوں نے انقلاب کی روح کچلی تھی، ان کی توضیح بھی کر دی گئی ہے، اس لیے الحشر اور الصّف میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء الحسنٰی آ چکے ہیں (یعنی العزیز، الحکیم، عالم الغیب والشھادۃ، الرحمٰن الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن، الجبار، المتکبر، الخالق، الباری اور المصور) ان میں سے غلبہ ظاہر کرنے والے جامع اسماء الحسنٰی یعنی الملک، القدوس، العزیز اور الحکیم کو سورۃ الجمعہ کا عنوان بنایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

بشیر احمد وفقہ اللہ تعالیٰ

یکم نومبر 943 ہندی (1943ء)

گوجر خان

==========

سورۃ الجمعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ●
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۲﴾
وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۴﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ
ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ع

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ
فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا
عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ الجمعہ

آیت نمبر1: یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ

ترجمہ: ''جو مخلوقات آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے' اللہ کی تسبیح کرتی ہے' وہ بادشاہ' پاک ذات' غالب' حکمت والا ہے۔''

کیا خدا محتاج ہے؟

اہل علم کو اشاعت معارف کی جو دعوت دی گئی ہے اس میں اللہ ان کا محتاج نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کا نظام اس پر گواہ ہے کہ اللہ اپنے کام اپنی حکمت کے مطابق چلاتا ہے۔ وہ اس میں کسی کا محتاج نہیں ہے تو جو نظام وہ انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بھی وہ انسانوں کا محتاج نہیں ہوسکتا۔ پھر وہ انسانوں سے کیوں کہتا ہے کہ وہ یہ کام کریں اور خدا کے لیے کریں؟ یہ اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو ترقی کا موقعہ دیا جائے۔

زمین و آسمان اللہ کی پاکیزگی کی شہادت دیتے ہیں اور ان کی ساخت ثابت کرتی ہے کہ اللہ ان صفات کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ

(1) الملک (2) القدوس (3) العزیز (4) الحکیم۔

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے ان اسماء حسنٰی کا کامل ظہور ہو رہا ہے۔ چنانچہ خدا کے سوا کوئی شخص اپنے آپ کو حقیقی اور مطلق معنوں میں الملک (بادشاہ) نہیں کہہ سکتا۔ ساری کائنات میں حکومت اور بادشاہی دراصل اللہ ہی کی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے آپ کو

عیوب ظاہر و باطنی سے قدوس (پاک) نہیں کہہ سکتا۔ کائنات کی ساخت صرف اللہ ہی کو کامل اور اکمل طور پر عیوب سے پاک ثابت کرتی ہے۔ ایسے ہی حقیقی عزت اور اس کے ذریعہ سے غلبہ صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اور سب کی عزتیں اور غلبے اس کے غلبے اور عزت کے دھندلے نقوش ہیں۔ حکیم بھی حقیقت میں اللہ ہی ہے جو اس کائنات کا خالق' باری اور مصور ہے۔ وہی اس کائنات کے تمام اجزا اور ان کے باہمی ربط اور ان کی اندرونی روح سے واقف ہے' پس حکمت کا مالک اصل میں اللہ ہی ہے۔

ان صفات کے بیان کی غرض

اللہ تعالیٰ جو الملک' القدوس' العزیز اور الحکیم ہے، ان صفات کے تقاضوں پر انسان کو ترقی دینا چاہتا ہے۔

(1) الملک

اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی بادشاہی میں نیابت اور خلافت دینی چاہتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ جیسے اس کا حکم ملائک (فرشتوں) کے ذریعے سے آسمانوں میں پورا ہوتا ہے' اسی طرح نوع انسان میں بھی اس کا حکم پاکباز فرشتہ خصلت انسانوں کے ذریعے سے پورا ہو۔

(2) القدوس

اللہ تعالیٰ قدوس ہے۔ وہ تمام عیوب سے پاک ہے۔ اس کے نام کی جو حکومت قائم ہو اور اس کے نام سے جو تعلیم دی جائے اس میں بھی انسانی عیوب پیدا نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ جماعت جو اللہ کے نام کی حکومت پیدا کرے، انسانی کمالات کا بہترین مظاہرہ کرے۔ اور اس میں اللہ کی قدوسیت کا رنگ (صبغۃ اللہ) غالب ہو۔ دنیا کی حکمران جماعتوں میں جتنے عیوب پائے جاتے ہیں' ان سے یہ جماعت نسبتاً پاک ہو۔ ایسے ہی دنیا کی معلم جماعتوں میں جس قدر غلطیاں راسخ ہو چکی ہیں۔ قدوسیوں کی یہ جماعت ان سے بھی پاک ہو۔ یہ اللہ کا منشا ہے اور قدوسیت الٰہی کے مناسب ہے۔

(3) العزیز

اللہ تعالیٰ ان قوموں کو جو قرآن حکیم کی تعلیم بلند کریں عزت دینی چاہتا ہے۔ وہ اس تعلیم کے ذریعے سے دنیا میں غلبہ حاصل کریں گی اور آخرت میں مراتب رفیعہ پر فائز ہوں گی۔

(4) الحکیم

عزت ایک دفعہ تو سیاسی یا فوجی غلبے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اسے صدیوں تک سنبھالنے کے لیے حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا اس جماعت کو حکمت بھی عطا کرنا چاہتا ہے تاکہ حکومت اور حکمت ان میں جمع ہو جائیں۔ کسی قوم میں حکومت سنبھالنے کی طاقت اتنی ہی ہوگی جتنی اس میں حکمت ہوگی۔

حکمت کیا ہے؟

فطرت انسانی کے جو طبعی تقاضے ہیں ان کی پوری سمجھ پیدا کرنا الحکمت ہے۔ یعنی افراد انسانی ' اقوام اور اصناف کے تقاضوں کو سمجھنا اور ان کو نوعی تقاضوں کے ماتحت لانا حکمت ہے۔ افراد' اشخاص' اقوام اور اصناف کے تقاضے غیر متبدل نہیں ہیں۔ مگر انسانیت کے تقاضے مستقل اور غیر متبدل ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ: **لَاتَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہ**۔ (اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں کوئی تبدیلی نہیں) ان تقاضوں کو سمجھنا **ذٰالِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَ** (یہ سیدھا دین ہے) ہے۔ ان تقاضوں کے مطابق قرآن کے احکام نافذ کرنا حکمت عملی ہے۔

اللہ چاہتا ہے کہ قرآن حکیم (یٰسٓ والقرآن الحکیم) کے ذریعے سے انسانوں کو حکمت سکھائے۔ پس خدا کی حکومت' قدوسیت' عزیزیت اور حکیمیت کا تقاضا ہے کہ ایک نبی پیدا ہو جو ساری نوع انسانی کو نوعی تقاضوں کا صحیح علم دے۔ اور یہ علم منظّم طور پر اہل دنیا کو سمجھا دے۔

الۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ①

قرآن حکیم نے اپنی آمد کا منشا ان الفاظ میں بتایا ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ

(الصّف آیت 9، الفتح آیت 28)

اس کے لیے حزب اللہ کا قیام ضروری ہے جو قرآن حکیم کو اپنا پروگرام بنا کر آگے بڑھائے اور غالب کرے۔ حزب اللہ کے لیے سیاسی غلبہ لازم ہے ورنہ اس کا پروگرام دنیا میں چل نہیں سکتا۔ حزب اللہ کی تشکیل کا پروگرام سورۃ مجادلہ سے شروع ہوتا ہے اور اسی سورت سے حزب اللہ کے غلبہ کی پیشگوئی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ سورۃ مجادلہ کے آخری حصے میں آیا ہے کہ

کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کا دنیا میں غالب آنا حتمی اور یقینی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ اس لیے وہ اپنے رسولوں کی جماعتوں کو عزت دیا کرتا ہے۔

وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ (سورہ المنافقون آیت 8)

اس کے بعد سورۃ حشر میں آتا ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝ (1:59)

یہ سورت بھی حزب اللہ کے سیاسی غلبے کی پیشگوئی کرتی ہے جس کے لیے اس سورت (الحشر) میں حزب اللہ کے حربی پہلو کی تکمیل پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات العزیز اور الحکیم کا ذکر نہایت معنی خیز ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حزب اللہ غلبہ حاصل کرے گا۔ اور اس کے پروگرام کو زیادہ مستحکم اور پائیدار بنانے کے لیے اسے حکمت کی تعلیم دی جائے گی جس کے بغیر کوئی غلبہ مستقل نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد الممتحنہ میں حزب کے نظام کو اندرونی طور پر مضبوط بنانے اور تعلقات خارجہ کو استوار کرنے کے لیے ہدایت دی گئی ہے۔ اس لیے اس سورت میں ''العزیز'' اور ''الحکیم'' کے اسمائے حسنیٰ کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس کے بعد سورہ صف میں حشر کے مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے (یعنی سورہ حشر میں حزب اللہ کے حربی اصولوں کی تشکیل پر زور دیا گیا ہے۔ تو سورہ صف میں تیاری کے احکام دیئے گئے ہیں اور بنی اسرائیل کے قومی انقلاب کی مثال پیش کی گئی ہے) اس لیے

یہاں پھر ان اسمائے حسنیٰ کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں غلبہ کا پہلو ظاہر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (1:59)

سورۃ جمعہ میں غلبے کے اس پروگرام کو اور واضح کیا گیا ہے۔ اور بنی اسماعیل کو بنی اسرائیل کی طرز پر نہ صرف قومی انقلاب کی دعوت دی گئی ہے بلکہ دوسری قوموں میں قومی انقلابات لانے کی دعوت (بھی) دی گئی ہے اور بنی اسرائیل میں جن باتوں نے انقلاب کی روح کچلی تو ان کی توضیح بھی کر دی گئی۔ اس لیے سورہ الحشر اور سورہ الصّف میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء حسنیٰ آ چکے ہیں۔ یعنی (العزیز ، اَلْحَكِيْمُ ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمُ ، اَلْمَلِكُ ، اَلْقُدُّوْسُ ، اَلسَّلَامُ الْمُؤْمِنُ ، اَلْمُهَيْمِنُ ، اَلْجَبَّارُ ، اَلْمُتَكَبِّرُ ، اَلخَالِقُ ، اَلْبَارِئُ ، اَلْمُصَوِّرُ) ان میں سے غلبہ ظاہر کرنے والے جامع اسماء حسنیٰ یعنی اَلْمَلِكُ ، اَلْقُدُّوْسُ ، اَلْعَزِيْزُ اور اَلْحَكِيْمُ کو سورۂ جمعہ کا عنوان بنایا گیا ہے۔

آیت نمبر2: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

ترجمہ: ''اللہ وہ ذات ہے، جس نے اُمیّین میں ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔''

چنانچہ اللہ نے اُمیوں میں سے ایک انسان چن لیا۔ اس کے اندر ایسی ہمت اور عالی دماغی پیدا کی کہ وہ اس نیابت الٰہی کے پورا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

نبی اُمیّوں میں سے کیوں لیا گیا ہے؟

(الف) بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ وہ ان پڑھ لوگوں میں سے لیے گئے۔(1)

(1) عام اہل علم اہل یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب اور اہل عرب کو اُمّی کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مجوس، ہنود اور بدھسٹ بھی اُمّی اقوام میں داخل ہیں۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے جس کے احکام کو یہ ناقابل تبدیل قانون مانتے ہوں۔ اگر کوئی تھی بھی تو مرور زمانہ سے وہ عوام میں سے بالکل نکل چکی ہے اور عوام اتنے جاہل رہ گئے ہیں کہ انہیں اُس کا علم بھی نہیں ہے۔ اور یہ صرف اپنے علماء کی زبانی تعلیم ہی کو خدائی تعلیم مانتے ہیں۔ صرف نصاریٰ اور یہود ساری انسانیت کو جامع نہیں ہیں۔ انسانیت کو جمع کرنے کے لیے ہنود، مجوس اور بدھوں کو بھی ذہن میں لانا پڑتا ہے۔(مولانا سندھیؒ)

کیونکہ پڑھے لکھے لوگ اہل کتاب اپنی فطرت خراب کر چکے ہیں۔ ان کے قلوب شکوک و اوہام کے گہوارے بنے ہوئے ہیں۔ وہ حقیقت شناسی سے بیگانے ہو چکے ہیں۔ اس لیے ان کو کوئی بات سمجھانا آسان نہیں ہے۔ مکہ معظّمہ ایک غیر متمدن مرکز ہے۔ اور کسی خاص قوم کے تمدن کے زیر اثر نہیں ہے۔ اس لیے بھی یہ مرکز اس قابل ہے کہ صحیح اور صالح تعلیم جو انسانیت کی اساس پر قائم ہو اس قوم میں پھیل سکے۔ اہل قریش اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہیں' وہ قدیم روایات عالیہ کے حامل ہیں۔ اگر چہ اس وقت جہالت کے باعث ان کی حالت اچھی نہیں ہے لیکن اوپر کے پردے کے نیچے صالح اور کارکن طاقت موجود ہے۔ وہ بین الاقوامی پروگرام اخذ کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر ان پر کوئی حکومت بھی نہیں ہے' جس کی وجہ سے ان پر پابندیاں عائد ہو چکی ہوں' ہر ایک خاندان اور ہر گھرانہ اپنی فطری آزادی پر قائم ہے۔ اگر ان لوگوں کو بین الاقوامی پروگرام کے اصول صحیح طور پر سمجھا دیئے جائیں تو ان کے تمام خاندان اس میں رنگین ہو جائیں گے اور اس طرح بین الاقوامی کام کے لیے پنیری تیار ہو جائے گی۔

اس صالح جماعت میں اس کا راہنما کیا کام کرے گا اور کس قسم کے معارف پھیلائے گا؟ اس کا ذکر آیت کے اگلے حصہ میں آتا ہے اور وہ چار چیزیں ہیں:

''الملک'' کا اثر حیات انسانی پر

(ب) (1) يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ (جو ان پر اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے)

چھوٹے چھوٹے فقرے ہوں جن میں حکمت کے گُر مستور ہوں' الفاظ فصیح ہوں، جملے کی ترکیب دلکش ہو ایسے جملوں کو آیات کہا جاتا ہے۔

رسولؐ ان کو اس قسم کی آیات سکھاتا ہے جن میں فطرت انسانی کے مطابق احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ احکام انسانیت عامہ کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ رسولؐ ان کو یہ باتیں اپنی قوم کی مادری زبان میں جو فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے' پڑھ پڑھ

کر سناتا ہے اور یاد کرواتا ہے کیونکہ یہ لوگ اَن پڑھ ہیں۔ اس قسم کے جملے ان کو روز مرہ کام آنے والے ہیں۔ یہ استدلال کی الجھنوں سے پاک ہیں۔ اس قسم کے مختصر جملوں پر حکمت کی بڑی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے حکمت کے (حوالے سے انسانیت کے) چار اصول قرار دیئے ہیں۔

(1) طہارت (2) سماحت (3) اخبات وخضوع (4) عدالت

انہوں نے حکمت منزلی، حکمت بلدی (شہری)، حکمت ملی (قومی) اور بین الاقوامی حکمت انہی اصول اربعہ پر راجع کر دکھائی ہے۔ اگر ان اساسات کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں بغیر کسی خاص ترتیب کے عام لوگوں کے پیش کر دیا جائے اور ان میں سے ہر شخص ایک جملہ چن کر اسے اپنا مقصد زندگی بنا لے تو یہ اس قوم کی حکیمانہ ترقی کے لیے بنیاد ثابت ہوں گے۔

افسوس ہے کہ ہمارے ہاں حکمت کے ان جملوں کی اہمیت کو نظرانداز کردیا گیا ہے اور فقط توحید کے لفظ کو سامنے رکھ کر تمام شرائع کو اس طرف راجع کر دکھاتے ہیں اور عدالت کو بالکل بھول گئے ہیں۔

توحید اور عدل

ہماری تحقیق یہ ہے کہ اسلام نے توحید پر جو زور دیا ہے اور شرک کے رد کی جو اہمیت جتائی ہے تو اس کی روح یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ دوسرے لفظوں میں توحید انسانیت کی سب سے محکم اساس ہے۔ اگر ہمارے ہاں بچوں اور ان پڑھ لوگوں کو اخلاق کے اساسی جملے یاد کرا دیئے جائیں جو ان کے روز مرہ میں استعمال ہو سکتے ہوں تو ہماری ذہنیتیں قرآن حکیم کے سمجھنے کے لیے بہت جلد تبدیل ہوسکتی ہیں۔ مگر اس کوتاہی نے باوجود بہت محنت کرنے کے ہمیں نتائج سے محروم کر رکھا ہے۔

اگر تقویٰ کے لفظ میں عدالت شامل ہے جیسے اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى (عدل کرو

کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے) سے سمجھ میں آتا ہے یا جیسے **شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّه' لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ** کی آیت(1) میں اشارہ ہے اور ہم ان اشاروں کو صحیح طور پر سمجھ لیتے تو ہماری سوسائٹی اتنی نہ گرتی۔ لا الٰہ الا اللہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاف قائم کیا جائے۔ یہ "**قَائِمًا بِالْقِسْطِ**" کا ترجمہ ہے۔ اگر کوئی جماعت اللہ کے سوا تمام معبودوں کا انکار کر دے اور جس سوسائٹی میں رہے وہاں انصاف قائم کرے اور وہ انصاف کو اپنے ایمان کے مرکزی نقطے تک پہنچا دے۔ یعنی اسے جتنا اللہ پر یقین ہے اسی قدر انصاف کرنا اپنا فرض بنا لے تو اس سے بڑھ کر نہ انقلابی جماعت ہوسکتی ہے نہ اصلاح کرنے والی۔

خدا کی قدوسیت کا اثر

(2) **وَيُزَكِّيهِمْ** (اوران کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے)

تزکیہ کیا ہے؟

جو بات کہی جائے سوچ سمجھ کر کہی جائے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جائے۔ ایسی بات دنیا میں اثر پیدا کرتی ہے۔ اس سے انقلاب نمایاں ہوتا ہے اور اس سے اصلاح ہوسکتی ہے۔ پس سوچ سمجھ کر ذمہ داری سے بات کہنا تزکیہ ہے۔

لوگوں کو اصول بتا دیئے گئے ہیں اب ان سے جو کچھ کہا جائے' وہ ان اصولوں کی طرف راجع ہونا چاہیے۔ وہ اپنے معاملے کو گھر میں جاری کریں یا شہر میں۔ اس کا تعلق

---

(1) **شَهِدَ** (حکم اوقال) **اَنَّه'** (ای بانّه') **لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِكَه** (بما عاینوا من عظیم قدرته) **وَاُولُو الْعِلْمِ** (ای الانبیاء والعلماء)**قَائِمًا بِالْقِسْطِ** (ای مقیماً للعدل فیما یقسم من الارزاق والآجال ویثیب ویعاقب ویامربہٖ عبادہ' من انصاف بعضھم لبعضٍ والعمل علی التسویة فیما بینھم)(تفسیر المدارک علی ھامش الخازن ج 1' ص 243)

تفسیر مدارک میں اس کی تفسیر میں لکھا ہے :

اس کا مطلب یہ کہ اہل علم وہ ہیں جو معاشی حوالے سے اشیاء وغیرہ کی تقسیم میں عدل وانصاف کا نظام قائم کرتے ہیں ، اور انسانوں کو ایک دوسرے سے انصاف کرنے اور باہمی مساوات کی بنیاد پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔(آزاد)

ان کی ذات کے ساتھ ہو یا حکومت کے ساتھ۔ ان اصولوں سے جو انہوں نے ابتدا میں اپنا لیے ہیں، باہر نہیں جائیں گے۔ ہر معاملے کی تہہ میں وہ انہی اصولوں کو ملحوظ رکھیں گے۔

ذمہ داری کا مطلب

سوچ سمجھ کر بات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک بات کہتے ہیں تو وہ خود بھی اس کے پورے پورے پابند ہوتے ہیں۔ یہ ان کی ذمہ دارانہ حیثیت ہے۔ اس کے لیے انسان تزکیہ کے بعد ہی تیار ہوتا ہے۔ ان دونوں خوبیوں کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ گندی ہے۔ جس میں اس قسم کی کوئی گندی عادت ہو، اس کی نسبت کہا جائے گا کہ وہ نادان یا جاہل ہے۔ ایک شخص کو کہا جائے کہ وہ بدمعاش ہے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔ اس قسم کی گندگیوں سے پاک انسان مزکّی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں انسان کو پاک کرنے کی طاقت ہے۔ ہر فرد کے دل میں پاکیزگی کا خیال مستقل طور پر قائم کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وَيُزَكِّيهِمْ کا ترجمہ۔

العزیز کا اثر

(3) وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے)

الْكِتٰبَ کیا ہے؟

جماعتی قانون؛ اسے افراد کی حالت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ اگر جماعت مجموعی طور پر اس کی پابندی نہ کرے تو برباد ہو جائے گی۔ افراد میں صلاحیت باقی رہے تو ممکن ہے۔ مگر افراد میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ اس قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی وہ اس جماعت کا مستقل عنوان ہوتا ہے۔

ناقابل تبدیل قانون کو عربی میں ''لکھا ہوا قانون'' کہا جاتا ہے۔ حاکم جب ایک قانون کو لکھ دیتا ہے تو اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لیے توریت کے غیر متبدل احکام عشرہ کو ''الکتاب'' کہا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم کو بھی جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں غیر متبدل ہے اور جو حقیقت میں توریت ہی کا دوسرا ایڈیشن ہے، الکتاب کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم کی ایک ایک سورت بھی الکتاب ہے۔ اس میں مفرد جملوں کے تعلیمی

درجے ہیں۔ بعض میں اونچی تعلیم ملحوظ رکھی گئی ہے۔ کتاب سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ہر ایک سورت کے ان مفرد جملوں یا آیتوں کے نظام کو سمجھا جائے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ :

رسول اللہ ﷺ ان کو سکھاتے ہیں یعنی ان میں یہ سمجھ پیدا کر دیتے ہیں۔ اب ایک سورت پڑھنے والا اس کا مطلب نکال لے گا۔ اس میں کوئی تمہید ہوگی۔ کوئی دلیل ہوگی اور کوئی نتیجہ ہوگا۔ سب میں ایک نظام اور ربط پایا جائے گا۔ اس کے بغیر کوئی مجموعہ کتاب کہلا ہی نہیں سکتا۔

تناسق سُور اور ربط آیات کی ضرورت

نہایت افسوس ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں سورتوں کے تناسق (باہمی ربط) کا علم بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ گو آیات کے تناسق کا علم کافی حد تک محفوظ ہے۔ ایک ہی قسم کی آیتیں مختلف سورتوں میں رکھی گئی ہیں۔ لوگوں نے ان کے خصائص پر بحث کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ علم باقی رہتا تو دو مختلف خیال عالم اپنے فکر کے لیے قرآن سے استدلال نہ کر سکتے۔ چونکہ سورتوں کے تناسق اور ایک ہی مضمون کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ربط کا علم نظر سے گم ہو چکا ہے، اس لیے ایک عالم ایک سورت کی ایک آیت سے ایک نتیجہ نکال لیتا ہے اور دوسرا عالم کسی دوسری سورت کی آیت سے ایک اور مطلب نکال لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم سے دو مختلف چیزوں کے لیے سند مل سکتی ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق اس قسم کا فکر پیدا کر دینا عقلمندوں کے نزدیک نہایت نازیبا ہے۔

قانون کی پابندی سے جماعت کی جو شیرزاہ بندی ہوتی ہے وہ اس جماعت کو عزت مند بناتی ہے۔ تو خدائے عزیز اس کتاب (قانون) کے ذریعے سے مومنوں کو عزت دینی چاہتا ہے۔

الْحَكِيمِ کا اثر

(4) (وَيُعَلِّمُهُمُ) وَالْحِكْمَةَ (اور انہیں حکمت کی تعلیم دیتا ہے)

اَلْحِكْمَةَ قانون کی روح کا نام ہے

قرآن حکیم انسانیت میں جو تہذیب پیدا کرنی چاہتا ہے اس کی بنیاد انسانیت کے عام اصولوں پر ہوگی۔ ان احکام سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ انسانیت مکمل ہوتی جائے گی۔ احکام کی یہ روح معین کر دینا تاکہ ان احکام سے انسانیت کو اس طرح ترقی دینے کے سوا دوسرے مطلب کے لیے استعمال کرنا ناممکن ہو جائے' ان کی حکمت سمجھانا ہے' مثلاً نماز کا ایک قانون ہے جو بتاتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز کس طرح پڑھنی چاہیے۔ یہ الکتاب (The Letter of Law) ہے۔ اس کی تشریح و توضیح فقہا (Jurists) کا کام ہے۔ قرآن حکیم نے نماز کے متعلق یہ بھی فرما دیا ہے کہ: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 14)۔ یعنی نماز ادا کرنا اس مطلب کے لیے ہے کہ انسان کو اس کا رب یاد آتا رہے۔ یہ صلوٰۃ کی حکمت کہلائے گی۔ اب اگر ہم صورتاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کے تمام قوانین کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں مگر اللہ کا ذکر ہماری طبیعتوں میں راسخ نہیں ہوتا اور ہم ہر وقت یہ بات یاد نہیں رکھتے کہ وہ ہمارا رب ہے' وہ ہم پر حاکم ہے' ہم کو تمام چیزیں دینے والا ہے' وہ ہم سے حساب لے گا' اور اس کے مطابق ہماری ترقی اور تنزل ہوگا۔ اگر ہماری نماز سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا تو سمجھا جائے گا کہ ہماری نماز منافقانہ ہے۔ اور نماز پڑھنے سے کوئی دنیاوی فائدہ مقصود ہے۔ اس ایک جملے نے نماز کو غلط طریقے پر استعمال کئے جانے سے روک دیا۔

اسی طرح قرآن حکیم کی نسبت کہا گیا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (متقین کے لیے ہدایت ہے) یعنی یہ انصاف قائم کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ اس ایک جملے میں قرآن حکیم کی ساری حکمت ضبط کر دی گئی ہے۔ اب اگر قرآن پڑھنے والوں کا مقصد انصاف قائم کرنا نہیں ہے تو وہ حقیقت میں قرآن نہیں پڑھ رہے۔ وہ منافقانہ نماز کی طرح کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے صورتاً قرآن کو ڈھال بناتے ہیں۔

(ج) وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(یہ لوگ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے)

یہ لوگ اس سے پہلے ان قوانین اور ان کی روح سے قطعاً ناآشنا تھے۔ گو ان میں

صلاحیت موجود تھی مگر معلمین سے بُعد ہو جانے کی وجہ سے ان کی سوسائٹی کا نظام اس موضوع سے بہت دور جا پڑا تھا۔ ان کی صلاحیت کی دلیل یہ ہے کہ جب ان کو متوجہ کیا گیا تو جھٹ متوجہ ہو گئے، فتح مکہ تک ان میں سے ایک نہایت مضبوط جماعت تیار ہو گئی، جس کے ساتھ بعد میں عرب کے دوسرے قبائل مل گئے اور آگے بڑھ کر اس جماعت نے قیصر و کسریٰ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ بین الاقوامی پروگرام سے نا آشنا تھے۔ لیکن جب وہ پروگرام ان کو دیا گیا تو انہوں نے اسے آگے بڑھانے کی تمام شرطیں پوری کیں اور دنیا کی دو سب سے بڑی شہنشاہیتوں کو چیلنج دے دیا یہ نتیجہ تھا اس تربیت کا جو قرآن نے انہیں دی۔

اُمّیوں کا دوسرا طبقہ

آیت نمبر 3 : وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: ''اور دوسروں کے لیے بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ سے مراد ایرانی ہیں۔ یہ امیوں کا دوسرا طبقہ ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دوسری قوم جو ابھی تک عرب سے نہیں ملی وہ ان کی قوم ہے۔(1)

مِنْهُمْ کی ضمیر **هُمْ** کا مرجع اُمیین ہی ہے۔

اہل فارس ابتداء میں ایک کتاب کے مالک ہوں گے۔ لیکن اب وہ کتاب ایسے چھوٹے سے طبقے میں محدود ہو کر رہ گئی تھی جس نے اس کے علم پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اور یہ علماء ہی اس علم کے خزینہ دار رہ گئے تھے۔ عوام بالکل اُمّی تھے۔ اب یہ لوگ عربوں سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آگے چل کر یہ ایرانی ہی ہندوؤں اور بدھوں کے استاد بنیں گے۔ چنانچہ ہندوستان میں اسلام ایرانی علماء کی کوششوں سے پھیلا۔ اسی طرح ترکوں کو بھی ایرانیوں ہی نے اسلام سے متعارف کرایا۔ اس طرح اسلام کی بین الاقوامیت متحقق ہو گئی۔

(1) بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الجمعہ، (ج 2، ص 727)

مکہ میں بین الاقوامیت اور اس کی ترقی

دراصل اس قسم کی بین الاقوامیت کا بیج مکی زندگی میں ہی بویا گیا تھا۔ کیونکہ بلال حبشیؓ، صہیبؓ رومی اور سلمانؓ فارسی کو اس زمانے میں قریش کا ہم پلہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ حالانکہ یہود نے تورات کو ماننے والی غیر یہودی اقوام کو اپنے برابر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابتدائی مکی زندگی میں جس بین الاقومیت کی بنیاد اشخاص کی شمولیت سے رکھی گئی تھی، اس نے آگے چل کر اقوام کی بین الاقوامیت کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ جہاد میں ایران فتح کرنے کے لیے عرب کے ساتھ عراقی نومسلم بھی شامل ہوئے۔ ایسے ہی رومی فتوحات میں شام کے نومسلم عربوں کے شریک رہے یہ وہ صورت ہے جس کی طرف سورۂ صف کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُوٓاْ أَنصَارَ ٱللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيِّـۧنَ مَنۡ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِۖ قَالَ ٱلۡحَوَارِيُّونَ نَحۡنُ أَنصَارُ ٱللَّهِۖ فَـَٔامَنَت طَّآئِفَةٞ مِّنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ وَكَفَرَت طَّآئِفَةٞۖ فَأَيَّدۡنَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ عَلَىٰ عَدُوِّهِمۡ فَأَصۡبَحُواْ ظَٰهِرِينَ ﴿١٤﴾

یعنی ہر قوم کو دعوت قرآن دی گئی۔ اس میں سے جو حصہ اس تحریک میں شامل ہو گیا اس نے اپنی قوم کے ان لوگوں سے جنگ کی جو اس تحریک میں شامل نہ ہوئے۔ اور خدا کی مدد سے وہ اپنے مخالفوں پر غالب آ گئے۔ اس کام میں عربوں نے ان کی رہنمائی کی۔

غیر ممالک میں مراکز

یہاں ایک مخفی دستورِ حقیقت کی طرف تنبیہہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ عرب اپنے ایام جاہلیت میں ہجرت کر کے عراق اور شام میں جا بسے تھے۔ انہوں نے اپنے عربی قومی خصائص ترک نہیں کئے تھے۔ وہ ان غالب قوموں کے اندر مقہور زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام بہت جلد مفتوح ہو گئے۔ ہماری سمجھ میں (یہ آتا ہے کہ) مکہ معظّمہ میں انہی قوموں

کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں جن کو جنوں کے وفود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح عراق اور شام کی حدود کے اندر آنے والے انقلاب کے مراکز پیدا ہو چکے تھے۔ اسلامی فتوحات کی سرعت کا یہ ایک راز ہے جس کی طرف تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سورۂ صف ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عراق اور شام کے اندر قرآن کی تعلیم پھیلائی گئی۔ جس سے خود ان قوموں کا ایک طائفہ اس پروگرام کو ماننے والا پیدا ہوگیا اور بعد میں اپنے دشمنوں سے لڑ گیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے تمام عملیات (اقدامات) میں یہ حکمت ملحوظ نظر آتی ہے۔

آیت نمبر 4: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٤﴾

ترجمہ: ”یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔“

ذٰلِكَ : بین الاقوامی مرکزیت

یہ خصوصیت جو اس بین الاقوامی مرکز قائم کرنے والی جماعت کو نصیب ہوئی کہ ان کے پروگرام پر دوسری قوموں کے حصے ٹھیک ہوتے جاتے ہیں اور اپنی قوموں سے لڑنے میں زیادہ ہمت دکھاتے ہیں، یہ اللہ کا خاص فضل ہے۔ (آیت نمبر 5 تا 8)

یہود کی گراوٹ

حضرت مسیحؑ نے عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ تعلیمی کام شروع کیا۔ ان کے حواریوں کی زندگی میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ وہ تعلیم دیتے ہوئے شہید ہوئے مگر تعلیم کو ترک نہ کیا۔

حضرت مسیحؑ کے حواریوں کے کام کے نمونے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے بھی کام کیا۔ یہ انصار اور مہاجرین ہیں۔ جب کام بڑھا تو فرائض تقسیم ہو جائیں گے۔ لیکن جو چیز سب میں مشترک رہے گی وہ یہ ہے کہ وہ موت سے نہیں گھبرائیں گے۔ عدم تشدد کی پابندی کریں گے۔ تعلیم دیں گے اور جب تک انہیں خاص تیاری کے بعد حکم نہ دیا جائے‘ وہ لڑیں گے نہیں۔ اس کے باوجود وہ موت سے نہیں بھاگیں گے۔ ظاہر ہے کہ مخالف قوتیں کب یہ برداشت کرسکتی ہیں کہ ان کے نظام کو توڑنے والی تعلیم ان کے گھروں میں پھیلے؟ وہ ضرور رکاوٹیں ڈالیں گے۔ وہ ان لوگوں کو تکلیفیں پہنچائیں گے، حتیٰ کہ قتل بھی

کریں گے۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی زندگی میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ اب اگر ان میں یہ جذبہ کمزور ہو گیا ہے اور وہ موت سے گھبراتے ہیں تو وہ کارآمد ثابت نہیں ہوں گے۔ اگلی آیتوں میں یہی مضمون آتا ہے۔

آیت نمبر5: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: ''ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات اٹھوائی گئی' پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا' گدھے کی سی مثال ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے۔ ان لوگوں کی بہت بری مثال ہے' جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

انقلاب کے لیے موت سے بے خوفی کی ضرورت

یہود اس بزدلی اور منافقت کا مجسمہ ہیں۔ ان کا اس بات کو نہ سمجھنا کہ تعلیم موت سے نڈر ہوئے بغیر جاری نہیں رہ سکتی، ان کو انسانیت سے گرا دیتا ہے۔ وہ جس تحریک کے حامل ہیں' وہ اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تحریک ہے' جس تحریک میں اتنی نہیں (بلکہ) کسی درجے کی بھی انسانی عزت و شرف کا شائبہ ہو گو وہ اتنی جامعیت نہ رکھتی ہو کہ اس میں اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ہوں بلکہ صرف کسی ایک آدھ میں انسانیت کی شان بلند کرنے والی ہو، وہ بھی دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی تعلیم جاری رہ سکتی ہے (جب تک کہ اس کے نتیجہ میں پارٹی پیدا نہ ہو) اور جب تک اس کے معلم اور مبلغ موت سے نڈر ہو کر آگے نہ بڑھیں۔ یورپ کی انقلابی سوسائٹیوں کو دیکھ کر یہ فکر بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ انسانیت کی بہت تھوڑی اور جزوی خدمت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بھی ان کو موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود وہ بے خوف ہو کر آگے بڑھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

(الف) حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

(انہیں تورات اٹھوائی گئی، انہوں نے اسے نہ اٹھایا)

سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء کی ایک جماعت ہے جو حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کی حامل ہے۔ وہ یہ ضرورت محسوس نہیں کرتی کہ اسے اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے لیے موت سے

بے خوف ہو کر کام کرنا چاہیے' وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

(لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا) وہ اس ڈیوٹی کے لوازم محسوس نہیں کرتے۔ نام تو ہے وہ تورات سکھانے والے ہیں (حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ) مگر سکھانے کی جو شرطیں ہیں وہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتے (لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا)۔ اس صورت میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ انسانیت سے گر گئے ہیں۔ کیونکہ انسانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس تعلیم کو قبول کیا ہے اسے آگے بڑھانے کے لیے موت تک قبول کی جائے۔ پس وہ نرے گدھے ہیں اور کتابیں لادے پھرتے ہیں۔ مگر ان کا مطلب نہیں سمجھتے جس سے ان کے دلوں میں کام کا ارادہ پیدا ہو۔ گدھے پر کتابیں لادو، اسے کچھ خبر نہیں ہوگی کہ کتابیں ہیں یا اینٹیں۔

ظلم اور تکذیب آیات اللہ

كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

(ان کی مثال گدھے کی سی ہے، جو کتابیں اٹھاتا ہے، ان لوگوں کی بہت بُری مثال ہے، جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا)

قرآن حکیم جیسی تعلیم میں ان کو گدھا کہنا معمولی بات نہیں ہے۔(1) انہوں نے ظلم

سورۂ اعراف رکوع نمبر 22 میں ہے:

وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ۖ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۡ وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۡ وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ۝ (179:7)

ترجمہ: ''اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے ہیں ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں' وہ ایسے ہیں جیسے جانور بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں۔''

یعنی جو لوگ کتاب الٰہی کے حامل ہوتے ہوئے اور کائنات میں ہدایت کا سامان ہوتے ہوئے اور اس امر کے باوجود کہ ان کا قلب' بصر اور سمع جیسے ذرائع حصول علم دیئے گئے ہیں' سوچتے نہیں اور سوچ کر کام کا ارادہ نہیں کرتے، وہ حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ حیوانات علم حاصل کرنے کے ان ذرائع سے محروم ہیں وہ اگر سوچ سمجھ کر اپنی راہ عمل متعین نہ کریں تو یہ ان کی فطرت ہے۔ مگر انسان جب اس قسم کی روش اختیار کرے تو وہ اپنی انسانیت سے گر جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں کہ وہ مطلق حیوانیت کے مقام پر ٹھہر جائے بلکہ وہ اپنے قویٰ کو غلط طریق پر استعمال کرتا ہے اور اس طرح حیوانیت مطلقہ سے بھی گر جاتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں کہا گیا کہ ان کی مثال بہت بری ہے۔ بئس مثل القوم الآیۃ۔ اللّٰہ اعلم۔(مرتب)

کی بنیاد ڈال دی ہے۔ انصاف کا ایک قانون ایک قوم مانتی ہے تو وہ دنیا میں بہترین نمونہ پیش کرسکتی ہے۔ اب انصاف کے اتنے بڑے قانون کو جو حضرت موسیٰؑ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلا بیکار اور بے ثمر بنا دینا اور اس کی تعلیم برائے نام جاری رکھنا اور ایسے نمونے تیار کرنا جن سے کوئی شخص تربیت نہ پاسکے، بہت بڑے ظلم کی بنیاد ڈالنا ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے آپ کو مجرم تک نہیں مانتے تو گویا موسیٰؑ کی تعلیم ان کے نزدیک صحیح نہیں تھی اور صحیح طریقہ وہ ہے جس پر یہ لوگ چل رہے ہیں۔ یہ آیات اللہ کی صریحی تکذیب ہے۔ سیاسی کاموں میں اس طرح نہیں ہوسکتا کہ ایک تحریک کی تائید کرنے والا ہے اور ایک اس کی مخالفت کرنے والا ہے۔ دونوں اس کے موید مان لیے جائیں تو یہ حقیقت میں اس اس تحریک کی تکذیب ہے۔ کام سے انکار کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں دینی کام میں سر جاتا نظر آتا ہے اس سے انکار کر دینا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

ان لوگوں کو ایک دفعہ صحیح بات سمجھا دی گئی ہے مگر اب وہ اس پر عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اس لیے اب ان کو نیا نبی دینا ضروری نہیں۔ نبی ایسی مُردہ جماعت کے سامنے آ کر کیا کرے گا؟

یہود کو چیلنج

اب یہود کو ان کی غلطی پر صاف الفاظ میں متنبہ کیا جاتا ہے۔

آیت نمبر6: قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶

ترجمہ۔ ’’کہہ دو اے لوگو جو یہودی ہو اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو، سوائے دوسرے لوگوں کے تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔‘‘

یعنی اگر یہود کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت موسیٰؑ کو ساری دنیا میں سے چن لیا، ایسے ہی موسیٰؑ کے متبع ہونے کی وجہ سے یہود دنیا کی ممتاز ترین قوم ہے اور کوئی قوم اس مقام پر نہیں پہنچتی، تو ان کا زعم صرف اسی صورت میں صحیح مانا جاسکتا ہے کہ

موسیٰؑ کی تعلیم کے پورے پورے پابند ہوں اور خدا سے موت مانگیں، یعنی جس میدان میں موت کا اندیشہ ہو وہاں آگے بڑھ کر اپنی تعلیمات کو پھیلائیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت مسیحؑ کے حواریوں سے بہتر مانتے ہیں۔ مگر وہ لوگ تو مسیح کی تعلیم اور تورات موت کے منہ میں جا کر بھی پہنچا آتے ہیں۔ اگر یہود سچے ہیں تو انہیں بھی اس طرح آگے بڑھ کر میدان میں جانا چاہیے۔

تمنائے موت کی تفسیر قرآن سے

تمنائے موت کی تفسیر خود قرآن نے کر دی ہے۔ ایک صحابی بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ کاش ہمیں بھی کفار سے لڑنے کا موقع ملتا' پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ دیکھتا کہ ہم کیا کرتے۔ اس کے بعد احد کی جنگ ہوئی وہ صحابی اس جنگ میں شامل تھے۔ مگر احد میں شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾ (آل عمران آیت نمبر 142 رکوع نمبر 14)

ترجمہ: ''اور تم موت سے پہلے اس کی ملاقات کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے اسے بھی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں تمنائے موت کے معنی ہیں، میدان جنگ میں جانے کے لیے آمادہ ہونا۔ دوسرے لفظوں میں قتل ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا۔ قرآن کا پروگرام ہو یا تورات، وہ ایک ہی چیز ہے۔ یورپ کی انقلابی جماعتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس میں موت سے نڈر ہونے کا مادہ نہ ہو وہ کسی معمولی انقلابی تحریک کو کامیابی سے نہیں چلا سکتا۔ قرآن حکیم یا تورات کے انقلاب کو کامیاب بنانا تو بہت بڑی چیز ہے۔

آیت نمبر7: وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ: ''وہ لوگ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے' بسبب ان عملوں کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

موت سے بھاگنے کا سبب

چونکہ یہ لوگ انسانیت کے درجہ سے گر چکے ہیں اس لیے یہ کبھی ایسے میدان میں نہیں اتریں گے جہاں انہیں موت کا خوف ہوگا۔ غلط طریقے پر زندگی تعمیر کرنا، اپنے شرعی پروگرام کی مخالفت کرتے ہوئے سامان زندگی جمع کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ جس کی ایک علمی جماعت مرتکب ہوسکتی ہے، اگر وہ ایسے موقعوں پر جانے لگیں تو جو سامان انہوں نے اکٹھا کر رکھا ہے اور جس کے بڑھانے میں وہ دن رات مگن ہیں وہ برباد ہو جائے گا۔ مگر انہیں سامان دنیا کی فراغت نصیب نہ ہوگی، جب تک وہ اپنے قانون کی حکومت قائم نہ کرلیں گے۔ لیکن وہ اس قانون کی حکومت قائم کرنے کے لیے قربانی دینے کو تیار نہیں، اس لیے ان کا اس پروگرام پر قبضہ جما کر بیٹھنا ظلم عظیم ہے۔

جملہ معترضہ

ہم نے اپنی بیرونی زندگی میں اپنے ہندوستانی نوجوانوں کا جو کالجوں میں تعلیم پا چکے تھے یا ہماری دینی درسگاہوں میں پڑھ چکے تھے، کافی تجربہ کیا ہے۔ ان میں موت کے منہ میں جانے کی ہمت کسی دوسری قوم کے نوجوانوں سے کم نہیں پائی گئی۔ ایک ایک آدمی کو تین تین دفعہ موت کے منہ میں بھیجا گیا۔ وہ خوشی خوشی گیا اور کامیاب واپس آیا۔ اگر ہم یہ چیزیں نہ دیکھ لیتے تو ہمیں کبھی یہ ہمت نہ ہوتی کہ ہم شاہ ولی اللہؒ کے پروگرام یا مولانا شیخ الہندؒ (محمود حسن) کے پروگرام کو زندہ کرنے کا نام لیتے۔ چونکہ ہمارے نوجوانوں میں یہ مرض سرایت نہیں کئے ہوئے، اس لیے ہم اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتے ہیں کہ اگر ہماری قوم میں دین کی پابندی کے ساتھ آج کے سائنٹفک انقلاب کا ڈھنگ پیدا ہو سکے تو ہم دنیا کی قوموں کی صف اول میں بیٹھ سکیں گے۔ اسے چاہے مرض سمجھو یا خوبی ہماری قوم دین کے پروگرام کے سوا کسی اور پروگرام پر اٹھے گی نہیں۔ یورپین ذہنیت کے لوگ اسے مرض ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے پاس ایک دینی انقلابی پروگرام موجود ہے اور وہ ایک ایسی جماعت کے ہاتھوں میں ہے جس کے تربیت دادہ نوجوان موت سے نہیں گھبراتے، اس لیے ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ان کو اس پروگرام سے پوری طرح واقف کر

دیا جائے تو وہ کسی دوسری قوم سے ہرگز پیچھے نہ رہیں گے۔

جو موت سے گھبراتے ہیں وہ پیچھے ہٹ جائیں

یہاں ہم یہ بات نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی مرشد نما بزرگ یا علمی شان رکھنے والا استاد، موت کے منہ میں جانے کے لیے آمادہ نہیں ہے تو اسے (ہماری) جماعت کی سرداری سے مستعفی ہو جانا چاہیے۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمود حسنؒ شیخ الہند ہمارے بزرگوں میں تیسرے طبقے کے آدمی ہیں' پہلے طبقے کے لوگ وہ تھے جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھی تھے' دوسرے طبقے کے وہ لوگ تھے جو حضرت مولانا گنگوہیؒ کی طرز کے تھے۔ مولانا شیخ الہند ان دونوں جماعتوں سے پیچھے کی جماعت کے فرد تھے۔ ہم نے ان کو موت سے اتنا بے خوف دیکھا ہے کہ ہم دنیا کے کسی انقلابی کو ان کے برابر نہیں مان سکتے۔ اس لیے ہماری طبیعت میں فخر ہے کہ ہمارا استاد دنیا کے سب انقلابیوں سے زیادہ موت سے بے خوف بزرگ تھا۔ جس جماعت کا رہنما ایسا ہو اور جس کے نوجوان افراد ایسے ہوں جیسے ہم نے دیکھے، وہ دنیا میں ناکام نہیں رہ سکتے۔ مگر شرط یہ ہے کہ موت سے ڈرنے والے آدمیوں کو جماعت کی لیڈرشپ سے قطعاً خارج کر دیا جائے۔

ہمارے استاد، جہاد کی ایک تحریک کے رہنما تھے، ہماری اس جماعت کے سب آدمی اس چیز کو جانتے ہیں حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ''ترجمان القرآن'' میں سورۂ برات کی آیت نمبر (49) کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے فلاں سن (1912ء) میں علماء کو دعوت جہاد دینی شروع کی تو سوائے مولانا محمود حسن کے اس تحریک کا کہیں سے جواب نہ ملا۔ یہ اتنی صاف بات ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی جو دوسری جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اسے جانتے ہیں۔ اسی طرح علی گڑھ کی جماعت کے لوگ بھی اسے جانتے ہیں۔

اب اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا شیخ الہند کی جماعت میں ایک طبقہ ان کی تحریک کی عملاً مخالفت کرتا ہے، کم سے کم ان کے عمل سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا شیخ

الہند کی تحریک غلط تھی وہ لوگ اپنے طریقہ کی تائید میں اتنے دلائل پیش کرتے ہیں کہ مولانا شیخ الہند کے طریقے کی تغلیط ہو جاتی ہے۔مگر وہ مولانا کے خلاف زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ ہم نے ایک مرتبہ اپنی جماعت کے لوگوں کو ایک مثال دے کر یہ بات سمجھائی کہ مولانا شیخ الہندؒ کو ماننے والی جماعت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی:

(1) ایک جماعت تو وہ ہے جو حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو صحیح مانتی ہے اور ان کے ساتھ شریک کار ہوگئی ہے۔

(2) دوسری جماعت وہ ہے کہ ان کے پروگرام کو صحیح تو مانتی ہے لیکن یہ لوگ کام نہ کر سکے اور اپنی کمزوری کا عذر پیش کرنے لگے اور اپنے آپ کو مجرم کے طور پر پیش کرنے لگے۔ یہ دونوں لوگ ایسے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان والی جماعت تھی۔

(3) تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے قول و فعل سے حضرت مولانا شیخ الہند کے پروگرام کو غلط ثابت کرتے ہیں اور مدعی ہیں کہ ہم مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد ہیں اور ان کے علوم کے حامل ہیں۔ یہ جماعت ایسی ہے جیسی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منافقین کی جماعت تھی۔

اب ہم کہتے ہیں کہ یا تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ مولانا شیخ الہندؒ جاہل اور مفسد تھے، انہوں نے مسلمانوں کو غلط راستے پر ڈال دیا اور ان کو بہت نقصان پہنچایا۔ اگر مولانا شیخ الہند کو حق پر مان لیا جائے تو ان کے اتباع میں سے جو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور فکراً ان کے خلاف تلقین کرتے ہیں' وہ ان کے مکذّب ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مولانا شیخ الہند کا مسلک بھی ٹھیک ہو اور ان کے خلاف دعوت دینے والی جماعت بھی راستی پر ہو۔ اس قسم کے لوگوں کو ضرور دیوبندی جماعت کی لیڈر شپ سے علیحدہ کر دیا جانا چاہیے۔ جب تک یہ منافقین پیدا کرنے والے لوگ ذمہ داری کے مناصب پر قابض رہیں گے، مخلصین آگے بڑھ کر کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ آج ہمارا بس نہیں چلتا کہ ہم ان کو جماعت سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں مگر جب ہمارا بس چلے گا ان کو ملک سے خارج کرنے' جیل میں قید کرنے یا موت کی سزا دینے سے کبھی گریز نہیں کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

آیت نمبر8: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۠ ⑧

ترجمہ: ''کہہ دو بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تو ضرور تمہیں ملنے والی ہے، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا، جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔''

موت سے مفر نہیں

موت سے ڈرنے والے لوگ موت سے بچ نہیں سکتے۔ وہ نہایت نامعقول فکر میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ جس قسم کی توقعات انہوں نے باندھ رکھی ہیں وہ مرنے سے پہلے کبھی پوری نہ ہوسکیں گی۔ بلکہ وہ حسرتیں لے کر ہی مرجائیں گے۔ اور پھر اتنے بڑے پروگرام کو برباد کرنے کی ذمہ داری کی جواب دہی کے لیے خدا کے سامنے حاضر ہوں گے۔ وہ ان کے تمام ظاہری کاموں اور ان کے دلوں کے خفیہ ارادوں کو بخوبی جانتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے درس عبرت

حاصل یہ ہے کہ قرآن عظیم نے اپنی تعلیم کے لیے دو نمونے پیش کیے۔ ایک قریش کا اور ایک آرین قوموں کا۔ یہ دونوں قرآن حکیم کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں اور اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے اور موت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ حضرت مسیحؑ کے حواریین کا نمونہ تھا جو قرآن حکیم نے معین کیا ہے۔

اس کے بعد دوسری جماعت یہود کی پیش کر دی گئی ہے جنہوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ کام کرنے والوں کو تنبیہہ کر دی گئی کہ ان کے نمونے کی پیروی نہ کریں اور ان سے کوئی مشابہت اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔ جس طرح نصاریٰ نے باوجود یہود کے ہاتھوں تکالیف اٹھانے کے ان کی اس نالائق حرکت میں موافقت نہیں کی، مسلمان بھی اس بری حرکت میں ان کی موافقت نہیں کریں گے۔ قرآن حکیم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کا نمونہ زندہ کر دیا، مگر وہ یہود کے طرزِ عمل سے بیزار ہے۔ یہود پر ایک دفعہ تو حضرت مسیحؑ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے لعنت پڑی اور دوسری مرتبہ وہ قرآن حکیم کی

مخالفت کی وجہ سے ملعون ہوئے۔ ان کی کبھی موافقت نہ کی جائے گی۔ انہوں نے طلب دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنا لیا ہے۔ چنانچہ آج سرمایہ داری کا مرکز یہ یہودی ہیں۔

برہمن ہندو اور یہود کی مماثلت

ہماری سمجھ میں ہندو برہمن یہودیوں کا پورا پورا نمونہ ہیں' اگر یورپ میں سرمایہ داری کی مصیبت یہودیوں نے پیدا کر رکھی ہے۔ تو ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان میں ایسے ہندو جو برہمنوں کے تابع ہیں (گاندھی جی ہوں یا مالوی جی) سرمایہ داری کی وہی مصیبتیں پیدا کریں گے جو یہود نے یورپ میں پیدا کیں۔ ہم ان لوگوں کے ساتھ مل کر کسی شکل میں کام کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر یہ ملکی خدمت میں کوئی اچھا کام کریں تو اس میں بھی ان کے ساتھ شرکت نہ کریں۔ یعنی ان سے قطعی طور پر مستغنی ہو جائیں۔ ہم نے ابھی یہ درجہ اپنے لیے پیدا نہیں کیا۔ بعض اوقات وہ اچھا کام کرتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے علیحدہ رہ کر اتنا اچھا کام نہیں کر سکتے تو ہم اس خاص حرکت میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کا سارا پروگرام مانتے ہیں یا ماننے کے لیے تیار ہیں۔

یہودیت سے بچنے کا طریق

آیت نمبر9: يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' تمہارے لیے یہی بات بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''

اب مسلمانوں کو ایسا طریقہ بتانا چاہیے کہ ان میں یہ یہودیت نہ آئے۔ اس میں شک نہیں کہ کسی زمانے میں یہود اچھی قوم تھے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ 2 نمبر 47)

ترجمہ: ''اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں' اور میں نے تمہیں جہان والوں پر فضیلت دی۔''

مگر ان میں بعد میں تنزل آ گیا۔ مسلمانوں کو ان باتوں سے متنبہ کر دینا چاہیے جن سے یہ تنزل پیدا ہوا تا کہ وہ ان باتوں سے بچے رہیں۔

آیت نمبر 9 میں اس امر کی توضیح شروع ہوتی ہے۔

جماعتی کام میں ایک دِقّت ہے۔ یا تو قرآن کی انقلابی تعلیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی تیاری ہوسکتی ہے یا روپیہ کمایا جاسکتا ہے۔ اگر اس قسم کا تعارض ایک وقت میں پیدا ہو جائے تو ہمیشہ روپیہ پیدا کرنے کے خیال کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اور اللہ کی بات سمجھنا اور قرآن حکیم کے احکام پر پابندی کی ہمت بڑھانا ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیے۔ یہ جذبہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک قرآن کی تعلیم حاصل کرنے میں سعی نہ کی جائے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اگر تمہیں انقلابی تحریکوں کی حقیقت اور ان کی کامیابی کے پروگرام کا موازنہ ہے تو تم کبھی مالی منفعت کو اس انقلابی فکر یا ہمت پر ترجیح نہیں دو گے۔

انقلاب میں کامیابی کی شرط

کسی جماعت میں انقلابی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ اس کے کارکنوں کا دماغ بلند ہو۔ وہ انقلابی معاملات کو آخر تک سوچ سکیں۔ ان کی ہمت اتنی بلند ہو کہ وہ اس راہ میں تمام مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کرسکیں۔ جب رہنمائے انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دیں یعنی اگلے ہفتے کا پروگرام دیں، تو وہ لوگ جو انقلاب کی حقیقت سمجھ چکے ہیں، اس اجتماع سے غیر حاضر نہیں ہو سکتے۔ وہ کسی مالی منفعت کے خیال سے اس جماعت کی حالت سے کوتاہی نہیں کر سکتے۔

آیت نمبر 10: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''پس جب نماز ادا ہو چکی ہو تو زمین پر چلو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

انقلاب اور جلبِ مال

اس میں شک نہیں کہ انقلابی ضروریات اور مالی ضروریاتِ شخصی کا تعارض پیش آئے تو انقلابی ضروریات کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ مگر مقصود یہ نہیں ہے کہ اکتساب مال کو کلیتًا ترک کر دیا جائے۔ بلکہ انقلابی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد اور پروگرام سیکھ چکنے کے بعد مالی منافع حاصل کرنے میں بھی پوری ہمت سے کام لو۔ مدعا صرف یہ ہے کہ حصول مال کو انقلابی کاموں پر ترجیح نہ دی جائے۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ یعنی جتنی مالی منفعت کی ضرورت ہے اس سے زیادہ اللہ سے طلب کرو۔ اس طرح تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے کی ہمت پیدا کرلو تا کہ علمی مجلس میں جو وقت صرف کیا ہے اس کی کسر بھی نکل جائے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ جب تم مالی معاملات میں مصروف ہوتے ہو اس وقت بھی اللہ کو نہ بھولو بلکہ اسے یاد رکھو۔ اللہ تمہیں اتنی سمجھ دے دے گا کہ تم اس کمی کو پورا کرلو۔

ایک محسوس مثال

اگلی آیت میں اس کلیہ قاعدے کو ایک محسوس مثال کے ذریعے سے عام فہم بنا دیا گیا ہے۔

آیت نمبر 11: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۝

ترجمہ: ''اور جب وہ لوگ تجارت یا تماشہ دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپؐ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ کہہ دو، جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔''

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نماز جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے ایک قافلہ آیا۔ لوگ خطبہ چھوڑ کر قافلے والوں سے ملنے چلے گئے تا کہ پہلے معاملہ کر کے زیادہ نفع حاصل

کر سکیں۔ اس قسم کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ جب انقلابی علمی کام ہو رہا ہو مالی معاملات اور کھیل کود سب مؤخر کر دینے لازم ہیں۔

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم سے جو طاقت جماعت میں پیدا ہوگی وہ تجارت اور لہو ولعب سے بدر جہا بہتر ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

انسان انقلابی عقل میں جتنی ترقی کرے گا اتنا ہی تجارت میں بھی زیادہ نفع کمانے کی قابلیت پیدا کرے گا۔

تجارتی پیچ بھی انقلابی تحریکات کے داؤ پیچ کی مانند ہیں۔ جن لوگوں کے دماغ انقلابی مسائل حل کر سکتے ہیں وہ اس دماغی قوت کو تجارتی کاموں کی طرف متوجہ کریں تو وہاں بھی مفید نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

اگلی سورة المنافقون سے ربط

موت سے بھاگنا اور اس منفعت کو انقلابی کاموں پر ترجیح دینا نفاق کا سبب بن جاتا ہے۔ جو شخص اس عادت میں مبتلا ہو جائے وہ پکا منافق ہے۔ چنانچہ اگلی سورت اسی ذہنی حالت پر تبصرہ کرتی ہے۔ اس لیے اس کا نام سورۂ منافقون ہے۔

تمت سورۃ الجمعہ نمبر (62)

(مرتب) بشیر احمد، گوجر خاں، راولپنڈی

مورخہ 03-11-43



قرآنی ضبطِ انقلاب

سورت المنافقون کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید سورت

سورۂ جمعہ کے ساتھ ربط

پچھلی سورت الجمعہ میں بے عمل لوگوں کے متعلق دو چیزیں بیان کی تھیں :

1- بے عمل لوگ علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرتے اور سستی برتتے ہیں' اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام الٰہی کی تعمیل (کی) صورت تو باقی رہتی ہے لیکن معنوی طور پر (احکامِ الٰہی کی روح) ختم ہو جاتی ہے۔

مثل الذین حملوا التورۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارًا

2- یہ لوگ احکام الٰہی کی تعمیل میں جان دینے سے جی چراتے ہیں۔

فتمنوا الموت ان کنتم صدقین

منافق کون ہے؟

جب کسی انسان کے تحت الشعور (Subconscious Mind) میں جان بچانے کا فکر بیٹھ جاتا ہے تو وہ احکام الٰہی سیکھنے سے طبعاً گریز کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اسے ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ ان احکام میں کہیں ایسی چیز کا ذکر نہ آ جائے جس پر مجھے جان دینی پڑے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جتنی دیر تک جہالت میں رہوں اچھا ہے۔ اس طرح کا مسلمان بظاہر ایک مسلم سوسائٹی کا ممبر بنا رہ سکتا ہے لیکن وہ صحیح معنوں میں اس سوسائٹی کے مرکز میں نہیں آ سکتا اور نہ بیدار مرکزی طاقت اس پر کبھی اعتماد کر سکتی ہے۔ کسی سیاسی جماعت میں جو شخص اس قسم کا ہو جب اس سے ایسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جو اس تحریک کو روکنے کا باعث بنتی ہیں تو وہ قتل (یعنی غیر مؤثر) کر دیا جاتا ہے۔

نفاق کا انجام کفر ہے

اس طرح کی زندگی بسر کرتے رہنے سے ضرور کوئی نہ کوئی وقت آ جاتا ہے کہ ایسا شخص اس تحریک کے روکنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ دینی تحریک سے روکنے والے کا نام کافر ہے۔ منافق اصل میں انقلابی تحریک کو روکنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس لیے وہ اسے آگے بڑھانے والی تحریکات میں حصہ لینے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے۔ البتہ یہ بات کہ اس نے تحریک کو روکا اس پر اس وقت صادق آتی ہے جب وہ عملاً مخالفین تحریک میں شامل ہو جائے۔ بایں ہمہ وہ اخلاقاً ہر وقت ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ جب وہ مخالفین کی تحریک میں شامل ہو کر تحریک کو روکتا ہے تو کافر بن جاتا ہے۔ زمانہ حال کی بولی میں (Sleeping Partner) اور اخلاقی ہمدردی (Moral Sympathy) کے جو الفاظ رائج ہیں درحقیقت منافقانہ ذہنیت ہی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگرچہ اس حد تک نہ سہی جو کفر سے ملی ہوتی ہے۔ ایسا شخص عمرانیات کی اصطلاح میں (Value Deranged) کہلاتا ہے۔

منافق کے عدم اخراج کی مصلحت

منافق شخص ترقی کرنے والی سوسائٹی کا غیر فعال حصہ ہوتا ہے۔ اور کسی ترقی کرنے والے معاشرے میں غیر فعال حصہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ کوئی کام اسے سپرد کر کے یہ توقع رکھنا کہ وہ ذمہ داری کے ساتھ اسے پورا کرے گا غلط ہوتا ہے۔ لیکن اسے سوسائٹی سے علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چلتے چلتے اسے سمجھ آ جاتی ہے اور فعال بن جاتا ہے۔

جیسے کنواں کھودتے ہیں تو کسی جگہ سخت زمین آ جاتی ہے اور انسان مایوس ہو کر اسے چھوڑ بیٹھتا ہے۔ مگر زلزلے یا کسی اور مؤثر قوت کے بروئے کار آ جانے سے زمین پھٹ جاتی ہے اور پانی نکل آتا ہے۔ اس لیے ایسے انسان کو سوسائٹی سے کلیتہً خارج کرنا مصلحت قرار نہیں دیا گیا۔ اس مصلحت سے رسول اکرم ﷺ نے منافقین کو اپنی جماعت سے خارج نہیں کیا۔ گو وقت آنے پر منافقین اسلامی تحریک سے علیحدہ ہو گئے۔

منافق کی سزا موت

تاہم کوئی پارٹی صحیح طریق سے کام نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ منافقین کو الگ نہ کرے۔ اسے صحیح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے اندر کون کون سے منافقین ہیں۔ ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں ذمہ داری کا کام دیا جائے گا۔ لیکن اگر منافقین کی حرکات اس حد تک پہنچ جائیں کہ مرکزی جماعت انہیں قتل کرنا مفاد عامہ کے لیے ضروری سمجھے تو وہ یہ بھی کرسکتی ہے لیکن یہ بڑی ذمہ داری سے فیصلہ کرنے کی چیز ہے۔

قتل کی شرط

ہمارے خیال میں منافقین کو اس وقت قتل کرنا چاہیے جب وہ اعلانیہ طور پر تحریک کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس صورت میں ان کے قتل سے کوئی فساد برپا نہیں ہوتا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سوسائٹی میں انسان کی جان محفوظ و مامون نہیں ہے۔ ہر شخص کو یقین ہونا چاہیے کہ جب تک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے اس کا جان و مال محفوظ ہے۔ مگر یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ منافقین اور کارکن لوگ ایک ہی صف میں بیٹھا دیئے جائیں۔

دوسری سزا

ضرورت کے وقت ایسے آدمیوں کا پردہ فاش بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ کام کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں۔

ڈسپلن کمیٹی

ہم نے یورپ میں پارٹیوں کا جو نظام دیکھا ہے اس میں خاص چیز یہ ہے کہ پارٹی میں ضبط (Discipline) قائم رکھنے کے لیے ایک علیحدہ کمیٹی ہوتی ہے۔ اسے ڈسپلن کمیٹی (Discipline Committee) کہتے ہیں۔ اس کمیٹی کا فیصلہ آخری ہوتا ہے' اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوسکتی۔ نہ کوئی اسے منسوخ کرسکتا ہے۔ یہ کمیٹی ہر رکن کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔ اس کے جاسوس ہر رکن پر ہر وقت مسلط رہتے ہیں کہ وہ

کس سے ملتا ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ کیا فکر رکھتا ہے؟ بعض اوقات اس کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اسے سوسائٹی میں نہیں رکھنا چاہیے۔ اس وقت اسے قتل ہی کر دیا جاتا ہے۔ اس فیصلے کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ انقلاب میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں جو انقلابات ہو چکے ہیں ان میں ایسا ہی کیا جا چکا ہے۔

اس سورت کا موضوع

یہ سورت حقیقت میں اس جماعت منافقین کی ذہنیت کی توضیح کرتی ہے جو مذہبی حلقے میں پائی جاتی ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں یہ علمی جماعت ہے۔ تورات کی حامل ہے مگر موت سے بھاگتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جو سوسائٹی پیدا کریں گے وہ اسی قسم کے ممبروں پر مشتمل ہوگی۔ ایک آدمی کتاب الٰہی کو تو مانتا ہے مگر اس کے حکم سے جان دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی صحبت سے جو سوسائٹی پیدا ہوگی وہ منافقوں کی سوسائٹی ہی ہوسکتی ہے۔

اگر ایک عالم اس قسم کی تحریک جاری کرے جس سے بنی آدم کا ایک اچھا خاصہ حصہ منافق بن جائے تو ان سب کا وبال اس ایک کی گردن پر ہوگا۔ اس قسم کے عالم بالتورات یا عالم بالقرآن منافق سے ایک سلیم الطبع ان پڑھ آدمی بدر جہا بہتر ہے۔ وہ جاہل تو ہوسکتا ہے لیکن منافق نہیں بن سکتا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کسی سبب، صحیح بات نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ اعلانیہ منکر بھی ہو جائے تو یہ بھی ہوسکتا ہے، مگر اس سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ ایک تعلیم کو اعلانیہ تو مانتا رہے مگر اس کا قلب یقین سے یکسر خالی ہو۔ یہ سلامت طبع کے خلاف ہے۔

جملہ معترضہ!

مثال کے طور پر ایک بڑا مقصد ہے اس کے حاصل کرنے کے مختلف طریق ہوسکتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک جماعت ایک اصول کار اختیار کر لیتی ہے۔ وہ ایک پارٹی کہلائے گی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے دوسری جماعت دوسرا طریق اختیار کرتی ہے۔ یہ دوسری پارٹی بن جائے گی۔ ایک طرح سوچنے والے لوگ دوسری طرح سوچنے والی پارٹی میں شامل نہیں ہوسکتے، وہ بالمقابل پارٹی بنائیں گے۔ بعض اوقات

ایسا ہوتا ہے کہ دو مختلف اصول کار رکھنے والی پارٹیاں مخلوط ہو جاتی ہیں۔ اس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک پارٹی لڑنے کو جائز سمجھتی ہے اور دوسری لڑنے کو ناجائز سمجھتی ہے' گو دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی ملک کے لیے آزادی حاصل کرنا۔ اگر یہ دونوں پارٹیاں مخلوط ہو جائیں تو اس کے کام میں جمود (Deadlock) پیدا ہو جائے گا۔

ایسے ہی ایک پارٹی ہے جو ایک ایک شخص کا مخالف طاقت سے لڑنا جائز سمجھتی ہے۔ یہ انقلابی جماعت ہے دوسری پارٹی وہ ہے جو ایک بڑے مسلمان بادشاہ اور بڑی فوج کے بغیر مخالف غیر مسلم طاقت (یعنی انقلاب دشمن) سے لڑنا جائز نہیں سمجھتی۔ اگر یہ دونوں مل کر کام کرنے لگیں تو دونوں نکمی ہو جائیں گی۔ اس لیے ان کو دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے۔ یہ نہایت کارآمد اصول کار ہے جو یورپ کی انقلابی پارٹیوں کے تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے ہم مختلف الاصول جماعتوں کے مل کر کام کرنے کے قائل نہیں رہے۔ پارٹی پالیٹکس کا اصول اولین یہ ہے کہ ہم فکر لوگ ہی جمع ہو کر پارٹی بنائیں اور ایک متحدہ پروگرام پر کام کریں۔(1)

---

(1) جملہ معترضہ

(منجانب مرتب) حضرت مولانا سندھیؒ لاہور سے ایک عالم کو اپنے ساتھ گوٹھ پیر جھنڈہ (سندھ) لے گئے۔ وہ ان کی درسگاہ میں پڑھانے لگ گیا۔ ایک روز اس عالم نے مولاناؒ سے بڑے زور سے کہا کہ میں فلاں روز لاہور جا رہا ہوں۔ میرے لیے تین سو روپے کا بندوبست ہو جانا چاہیے۔ مولاناؒ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ جس روز کا ان عالم صاحب نے نوٹس دیا تھا اس سے ایک روز پہلے وہ پھر روپے لینے کے لیے پیچھے پڑ گئے۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ عالم آگے بڑھے کہ وہیں مولانا سے پھر تقاضا کریں لیکن مولاناؒ نوافل پڑھنے کے لیے نیت باندھ چکے تھے۔ عالم صاحب کو مایوس ہو کر بیٹھ جانا پڑا لیکن وہ تلملاتے رہے۔ مولاناؒ نے ابھی دو نفل پڑھ کر سلام پھیرا ہی تھا کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور روپوں کی ایک تھیلی مولاناؒ کے سامنے پیش کی۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ یہاں رکھ دو، وہ رکھ کر چلا گیا۔ پھر مولاناؒ نے اس عالم کو اشارہ کیا کہ ان روپوں میں سے لے لو۔ انہوں نے اپنے مطالبے کے تین سو روپے گن کر لے لیے اور باقی روپے جو تعداد میں کئی سو تھے، تھیلی ہی میں رہنے دیئے۔ مولاناؒ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات آئے کہ پلے ایک پیسہ بھی نہیں لیکن ہزاروں کی ضرورتیں فضل الٰہی سے پوری ہوتی رہیں اور آپ برابر انقلابی کام میں لگے رہے۔

ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی زندگی بھی توکل علی اللہ کی بے شمار مثالوں سے پر ہے۔

سورۃ المنافقون (63)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ
لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ
اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ
كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى
الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِىَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ
وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورت المنافقون

آیت نمبر 1: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔''

منافقین کی منافقت

منافق کہتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا یہ کہنا صحیح ہے۔ اس لیے کہ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں مگر ان کا آپ کو رسول کہنا محض زبانی ہے۔ وہ دل سے مان کر رسول اللہ نہیں کہتے، ویسے ہی کہتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہ کو رسول اللہ بھی کہتے رہیں گے اور اس کے کام میں رکاوٹیں بھی ڈالتے رہیں گے۔ اس لیے ان کا یہ زبانی دعویٰ جھوٹا ہے۔

آیت نمبر 2: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ: '' ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ سو یہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک وہ کام بہت برے ہیں جو یہ کرتے ہیں۔''

اگر ان سے کہا جائے کہ تم رسول اللہ کو رسول اللہ نہیں مانتے ہو تو وہ قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کو مانتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی پر اصرار کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی ان سے روکتے ہیں۔ اب (محض) زبانی قسمیں کھا کھا کر کہنا کہ ہم رسولؐ کو مانتے ہیں نہایت برا کام ہے۔ اس طرح کی سوسائٹی پیدا کرنا جرم ہے۔

قرآن حکیم وہ پہلی کتاب ہے جس نے علم کی غایت اصلی عمل کو قرار دیا ہے۔ علم اگر معاشرے کی ترکیب میں داخل ہے تو معاشرہ بغیر افراد کے عمل کے حقیقی صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ قرآنی عمرانیات علم کی عظمت علم و عمل کے امتزاج سے ظاہر ہوتی ہے۔ معاشرے اور علم کی مناسبت سے عمل کو جو اہم مقام حاصل ہے وہ آج کی عمرانیات کا اہم مسئلہ ہے۔ چنانچہ دور جدید کا مشہور ماہر عمرانیات (Talcaot Parsons) معاشرے کے وجود اور ارتقاء کے لیے عمل پر بہت زور دیتا ہے لیکن قرآن حکیم نے علم و عمل کے لزوم کو انسانی زندگی کے لیے جس قدر ضروری قرار دیا ہے وہ ٹالکوٹ پارسنز کی ضخیم کتابوں سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔ صحیح علم پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام کا ارادہ پیدا ہو جائے۔ جب صحیح علم کے ساتھ ارادہ کی نفی لے لی جائے اور کام کا ارادہ پیدا نہ ہو تو اسے پڑھنے کا کیا فائدہ۔ فرض کرو کہ ہم ایک کتاب اس شرط کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں کریں گے۔ اس کتاب کے پڑھنے کی فضیلت کی سند تو مل جائے گی اور پڑھا بھی سکیں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس قسم کا کام انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے۔

منافقت کا سبب

آیت نمبر3: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٣

ترجمہ: ''ہم اس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے لہٰذا ان کے دلوں پر مہر کردی گئی' اب یہ لوگ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں۔''

ان کی یہ ذہنی حالت کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے تو ارادہ کرتے ہیں کہ ہم یہ کتاب پڑھتے ہیں تا کہ اس پر عمل کریں۔ پھر مشکل چیز آ جاتی ہے یعنی جان دینی پڑتی ہے، اس وقت جان چرا جاتے ہیں۔ پھر ان کے دلوں میں اس غلطی کی ندامت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ان کا دوبارہ ایمان لانا ہے پھر دوسری دفعہ جان دینے کا موقعہ آتا ہے تو پھر جان چرا جاتے ہیں۔اس طرح بار بار کرتے رہنے سے جان چرانے کی عادت پختہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ عمل نہ کرنے پر پختہ ہوجاتے ہیں' پھر ان کے دلوں سے یہ احساس ہی جاتا رہتا ہے کہ قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

یہ نصوص و آیات حضور رسالت مآب ﷺ کے دور کے بے عمل اور منافق افراد کی حد تک محدود نہیں، بلکہ دورِ جدید کے اصول عمرانیات کے مطابق بھی یہ آیتیں اُن لوگوں کی ذہنیت کی ترجمانی کرتی ہیں جو اسلام کو موجودہ سائنٹفک تہذیب کے مقابلے میں بے اثر' ناقابل عمل اور ختم شدہ قوت (Spent up force) سمجھتے ہیں۔

دلوں پر مہر لگ جانے کا مطلب

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (پس ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی)

اب ان کے دلوں میں عمل کرنے کا ارادہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ مطلب ہے دلوں پر مہر لگ جانے کا۔

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (پس وہ سمجھتے نہیں)

آخر میں یہ احساس بھی پیدا نہیں ہوتا کہ علم کا عمل کے ساتھ کچھ تعلق ہے لیکن ان کی عقلی قوتیں تندرست ہوتی ہیں۔

آیت نمبر4: وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴

ترجمہ: ''اے پیغمبر جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری جسم آپ کو خوش نما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتوں کو دلچسپ ہونے کی وجہ سے

کان لگا کر سنیں۔ گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو کسی دیوار کے سہارے لگا دی گئی ہیں۔ وہ ہر بلند آواز کو اپنے ہی خلاف خطرہ سمجھتے ہیں۔ یہی لوگ دشمن ہیں۔ آپ ان سے بچتے رہیے۔ خدا ان کو ہلاک کرے، یہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں۔''

منافقین کی ظاہری حالت

(الف) وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ

اگر ان کی صورتیں دیکھو تو بھلے آدمیوں کی سی نظر آئیں گی۔

(ب) وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ

اگر وہ باتیں کریں تو سننے کو خواہ مخواہ جی چاہتا ہے۔ تقریر خوب کر سکتے ہیں اور ایسی لچھے دار باتیں کرتے ہیں کہ سننے والا چاہے کہ سنتا ہی رہے۔

منافقین کی حقیقت

(ج) كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ

لیکن حقیقت میں خشک لکڑیاں ہیں جنہیں گویا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ سرسبز نہیں ہیں کہ آپ ہی کھڑی رہیں۔ وہ گویا لکڑی کی خوبصورت پتیاں ہیں جن میں عمل کی طاقت نہیں ہے۔

(د) يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ

بلند آواز سے زور سے بات کی جائے تو اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ اسے اپنے لیے مضر سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آہستہ بات کی جائے آہستہ اس لیے کہ کوئی سلیم الفطرت انسان سن کر عمل نہ کرنے لگ جائے جس سے انقلابی پارٹی پیدا ہوتی ہے اس لیے وہ آپس ہی میں سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس تحریک کو عوام میں لانا مضر سمجھتے ہیں۔

هُمُ الْعَدُوُّ (وہ دشمن ہیں)

تحریک کے اصل دشمن یہی ہیں۔ اس لیے کہ یہ تحریک کی عام دعوت کو روکتے ہیں۔

فَاحْذَرْهُمْ

ان سے ہمیشہ بچتے رہو اور تحریک کے مرکز کے قریب نہ آنے دو۔

منافقین کو قتل نہ کیا جائے

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ

اللہ انہیں ہلاک کرے گا کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ یہ خود بخود مر جائیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کو عمداً ہلاک کرنے سے فساد پیدا ہوسکتا ہے اور خدا ہی انہیں سمیٹ لے تو اچھا رہتا ہے۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

کیسے پھرے جاتے ہیں۔ انہیں سمجھایا جائے تو بات سمجھ جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی پھر جانے کا ڈھنگ نکال لیتے ہیں۔ اعتراض بھی نہیں کرسکتے مگر کام بھی نہیں کرتے۔ یہ بھی ثابت نہیں ہونے دیتے کہ یہ دین سے پھر گئے ہیں۔ یہ ان کی عقلمندی ہے کہ پھرے ہوئے ہونے کے باوجود پھرا ہوا ہونا ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

آیت نمبر5: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝۵

ترجمہ: ”اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے بخشش طلب کرے تو یہ لوگ اپنے سروں کو پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ متکبرانہ انداز کے ساتھ بے رخی برتتے ہیں۔“

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ان کی غلطیاں معمولی نہیں۔ ویسی نہیں۔ جیسی ایک سلیم الفطرت انسان سے کبھی کبھار ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کے انسان کو اس کی غلطی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اسے تسلیم کر لیتا ہے۔ مگر انہیں متوجہ کیا جاتا ہے تو یہ غلطی کے ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ تم سے اتفاق سے غلطی ہوگئی۔ آؤ رسول اللہ ﷺ کے سامنے

جا کر اقرار کرلو وہ اللہ سے تمہارے لیے دعا کریں گے۔

لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ

وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتے اور سر پھیر لیتے ہیں۔

يَصُدُّوۡنَ وَهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ

وہ کہتے ہیں کہ ہم کیسے اعتراف قصور کریں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس طرح ان کی توہین ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کو روکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اعتراف نہ کریں۔

آیت نمبر6: سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝6

ترجمہ: ”اے پیغمبر ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔“

منافقت روکنے کی انسانی تدبیر

رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی میں احکام الٰہی کی نافرمانی کا مرض عام طور پر نہ پھیلے۔ اس لیے ان خطا کاروں سے کہا جاتا ہے کہ تم سے غلطی بھولے سے ہوئی ہے۔ آؤ ہم تمہارے لیے مغفرت طلب کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تمہاری یہ شفقت ان منافقین کے لیے مفید نہیں ہوگی۔ تمہارا ان کے لیے مغفرت طلب کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ

اس قسم کے قصداً بدکاری کرنے والے لوگوں کو جو قانون شکنی کو عادت بنالیں ہدایت کا کوئی سامان نہیں دیا جاتا۔ انقلابی جماعت میں اس قسم کے منافقین کو راہ نہیں دی جاتی۔ ایسے لوگ ہوتے ہوتے رجعت پسند جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر7: هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

ترجمہ: ''یہ لوگ وہی تو ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتے ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو تا کہ وہ خود بخود منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانوں کے اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن یہ منافق اس کی بات ہی نہیں سمجھتے۔''

منافقین کا طریقۂ کار

منافقین کے افعال بتدریج انقلابی تحریک کی مخالفت پر ختم ہوتے ہیں۔ وہ انقلابی تحریک کی دو طرح مخالفت کرتے ہیں:

(1) انقلاب کی مالی امداد سے دست کشی

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا

وہ اس انقلابی تحریک کی مالی امداد بند کر کے اسے برباد کر دینا چاہتے ہیں وہ سازش کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور کام کرتے ہیں انہیں خرچ مت دیا کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں گے۔

وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ

حقیقت یہ ہے کہ ان منافقین کی شرارتوں سے انقلابی کارکن یعنی مسلمان بھاگیں گے نہیں، اور نہ دل تنگ ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں اور خزانے سے عطا فرما دے گا۔ صرف ان منافقین کے پاس ہی دولت نہیں ہے۔ اگر یہ اپنی مالی امداد بند کر دیں گے تو اللہ کسی اور کے دل میں ڈال دے گا، وہ ان کارکنوں کو کھانا دے گا۔ زمین آسمان کے سب خزانے اللہ کے ہیں۔ خدا جانے کس خزانے سے انہیں رزق پہنچ جائے گا۔ رزق نہ پہنچنے کی وجہ سے تو وہ منتشر نہیں ہوں گے۔

آیت نمبر 8: يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''نیز یہ منافق یوں کہتے ہیں اگر اب کے ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ہے لیکن یہ منافق اس بات کو نہیں جانتے۔''

(2) انقلابیوں کے اخراج کی سازش

ان کی دوسری کوشش یہ ہے کہ انہیں اس سرزمین سے ہی نکال دیں جو اب انقلاب کا مرکز بن گئی ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے کی طرف واپس گئے (یہ واقعہ سفر میں پیش آیا) تو ''عزت والے لوگ'' ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔

منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے آپ کو عزت والا سمجھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) ''ذلیل'' قرار دیتا ہے ان لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حقیقی عزت تو اللہ' رسول اور مومنین کے لیے ہے۔ مومنین کو عزت کہاں سے نصیب ہوگی؟ اس کا ان منافقین کو علم ہی نہیں۔

جب رئیس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کے بیٹے کو معلوم ہوا کہ اس کے باپ نے کہا ہے ''عزت والا'' ذلیل کو مدینے سے نکال دے گا۔ وہ اس قول کا مطلب سمجھتا ہے۔ اس نے مدینے میں اپنے باپ سے کہا ابا! اپنے آپ کو ذلیل کہہ، ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اللہ کی قدرت دیکھو عبداللہ بن ابی کو یہ لفظ کہنے ہی پڑے۔

اسی طرح احکام الٰہی کی تکمیل سے جان چرانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جان چرانے والا شخص اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ خود عمل نہیں کرتا بلکہ آخرکار وہ مخالفانہ قوت پیدا کر کے قرآنی انقلابی مرکز کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو روپے والا اور عزت والا مانتا ہے۔ اور اس زعم میں وہ حق کی مرکزی طاقت کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک پیش گوئی

ان آیتوں میں یہ سمجھا دیا کہ یہ لوگ اس کوشش میں ناکام رہیں گے اور قرآن کی طاقت کو توڑ نہیں سکیں گے۔ قرآن حکیم کی تحریک نہ روپے پیسے کی تنگی سے فیل ہوگی نہ اس کی مرکزی طاقت کو زمین سے مٹایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مدنی انقلابی تحریک کی کامیابی ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے۔ لیکن منافقین کا نام و نمود بھی نہ رہا۔

نفاق کا انسداد

اب ایسے اعمال بتائے جائیں گے کہ نفاق پیدا نہ ہو۔

آیت نمبر9: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر پائیں۔ اور جو ایسا کریں گے تو وہی لوگ سخت نقصان میں رہیں گے۔''

ذکر اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے (یعنی اس کی جامع تعلیمات)۔

قرآن کے علوم کے حصول کو مقدم کرو

قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے مال اور اولاد کے بکھیڑوں کی وجہ سے پیچھے نہ رہ جاؤ۔ ایمان حاصل کرنے کا صحیح طریق یہ نہیں ہے کہ پہلے اپنے بچوں کے لیے مال و زر جمع کرنے میں لگے رہو، فرصت ملی تو قرآن بھی پڑھ لیا۔ صحیح طریقہ عمل یہ ہے کہ اچھا وقت اور اچھی طاقت قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں صرف کی جائے۔ پھر جو وقت اور طاقت بچ رہے وہ بال بچوں کے جھگڑوں اور دولت کے بکھیڑوں میں صرف کی جائے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

جو شخص مال و دولت کے جھمیلوں کو ذکر اللہ (قرآنی تعلیمات) پر مقدم کرتا ہے وہ

دماغی قوت وغیرہ تو دولت کمانے میں صرف کر لیتا ہے۔ اور جب اعضاء وقویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں تو کہتا ہے لاؤ تھوڑا سا قرآن ہی پڑھ لیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ نقصان میں رہیں گے۔ انہیں حقیقی علم حاصل نہیں ہوگا۔ وہ بظاہر تو قرآن حکیم کے عالم ہوں گے لیکن ان میں طاقت عمل نہیں ہوگی۔

آیت نمبر10 : وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ: ’’اورہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خیرات کرو۔قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے۔ اور وہ آثار موت کو مشاہدہ کر کے یوں کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہیں دی تاکہ میں خوب خیرات کرتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا؟‘‘

مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوتو تاخیر نہ کرو

جس طرح ذکر اللہ کے سمجھنے میں تاخیر کرنے سے یہ نقصان پہنچتا ہے کہ صحیح معرفت دماغ میں نہیں بیٹھتی، اسی طرح مال و دولت جو اللہ کے لیے صرف کرنی ہو (یعنی دینی کام پر لگانی ہو) اسے فوراً دے ڈالنا چاہیے۔ اس میں تاخیر کرنے سے بعض اوقات برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے، مثلاً انسان مر جاتا ہے اور مرتے وقت یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش میں اپنی دولت کسی اچھے کام میں صرف کرتا۔ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اس لیے جو روپیہ اچھے کام میں صرف کرنا ہو اسے فوراً خرچ کر ڈالنا چاہیے تاکہ پھر یہ نہ کہنا پڑے کہ اگر میں زیادہ دن زندہ رہتا تو یوں کرتا، اور اللہ کے سامنے جا کر یہ بہانہ نہ بنائے کہ اگر مجھے مہلت ملتی تو یوں کرتا، کچھ دن زندہ رہتا تو نیک بنتا اور مال دیتا۔ اس وقت یہ سب بے سود ہوگا۔ اس لیے جو کچھ کرنا ہے اب کرلو۔

آیت نمبر11: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور جب کسی جاندار کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔''

ان کاموں میں جلدی کرو

کیا اللہ تعالیٰ اس مال و دولت کی خاطر اس قانون کو بدل دے جس کے مطابق اسے مارنا ہے؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ (لہٰذا) ان باتوں (ان فرائض کی ادائیگی) میں جلدی کرو!

جب انسان بنایا گیا اس وقت اس میں چند محدود قوتیں رکھی گئیں۔ یہ مختلف سلسلے ہیں جن کے ماتحت یہ قوتیں رکھی گئیں ہیں۔ اس حد بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کے مطابق وقت پر مرجاتا ہے۔ جو حد بندیاں لگائی گئی ہیں وہ ایک سلسلۂ عظیم کے ماتحت ہیں۔ تو کیا اس کم دل کے چار پیسوں کی خاطر وہ سارے سلسلۂ قانون کو بدل دے؟ یہ کبھی نہ ہوگا کہ قانون کے مطابق وقت آجائے تو اسے اور زندگی دی جائے۔ اللہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١١﴾

ایک استثناء

جو کچھ تم کرتے ہو اور جو تمہارے ارادے میں ہے، اللہ سب کی تہہ تک سے واقف ہے۔ اگر کسی شخص نے اللہ کے کام میں روپیہ دینے میں کسی صحیح ضرورت کی وجہ سے تاخیر کی ہے مگر اس نے دینے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا اور اتفاق سے وہ روپیہ دینے سے پہلے مرگیا تو اس کا یہ عمل ضائع نہ ہوگا البتہ بے ضرورت تاخیر کی پوچھ ہوگی۔

تمت سورۃ المنافقون (63)

بشیر احمد گوجر خاں' راولپنڈی

مورخہ 05-11-43



قرآنی اجتماعیتِ انقلاب

سورت التغابن کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

قرآنی اجتماعیت کا قومی اور بین الاقوامی غلبہ

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط

(جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا)

لِيَوْمِ الْجَمْعِ : بین الاقوامی مقابلہ کا دن۔ جو شخص اسلام کا غلبہ نیشنل درجے میں کفر پر ثابت نہیں کرنا چاہتا، وہ منافق ہے، یعنی جو شخص اسلام لاتا ہے لیکن اپنے قومی کفر پر اُسے غالب نہیں کرتا اور غالب کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتا یعنی وہ بات کو صحیح مانتا ہے، مگر اسے اپنی قوم کے کافر حصے پر غالب کرنے میں مالی اور جانی مدد نہیں کرتا وہ منافق ہے۔

(اس نفاق کا ذکر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقوں میں آ چکا ہے۔)

اس کے بعد کفر کا دوسرا درجہ بین الاقوامی درجہ ہے۔ قرآن کی تعلیم اصل میں اسی درجے کی ہے۔ قومی درجہ مبادی کا درجہ ہے۔ وہ اس بین الاقوامی درجے کی تکمیل کے لیے ہے۔ جو شخص قرآن کی تعلیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کی حکمت کو بھی جانتا ہے۔ مگر اسے بین الاقوامی درجے میں کفر پر غالب کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی سے گریز کرتا ہے۔ وہ بھی منافق ہے۔ اس سورت ''التغابن'' میں اس سے خطاب ہے۔ وہ دن جب ساری قوموں کے جمع ہونے والے دن کے لیے ان کے ساتھ جمع کیا جائے گا کہ بین الاقوامی کفر پر غالب ہونے کی کون کوشش کرتا رہا۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ التغابن (64)

(مدنی سورت)

تمہید سورت

پچھلی سورتوں کے ساتھ ربط

سورۂ جمعہ میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں کام واضح کردیئے گئے ہیں۔یعنی :

(1) قومی (2) بین الاقوامی

ان میں سے پہلے حصے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

اور دوسرے حصے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ

اس قسم کی تعلیم سے پہلے اہلِ کتاب تغافل برت چکے ہیں اور نہایت ذلت کی زندگی بسر کرنے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ان کو ذلت سے نکلنے کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ موت کی تمنا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے صحیح پروگرام کی عزت کے لیے مرنا ہی انسان کا شرف ہے۔ جس سے یہ اہلِ کتاب گر چکے ہیں۔

اس سے آگے بتایا گیا ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کے باعث یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب دینی و دنیوی کام جمع ہو جائیں تو دینی کام پر دنیاوی کام کو ترجیح دی جائے۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ کر دی گئی ہے کہ وہ ایسی حرکت نہ کریں، ورنہ وہ بھی اس عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے جس میں پہلی جماعتیں مبتلا ہو

چکی ہیں۔ اس کے باوجود اس جماعت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اس قسم کی غلطیاں کریں گے جو یہود کر چکے ہیں۔ چنانچہ جولوگ قومی کاموں میں اس قسم کی غلطیاں کریں گے ان کا ذکر سورۂ منافقون میں کیا گیا ہے اور جولوگ قرآن کے بین الاقوامی پروگرام میں ایسی غلطیاں کریں گے جو یہودیوں کی عادت تھی ان کی بحث سورۂ تغابن میں ہے۔

سورۂ تغابن کا مضمون

اس سورت میں بین الاقوامی معاملات پر بحث کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھو کہ قومیں غلطیاں کر کے کس طرح عذابوں میں مبتلا ہوئیں اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حیاتِ مابعد ممات (مرنے کے بعد کی زندگی) کو یہاں انسانی زندگی میں جس صورت میں سوچا جا سکتا ہے وہ اب بھی ویسے ہیں، جیسے پہلی قوموں کے لیے تھے، اورسورت کے آخر میں ان نتائج سے بچنے کی ترکیبیں بھی بتا دی گئی ہیں جو غلطیوں سے نکال سکتی ہیں۔

==========

سورة التغابن (64)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ
صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا
تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ
كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا
وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ
بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ
لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ
سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾
مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى
رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ
وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ
وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ
وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر1 : یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ①

ترجمہ : ''پاکی بول رہا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں اور جو کچھ ہے زمین میں اسی کا راج ہے اور اسی کو تعریف ہے۔ اور وہی ہر چیز کر سکتا ہے''

آسمان اور زمین میں جو چیزیں ہیں وہ سب کی سب اللہ کو قدوس! قدوس! کہہ کر پکار رہی ہیں۔ بادشاہی اس کی ہے۔ ان میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ اس کے سب کام حکمت اور نظام میں اتنے پختہ ہیں کہ جتنی نگاہ سے اسے دیکھے، اسی قدر زیادہ تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

بہارِ عالم حُسنش جہاں را تازہ مے دارد
بہ رنگ اربابِ صورت را کے بہ بُو اربابِ معنیٰ را

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ①

اس کی قدرت کائنات عظمیٰ کی ہر چیز پر قائم ہے۔ وہ حکمت کے کسی کام کو پورا کرنا چاہے تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی نظام اس میں رکاوٹ ڈال سکے۔ پس اس نظام کو حکمت کے ساتھ چلانے کی ذمہ داری اسی کی ذات اقدس کی طرف راجع ہوتی ہے۔ کوئی کارخانہ بذاتِ خود قابلِ تعریف نہیں ہے۔ اس کے قابلِ تعریف ہونے کا سبب یہی ہے کہ وہ خدائے قدوس کا بنایا ہوا ہے۔

آیت نمبر2 : ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّمِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایمان دار اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔''

کائنات میں جوڑوں کا وجود

اس کارخانے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی گئی جس کا جوڑا پیدا نہ کیا گیا ہو یعنی ہر ایک چیز کے بالمقابل اس کا توڑ کرنے والی چیز موجود ہے۔ ایسے نظام کو جس میں تمام چیزیں ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوئی ہوں۔ اعلیٰ طریق پر چلانا صرف اس قدرتِ قادر کا کام ہے جو ہر ایک کام کو اپنی جگہ پر رکھنے کا پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ لاریب ہر ایک چیز بذاتِ خود حسن و جمال کی مالک ہے مگر مجموعہ حسنِ نظام کو قائم رکھنا اس قدرتِ حق ہی کا کام ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ

کافر کی ضرورت

اگر اس حقیقت کو نظامِ انسانی میں لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے مقابلے میں کافر ضرور موجود ہے۔ اگر مومن کے مقابلے میں کافر نہ ہوتا تو مومن کے ایمان کی خوبی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ مثلاً رات کی تاریکی دیکھے بغیر دن کی روشنی کا ادراک ہو ہی نہیں سکتا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

مومن کو کافر کا مقابلہ کرنے میں جو مشقتیں پیش آتی ہیں انہی سے اس کی محبت الٰہی کی شدت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اس محبت میں جس قدر مصیبتیں برداشت کرتا ہے اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

جملۂ معترضہ

دن کی خوبی سمجھنے کے لیے رات کا آنا ضروری ہے مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رات کا اپنا ایک نظام ہے۔ اسی طرح نظام انسانی میں مومن کے ساتھ کافر کا موجود ہونا ضروری ہے۔ لیکن کافروں

کی پیدائش میں جو حکمتیں ہیں ان سے ہمارا واسطہ نہیں ہے۔ مثلاً ہم راستہ پر چلتے ہیں اور پتھر سے ٹھوکر لگتی ہے اور ہم پتھر سے بچ کر صاف راستہ تلاش کرتے ہیں۔ پتھر کی ٹھوکر نے ہمیں سیدھے راستے کی طرف متوجہ کر دیا۔ مگر کیا پتھر میں یہی ایک خوبی تھی؟ لیکن راہ روکو پتھر کی خوبیوں پر غور کرنے کے لیے کوئی وقت یا موقعہ نہیں ہے۔ انبیاء کی تعلیمات کا مقصد فقط انسانیت کی تکمیل ہے۔ انسانیت سے باہر چیزوں پر بحث کرنا ان کی تعلیمات سے خارج ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں اللہ نے انسان کے سوا اور کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی۔ اس نے یقیناً اور اشیاء بھی پیدا کی ہیں اور ان میں حکمتیں بھی ہیں۔ مگر چونکہ انسانیت کو ان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے ہم اس سے بحث نہیں کرتے۔

کافر کا انسانیت سے تعلق

جو انسان کافر پیدا ہوا اس کا ایک تعلق انسانیت سے یہ ہے کہ وہ مومن کے راستے میں رکاوٹ ہے جسے مومن کو اپنی عقل اور ہمت سے دور کرنا چاہیے۔(1) اس سے اس کی قوت ایمانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اتنی چیز سے تو شرائع الٰہیہ کو براہِ راست تعلق ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے درجے پر یہ چیز بھی شریعت کی ذیل میں آتی ہے کہ ایک کامل الایمان مومن ایک کافر کو مومن بنانے میں کتنی کوشش صرف کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ انسانیت کا فرد ہے اور اسے خدا کی طرف توجہ دلانا مومن کا طبعی فرض ہے۔ پس شریعت میں دو حیثیتوں سے بحث کی جاتی ہے:

مومن کے دو کام

(1) مومن کے لیے رکاوٹ ہے، وہ اسے دور کر کے اپنا راستہ صاف کرتا ہے۔

(2) کافر کی انسانیت مدّھم ہے اور مومن اسے روشن بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

ان کے ماسوا کافر کے وجود میں جو حکمت ہوگی اس سے بحث کرنا شرائع الٰہیّہ

---

(1) اقبال نے بھی کہا ہے۔

راست می گویم عدوھم یارِ تست
رونقِ ہنگامۂ بازارِ تست (اسرارِ خودی)

کے حلقے سے خارج ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے وجود میں اور کوئی حکمت ہے ہی نہیں۔

کفر دنیا میں ضرور رہے گا

حکمتِ ولی اللہی میں یہ چیز اصولِ موضوعہ کے درجے پر طے شدہ ہے کہ یہ ساری کائنات علم الٰہی میں معین شکل میں ہمیشہ موجود ہے۔ اس میں نہ کبھی تغیر ہوسکتا ہے، نہ تبدیل آسکتی ہے۔ اس علم الٰہی کے مطابق ''وجود'' کے مختلف مراتب (مواطن) میں اس علمِ الٰہی کا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ کہیں زیادہ روشن، کہیں مدھم، کہیں اس سے بھی کم۔ کائنات کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ بھی مکمل اور مدلل ہے کہ اس میں تقدیر کا مسئلہ خودبخود حل ہوجاتا ہے۔(1) مثلاً ایک چیز کا وجود کے مواطن اعلیٰ میں بیج ہو تو نیچے کے درجے میں آکر درخت بن جاتی ہے۔ نچلے درجے میں انسانی قدرت واختیار کو بھی دخل ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے شاہ صاحب کے فلسفے کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس حکمت کے مطابق تقدیر اور انسانی اختیار دو متناقض چیزیں نہیں ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ بھی اسے اس طرح بیان کرتے ہیں گویا اس جماعت کا یہ مسلّمہ مسئلہ ہے۔(2)

اس حکمت کے مطابق یہ بھی طے شدہ چیز ہے کہ انسانیت میں کفر رہے گا۔ انسانیت کا تصور کفر کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ انسانی سوسائٹی کا کمال یہ ہے کہ ایمانی قوت کفر پہ غالب رہے۔ یہ نہیں کہ کفر کو فنا کردے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ انسان کے بدن کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا سر ہمیشہ اونچا رہے یہ نہیں کہ سارا بدن ہی سر بن جائے اور پاؤں ہوں ہی نہیں۔

آیت نمبر3: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

ترجمہ: ''بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت اور اس کی طرف سب کو پھر جانا ہے۔''

(1) دیکھیے حجۃ اللہ البالغہ، باب انشقاق التکلیف من التقدیر۔

(2) دیکھیے ''تقریر دل پذیر۔'' از مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (آزاد)

تحلیلی اور ترکیبی نقطۂ نظر

اس نے آسمان و زمین کو ایک صحیح پائیدار تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آسمان و زمین میں جو قوتیں کام کرتی ہیں وہ مل کر ایسا کام کرتی ہیں کہ جو شخص ان کو وحدت کی حیثیت میں دیکھے وہ حیران رہ جائے گا۔ اگر تحلیلی (Microscopic) نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کوئی اچھی ہوگی کوئی بری، مگر مرکب (Macrocopic) میں سے ایک چیز بھی کم کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ ایسی جمیل صورت ہے کہ اس سے بہتر عقل میں آ ہی نہیں سکتی۔

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اس کے بعد انسانیت آتی ہے۔ جس کی کائنات ہی الگ ہے۔ اس پر غور کیا جائے تو انسانیت میں کل کائنات کا چھوٹا سا نمونہ ملے گا۔ سب انسانوں کو ملا کر ایک وحدت پیدا کی جائے تو وہ بجائے خود ایک بے نظیر چیز بن جائے گی۔ افراد کی شکل میں کمی بیشی نکلے تو نکلے مگر مجموعہ افراد کی صورت میں انسانیت کی شکل خوش ترین نظر آئے گی۔

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ

یہ سب چیزیں جس وجود سے نکلی ہیں، اس میں واپس جائیں گی۔

آیت نمبر 4: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

ترجمہ: ''جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو کھول کر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے جیوں (دلوں) کی بات۔''

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

انسان کی وحدت

آسمان اور زمین کے مجموعے سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اسے خدا خوب جانتا ہے اور آسمان اور زمین کے اجزأ سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اسی طرح انسانیت کے

مجموعے سے جو وحدت (Unit) پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ظاہر اور باطن دونوں سے واقف ہے۔ اور ان میں جو چیزیں ابھی ظاہر نہیں ہوئیں اور ہوں گی ان کو بھی جانتا ہے۔

کوئی چیز علم الٰہی کے بالمقابل (In Opposition to) پیدا نہیں ہوسکتی جو چیزیں اس کے علم میں ہیں وہی پیدا ہوتی ہیں اور جو پیدا ہوتی ہیں وہی اس کے علم میں ہوتی ہیں۔ تنزلات میں بھی وہ اس کے خلاف نہیں ہوسکتیں۔

مَاتُسِرُّوْنَ : انسانیت کے کمالاتِ مخفی

وَمَاتُعْلِنُوْنَ : انسانیت کے کمالاتِ ظاہری

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ : آئندہ ارادۂ الٰہی میں ہونے والی چیزیں وہ ابھی صادر نہیں ہوئیں۔

آیت نمبر 5 : اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ترجمہ: ''کیا پہنچی نہیں تم کو خبر (احوال) ان لوگوں کی جو منکر ہو چکے ہیں پہلے، پھر انہوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور ان کو عذاب دردناک ہے۔''

کفر کے متعلق قرآن کا نظریہ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انسانیت میں کفر ہمیشہ رہے گا اور یہ بھی مسلّم ہے کہ انسانیت مختلف صنفوں میں بٹے گی اور قومیں بنیں گی۔ اب قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ ایمان کو بین الاقوامی درجے پر کفر پر غالب کیا جائے۔ تمام قوموں کا کفر ایک طرف رکھ دو اور تمام قوموں کا ایمان ایک جگہ کرلو، پھر وہ ایمان مرکز میں متحد ہو کر کفر پر غالب آجائے۔ یہ وہ نظام ہے جس کی قرآن حکیم تلقین کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کفر کو اپنی حکمت میں سے خارج کر دے اور اس کا وجود ہی تسلیم نہ کرے تو اس کا دماغ قرآن حکیم کی حکمت کو اخذ نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے یہ تخیل پیدا کیا ہے کہ مہدی آئے گا۔ تو اسلام ہی اسلام ہو جائے گا وہ سراسر نادان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن انسانیت ایک سطح پر آجائے گی اس وقت وہ فنا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم جرم کرنا چھوڑ دو گے تو خدا تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو جرم کرے گی۔ (رواہ الترمذی، حدیث نمبر 3539)

جس طرح قیامت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس وقت آئے گی جب انسانیت جرم کے درجے میں ایک سطح پر آجائے گی۔ اس طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ اگر سارے نیک ہو جائیں تو بھی انسانیت ختم کر دی جائے گی۔

بین الاقوامی کفر

قوموں میں کفر کیا ہے؟ یعنی کفر مشترک کیا ہے؟ چھوٹے چھوٹے کفر جو جزئیات سے تعلق رکھتے ہیں قومیں ان پر جمع نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ کفر میں بھی ایک مرکزی خیال ہوگا جس پر جملہ اقوام جمع ہوں گی۔

بین الاقوامی کفر کے دو اصول

کفر کی مرکزی چیزیں دو ہیں:

(1) انسان کی موت کے بعد زندگی سے انکار۔

(2) اس بات پر اتفاق کہ انسان کو کوئی انسان خدا کی بات نہیں بتا سکتا۔

رسالت کا انکار کیا ہے؟

یہ آخرالذکر گویا رسالت کا انکار ہے۔ ایک مقدس انسان کے لیے یہ درجہ نہ ماننا کہ یہ مقدس انسان جو کچھ کہہ رہا ہے وہ خدا کا حکم دے رہا ہے۔ یہ رسالت کا انکار ہے۔ اگر یہ درجہ تو مان لیا جائے مگر اسے رسول کا نام نہ دیا جائے تو یہ قومی کفر نہیں ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے پہلے کی قومیں لفظِ رسول استعمال نہیں کرتیں اس لیے لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ پہلے کوئی رسول ہی نہیں آیا۔

جب یہ چیز مان لی جائے گی کہ یہ شخص سچا ہے۔ یہ کوئی بات اپنی نفسانیت سے نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے کہ یہ خدا کی بات ہے تو اس کی زبان سے خدا کا حکم ٹپک رہا ہے۔ جب ابر سے پانی۔ اس قسم کی بات کو مان لینا رسالت کو تسلیم کرنا ہے اور اس طرح کی چیز نہ ماننا رسالت کا کفر ہے۔

رسول کا منصب

رسول آتا ہے تو وہ لوگوں کو موت کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونے کے متعلق صحیح معلومات دیتا ہے اوراس پر اس زندگی کو ڈھالنے کا پروگرام دیتا ہے تاکہ انسان اس امتحان میں کامیاب ہو جائے۔

جو کافر پہلے گزرے ہیں، کیا تم نے ان کی تاریخ نہیں پڑھی؟ وہ ہلاک کر دیئے گئے اور دوسری زندگی میں بھی وہ بڑے دردناک عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں۔

آیت نمبر6 : ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھائیں گے پھر منکر ہوئے اور منہ موڑ لیا اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا۔''

رسول کیا لاتا ہے؟

بیّنة : ایسا صحیح حکم کہ انسان کی عقل بغیر کسی حجت کے مان لے، اسے عربی میں بیّنہ کہتے ہیں یعنی عقل انسانی رسول کی تعلیم ماننے کے لیے مجبور ہو جاتی ہے۔ رسول جو تعلیم پیش کرتے ہیں ایسی ہوتی ہے کہ سلیم الفطرت انسان کی عقل اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

وہ اس بین الاقوامی کفر میں کیوں مبتلا ہوئے؟ ان کے پاس رسول صاف طور پر ----بینات---- لے کر آئے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیتے تھے اس کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ:

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا

انکارِ رسالت کا سبب

وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایک انسان کو اپنے اوپر اتنا بزرگ مان لیں؟ ہمیں براہِ راست حکم کیوں نہیں ملتا؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک انسان کے دل میں اپنے الہام کا

ایک منبع رکھا ہوا ہے جو اس کی استعداد کے مطابق اسے سیدھا الہام دیتا ہے۔ یعنی اچھا فکر خود بخود اس کے دل میں آ جاتا ہے۔ مگر ایک جماعت کے کام کے لیے جو پروگرام چاہیے، وہ ایسا ''حجرِ بحت'' (1) نہیں لے سکتا اس کے لیے کوئی بہت ہی بڑا دل چاہیے۔ وہ جو کچھ دیتا ہے۔ وہ ایسی چیز ہوتی ہے جسے ہر فرد جماعت قبول کر لیتا ہے۔

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ

انہوں نے نبی کے لائے ہوئے لائحۂ حیات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور الٹے پھرنے لگے اور خدا ان سے بے پروا ہوگیا۔ اس لیے کہ ان کی سمجھ کے مطابق ان کو ہدایت دے دی گئی تھی۔ اب اگر وہ نہیں مانتے تو خدا ان کی ہدایت کے لیے نیا سررشتہ قائم نہیں کرے گا۔

وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ

خدا منکروں کی مرضی کے مطابق ہدایت نہیں دیتا

یہ اس کی شان کے منافی نہیں ہے کہ وہ تعلیم دے کر بے پروا ہو جائے۔ جماعت کو ایک استاد دے دیا جو پوری طرح سمجھا دیتا ہے۔ اس کی تعلیم میں کوئی نقص نہیں ہے۔ جماعت دوسرا استاد طلب کرتی ہے۔ کیا اب کوئی دوسرا استاد دیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا وہ جماعت کہتی ہے کہ یہ خود استاد ہیں کیا ان کو کوئی استاد دیا جا سکتا ہے؟ یا وہ کہتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو استاد دیا جائے۔ حالانکہ ان میں سے ایک بھی اس کے قابل نہیں ہے۔ تو کیا ان کا یہ مطالبہ مانا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اب بین الاقوامی کفر کی دوسری مدّ آتی ہے:

آیت نمبر7: زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ

(1) یہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان کردہ اصطلاح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ''انسان کے دل کے اندر وہ نقطۂ نورانی، جس میں اللہ کی تجلی اور الہام کا ظہور ہوتا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے شاہ صاحب کی کتاب ''الطاف القدس'' اور ''تفہیمات الٰہیہ'' (آزاد)

ترجمہ: ''دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز ان کو کوئی نہ اٹھائے گا تو کہہ کیوں نہیں، قسم ہے میرے رب کی تم کو بے شک اٹھانا ہے پھر تم کو جتلانا ہے جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔''

بین الاقوامی شرک کی دوسری شق: انکارِ آخرت

یقین مانو۔ جس خدا نے یہ نظام بنایا ہے وہ تمہیں ضرور اٹھائے گا۔ جس نے اتنا بڑا نظام قائم کیا ہے۔ کیا وہ اسے یونہی ضائع کر دے گا؟ کیا میوہ پکنے کے بعد باغبان اسے یونہی چھوڑ دیتا ہے؟ خدا نے جو انسانیت کی ترقی کے لیے اتنا سامان جمع کیا ہے۔ اس کے جو نتائج نکلتے ہیں کیا ان سے انسانوں کو محروم کیا جاسکتا ہے؟ انسان میں ایک اعلیٰ قوت ہے وہ فرشتوں کے ساتھ مل کر کام کرسکتا ہے۔ اس نظام نے اس قوت کو برسرِ کار لاکر رکھ دیا ہے۔ بظاہر وہ حیوان ہے اور حیوانیت کے ساتھ ہی وہ فرشتوں کے سارے کام یہیں پورے کر دیتا ہے۔ پس جب فرشتوں کے لیے دوام ہے تو یہ انسان کس طرح مر سکتا ہے؟ جب انسان کو اتنا بکھیڑا کر کے فرشتہ بنا دیا تو کیا اس سے فرشتوں کے کام نہیں لیے جائیں گے؟ اس ایک کامل کے ساتھ اس کے کمالات کے ظہور کے لیے لاکھوں انسان وابستہ ہوں گے۔ وہ تو جماعت کا امام ہے۔ وہ ان کے ساتھ مل کر کام کرے گا پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اکیلا باقی رہے اور باقی مر جائیں؟

ان سے کہہ دو کہ تم ضرور کھڑے کیے جاؤ گے اور تم کو تمہارے عملوں کے نتائج سے آگاہ کیا جائے گا کہ یہ تمہارے فلاں کام کا نتیجہ ہے، اور وہ فلاں کام کا۔ وہ زندگی بے انتہا ہوگی۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ

یہ اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے۔

آیت نمبر 8: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

ترجمہ: ''سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا اور اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے۔''

قرآن کو ماننے کی ضرورت

اس لیے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم قرآن کو مان لو۔ اور قرآن ماننے کے ساتھ ہی قرآن لانے والے رسول ﷺ کو بھی مان لو اور قرآن کے نازل کرنے والے اللہ کو بھی مان لو۔ قرآن حکیم کو مان لینے سے تم اس اجتماعی کفر پر غالب آ سکو گے۔

امنو باللّٰہ: اللہ پر ایمان لاؤ

امنوا برسولہ: رسول اللہ پر ایمان لے آؤ

نورالذی انزلنا: قرآن حکیم (پر ایمان لاؤ)

قرآن حکیم میں اس کفر اجتماعی پر غلبے کا نظام دیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝ (سورۃ الصّف:9)

اس نور کو ماننے کے لیے اللہ اور رسول کو ماننا ضروری ہے۔ اس طریق سے تم انسانیت کی تکمیل کر سکو گے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

اس پروگرام کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

آیت نمبر9: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

ترجمہ: ’’جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر اور کرے کام بھلا، اتار دے گا اس پر سے اس کی برائیاں، اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں ندیاں، رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی۔‘‘

لِيَوْمِ الْجَمْعِ: بین الاقوامی مقابلہ کا دن

قومی درجے میں منافقت

جو شخص اسلام کا غلبہ نیشنل درجے میں کفر پر ثابت نہیں کرنا چاہتا، وہ منافق ہے، یعنی جو شخص اسلام لاتا ہے لیکن اپنے قومی کفر پر اُسے غالب نہیں کرتا اور غالب کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتا یعنی وہ بات کو صحیح مانتا ہے، مگر اسے اپنی قوم کے کافر حصے پر غالب کرنے میں مالی اور جانی مدد نہیں کرتا وہ منافق ہے۔ (اس نفاق کا ذکر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقوں میں آچکا ہے۔)

بین الاقوامی درجے میں منافقت

اس کے بعد کفر کا دوسرا درجہ بین الاقوامی درجہ ہے۔ قرآن کی تعلیم اصل میں اسی درجے کی ہے۔ قومی درجہ مبادی کا درجہ ہے۔ وہ اس بین الاقوامی درجے کی تکمیل کے لیے ہے۔ جو شخص قرآن کی تعلیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کی حکمت کو بھی جانتا ہے۔ مگر اسے بین الاقوامی درجے میں کفر پر غالب کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی سے گریز کرتا ہے۔ وہ بھی منافق ہے۔ اس سورت "التغابن" میں اس سے خطاب ہے۔

وہ دن جب ساری قوموں کے جمع ہونے والے دن کے لیے ان کے ساتھ جمع کیا جائے گا کہ بین الاقوامی کفر پر غالب ہونے کی کون کوشش کرتا رہا۔

حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی جماعتیں انٹرنیشنل درجے پر کام کرتی رہیں۔ اب تینوں قوموں کا مقابلہ ہوگا کہ کس نے اجتماع پر غالب آنے میں مقابلتہً زیادہ کام کیا۔ پس قرآن کی تعلیم پر اس طرح ایمان لانا چاہیے کہ سب کے مقابلے میں درجہ اوّل حاصل کرے۔ یہاں سستی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور منافقت کی کھپت ہی نہیں ہوسکتی۔ یا صاف طور پر مانو یا صاف انکار کرو کہ ہم کام نہیں کریں گے۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ (وہ دن ہے ہار جیت کا)

یوم تغابن

جب تم انٹرنیشنل مقابلے میں آگے بڑھے تو سمجھو کہ جیتے۔ اگر وہاں ہارے تو سمجھو

کہ دوکوڑی کے بھی نہیں۔ قرآن کا نظام یہ ہے کہ ساری قوموں کے مقابلے میں جیت جاؤ۔

مسلمانان ہند بین الاقوامی مقابلہ کر سکتے ہیں

بدقسمتی سے ہمارے پھسڈی امام بن گئے ہیں، جو نہ آگے بڑھنا جانتے ہیں نہ الگ ہوتے ہیں۔ جولوگ گاندھی جی کا مقابلہ کرنا نہیں جانتے وہ برٹش گورنمنٹ سے کیا مقابلہ کریں گے؟ ان میں عقل کا ذرہ تک نہیں ہے۔

ایک لادینی لوگ ہیں کہ ان کے پروگرام کی صرف دو سطریں ہیں۔ مگر وہ بین الاقوامی مقابلے کی ہمت کرتے ہیں۔ تو کیا مسلمان اپنے عظیم الشان بین الاقوامی پروگرام کونہیں چلا سکتے؟ اگرنہیں تو وہ مسلمان کیوں بنے بیٹھے ہیں؟ مسلمان کا اصلی مشن بین الاقوامی مقابلہ ہی ہے۔ مسلمان نوجوان یہ کام کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کوان کی صحیح قوت کا علم نہیں ہونے دیا جاتا۔

قرآن کی تعلیم کو بین الاقوامی غلبہ دینے کے لیے:

(1) پہلے پروگرام سوچنا چاہیے۔ جونہیں سوچتا وہ کافر ہے۔

(2) سوچنے کے بعد جو جان و مال صرف نہیں کرتا۔ وہ منافق ہے۔

اس وقت ہمارے لیے تعلیم قرآن کافی ہے۔ ہمیں اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ کافی ہے۔

دنیا میں اس وقت لادینی اعتدال پسند اور لادینی انتہا پسند اپنے اپنے پروگراموں کو بین الاقوامی غلبہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ مگر ہر ایک کو قربانی دینی پڑتی ہے مثلاً اعتدال پسند ''امپیریلسٹ'' طاقتوں نے ہندوستان کا بحری راستہ بنایا اور اس راستے کے بنانے میں خدا جانے انہیں کتنی جانیں قربان کرنی پڑیں۔ مسلمان اعتدال پسند بھی چاہیں تو جان قربان کر کے کچھ کرسکتے ہیں مگر چونکہ وہ منافق ہیں اس لیے وہ یہ بھی نہیں کرتے۔

جو شخص قرآن حکیم کے پروگرام کو مان کر اس پر پوری طرح عمل کرے گا اسے جنت میں جگہ ملے گی۔ یہ اس کے اعمال صالحہ کا نتیجہ ہوگا۔

آیت نمبر 10 : وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

ترجمہ: ''اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انہوں نے ہماری آیتیں، وہ لوگ ہیں دوزخ والے، رہا کریں اسی میں اور بری جگہ جا پہنچے۔''

بین الاقوامی کام سے انکار کا نتیجہ

جو لوگ اس بین الاقوامی پروگرام پر عمل کرنے سے انکار کر دیں گے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

کام کے لیے عملی ہدایات

دوسرے رکوع میں اس فکر (Idea) پر کام کرنے کے متعلق عملی ہدایات دی جائیں گی لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہدایات دی جائیں چند ابتدائی باتیں بتا دینا ضروری ہے۔

آیت نمبر 11 : مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''نہیں پہنچتی کوئی تکلیف بغیر حکم اللہ کے، اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر، وہ راہ بتلائے اس کے دل کو، اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔''

دو نہایت ضروری باتیں

(1) بین الاقوامی کام میں مصائب کا سامنا ہوگا

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص اس پروگرام پر اپنی ذمہ داری پر کام شروع کرے گا اس کی کوئی گھڑی مصیبت سے خالی نہ ہوگی۔ بیوی کچھ کہے گی، بچے کچھ مطالبہ کریں گے۔ ماں باپ کچھ اور ہی کہیں گے اور برادری کچھ اور۔ ان حالات میں اس کا ایمان اتنا قوی ہونا چاہیے کہ وہ ان مصیبتوں کو برداشت کرے اور اپنے عقلی فیصلے پر قائم

رہے۔ اس کے لیے پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ ہر مصیبت جو انسان کو پہنچتی ہے اللہ کے براہ راست فیصلے سے پہنچتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس پروگرام پر عمل کرنے والے کی تائید ہونی چاہیے کیونکہ اللہ کا انسانیت کے لیے فیصلہ کن پروگرام ہے اور ملاء اعلیٰ کا فیصلہ ہے اور زمین و آسمان کی تمام طاقتیں اس کی مقہور ہیں۔ پھر مصیبت کیوں آئے گی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دوسری مصلحتیں اس کے متعارض پیدا ہو جاتی ہیں جن سے اسے ضرور تکلیف پہنچے گی لیکن جب تک خدا تعالیٰ کا فیصلہ اس دوسری مصلحت کو ترجیح نہ دے گا اس وقت تک اسے تکلیف نہ پہنچ سکے گی۔ شاہ ولی اللہ کی حکمت میں اسے تدبیر کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد اسباب متعارضہ میں سے کسی ایک سبب کو حکمت کے مطابق ترجیح دینا ہے۔ جب تک اللہ ترجیح نہ دے کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس کا پروگرام پر عمل کرنے والے کو جو مصیبت پہنچے گی وہ اللہ کی اجازت اور اس کے فیصلے سے پہنچے گی۔ اس وقت کیا کرنا چاہیے؟

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

مصیبت کے وقت وہ شخص اپنی دماغی قوت پورے اطمینان کے ساتھ اس فیصلے کی حکمت پر متوجہ کر دے تو اس مصیبت کی علت اور حکمت بھی اسے سمجھ میں آ جائے گی۔ اور وہ خود پکار اٹھے گا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو ان حالات میں میں بھی یہی کرتا۔ اس سے اس کے دماغ پر سے بوجھ اتر جائے گا۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

وہ خدا جو اس کائنات عظمیٰ کو چلا رہا ہے تمام اسباب عاملہ سے بخوبی واقف ہے اس لیے اس کے فیصلے پر مطمئن ہو کر کام کرتے رہنا چاہیے اور مصیبت کے وقت جزع فزع (چیخ و پکار) نہ کرنی چاہیے اور نہ کام سے گریز کرنا چاہیے۔

آیت نمبر 12: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پھر اگر تم منہ موڑو تو ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا کھول کر۔''

(2) مصائب کے وقت کیا کیا جائے؟

بین الاقوامی کام میں ایک تو انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسے ہر قسم کی مصائب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس کے لیے وہ **اطیعوا اللّٰہ** پر عمل کرے۔ یعنی اپنے عقلی یقین میں کبھی پریشانی پیدا نہ ہونے دے۔ ہر وقت اطاعتِ الٰہی میں مصروف رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسے جن فیصلوں کے ماننے کے لیے کہا جائے گا وہ ہمیشہ خود اس کے گھر کی ضرورتوں کے پیشِ نظر نہیں دیئے جائیں گے۔ اس وقت بھی اسے ان اجتماعی فیصلوں کی پابندی کرنی ضروری ہوگی۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ

(الف) اطاعت الٰہی کیا ہے؟

اصل اساسی قانون کی اطاعت کرو۔ یعنی اپنا نظریہ بین الاقوامی قانون کی اطاعت بناؤ۔ اپنی نظر صرف اپنی ذات یا اپنے گھر تک محدود نہ رکھو بلکہ اپنی ذات اور اپنے گھر سے باہر بھی نگاہ ڈالو۔ باہر بھی لوگ بستے ہیں ان سب کی ضروریات کے پیشِ نظر جو بین الاقوامی قانون خدا نے دیا ہے اس کی اطاعت کرنا اپنا لائحہ حیات بناؤ۔

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

(ب) اجتماعی فیصلوں میں رسولؐ کی اطاعت کرو

ایک گھر کا نظام اس گھر کے بزرگ کی مرضی پر چل سکتا ہے۔ اس میں نسبتاً زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ افراد خاندان اپنی مرضی سے تنگی برداشت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تنگی جو انسان اپنے فیصلے سے قبول کرے زیادہ محسوس نہیں ہوا کرتی۔ مگر یہ تحریک زیادہ دیر تک ایک گھر میں محدود نہیں رہ سکتی۔ فرض کرو کہ اس کا ہمسایہ ہے اس کے گھر میں بھی یہ تحریک چل رہی ہے اور کچھ عرصے کے بعد چاروں طرف کے گھروں میں یہ تحریک اپنا قدم جما لیتی ہے۔ اب اس تحریک کا رہنما جو جو حکم دے گا وہ ان سب گھرانوں کی مصلحت کے پیشِ نظر دے گا۔ تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اس فیصلے کا

ماننا ضروری ہے۔ یہ اجتماعی حکم جو رسول دیتا ہے اس کی اطاعت اجتماعی درجے میں سب گھرانوں پر لازم ہے۔ یہ چھوٹے پیمانے پر ''بین الاقوامی'' کام بن جاتا ہے۔ اپنے گھر میں اس اساسی قانون کے مطابق تم خود فیصلہ کرتے تھے یہ پہلا درجہ تھا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اجتماعی درجے پر رسول کا حکم مانو، وہ سوسائٹی کی عام ضرورت کے مطابق حکم دے گا۔ (رسول اللہ ﷺ کے بعد محلے کی پنچایت کو رسول اللہؐ کی جگہ رکھ لو) پنچایت جو فیصلہ کرتی ہے وہ بعض اوقات شخصی فیصلے کے خلاف ہوتا ہے لیکن تحریک کی کامیابی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے مانا جائے۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

اگر تم اس اصول کو نہیں مانتے۔ یعنی:

(1) بین الاقوامی کام میں مصائب کا سامنا ہوگا، اس وقت اپنے عقلی فیصلے کی خلاف ورزی نہ کرو۔

(2) رسول کے فیصلے کو اپنے شخصی فیصلے پر ترجیح دو اور اپنا مطمحِ نظر بین الاقوامی رکھو۔

اگر تم اسے نہیں مانتے تو نہ مانو۔ رسول کا کام صرف یہ ہے کہ وہ یہ باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا دے۔ اب اطاعت کرنا تمہارا فرض ہے۔ اس کے بعد تمہیں جھگڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔

آیت نمبر 13: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہیے بھروسہ کریں ایمان والے۔''

خدا پر بھروسہ رکھو

ابتدائی اور اجتماعی قانون کے نفاذ کے وقت یعنی گھر میں کام کرنے میں اور بین الاقوامی کام کرنے میں مصائب کا سامنا ہو تو یقین رکھو کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ گھر کی مصیبتوں اور مشکلوں کی فریاد اللہ سے کرو اور اجتماعی حکم سے جو تکلیف پیش آئے اس کی فریاد بھی اللہ ہی سے کرو۔ رسول کے حکم کی صرف اطاعت کرنی ہوگی۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

اس پر عمل کرنے والے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ ان کی دقّتوں (مشکلات) کو دفع کرسکتا ہے۔

آیت نمبر14: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والوتمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگذرو اور بخشو تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔''

عملی ہدایت کا کام ہمیشہ گھر سے شروع کرو

اجتماعی (حوالے سے) مقابلہ نہایت عظیم الشان کام ہے۔ اگر اس کی بنیاد مستحکم نہ ہوتو وہ دیر پا نتائج پیدا نہیں کرسکتا اور نہ اس قسم کا بین الاقوامی پروگرام کامیاب ہوسکتا ہے۔ پس اس فکر پہ سب سے پہلے اپنے گھر میں عمل شروع کرنا ضروری ہے۔

کیوں؟

ہر شخص کو خدا نے اپنے گھر کا بادشاہ بنایا ہے۔ وہ اس محدود حکومت میں اپنے بلند نظریے کو کامیاب کرے۔ تمام افراد اس طرح اپنے اپنے گھر میں کام پر لگ جائیں۔ تو یہ پروگرام بہت جلد کامیاب ہوسکتا ہے۔ یہ ہر مومن کا فرض ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس بلند فکر (Idea) کو جو یوم الجمع کی چیز ہے سب سے پہلے گھر میں نافذ کرنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا کہ: ''اے مسلمانو! یاد رکھو کہ تمہاری عورتوں اور بچوں میں سے ایک حصہ ایسا ہے جو تمہارا دشمن ہے۔ یعنی تمہاری تحریک کا مخالف ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیوی بچے انسان کے طبعی دشمن ہیں۔ یہ غلط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس تحریک اور اس فکر کے قائل نہیں ہیں۔ جب گھر کے آدمی فکر کے مخالف ہوں تو تحریک کو کامیاب بنانا سخت مشکل ہے۔

اس پروگرام کو تدبیر منزل کے درجے میں منظّم کرنا قرآن عظیم کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اس تحریک کو چلا کر سارے

گھروں کو منور کر دیا اور اس کامیابی کی بنیاد پر قیصر و کسریٰ سے مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کی بنا پر یہودیوں کو مدینے سے خارج کیا گیا۔ اس شہر میں کوئی گھر ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں یہ پروگرام منظّم نہ ہو چکا ہو۔

رسول اکرم ﷺ کی ساری تعلیم اور صحبت کی برکت مدینۃ النبی میں مستقر ہوگئی۔ جب تک یہ شہر اسلامیت کا مرکز رہا، مسلمانوں کے اندر دین میں فکری اختلاف پیدا ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں تو یہ مقدس شہر دینی اور سیاسی دونوں قسم کا مرکز رہا۔ مگر بنی امیہ کے دورِ خلافت میں بھی یہ کم سے کم دینی مرکز ضرور رہا۔ ان دونوں زمانوں میں مختلف مذاہب پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن جب مدینے کی مرکزیت بغداد میں منتقل ہوگئی تو مختلف مذاہب پیدا ہو گئے۔

شہروں کی موجودہ حالت

ہماری رائے میں اب شہر برطانوی تحریک کے مرکز بن چکے ہیں۔ پس برطانیہ کی ڈکٹیٹر شپ کے ماتحت ہندوستانی تحریک شہروں سے شروع کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ شہروں کی عام آبادی پر برطانوی فکر غالب آ چکا ہے اور تجارت، تعلیم اور انصاف اس گروہ کے ہاتھوں میں ہے۔ چنانچہ گاندھی جی نے بھی اپنے کام کے لیے پہلے تو احمد آباد کے باہر ایک گاؤں میں مرکز بنایا اور اب بھی واردھا میں آشرم بنا کر بیٹھے ہیں، جو ایک گاؤں ہے۔ ہم مولانا محمد قاسم کے فکر کی داد دیتے ہیں کہ انھوں نے ایک گاؤں (دیوبند) ہی کو اپنا مرکز بنایا۔ آج کل دیہات فی الجملہ (کسی درجہ میں) اس اثر سے پاک ہیں۔ مولانا محمد قاسم کے زمانے میں قصبات بھی اس اثر سے محفوظ تھے۔ پس تیاری کے مرکز دیہات میں ہونے چاہئیں البتہ اگر گورنمنٹ کے ساتھ مل کر کام کرنا ہو تو شہروں میں کام کرنا چاہیے۔

گھر والوں سے لڑو نہیں

فَاحْذَرُوْهُمْ (ان سے بچو)

ان کی دشمنی کو اپنی تحریک پر کامیاب نہ ہونے دو۔ یہ نہیں کہ ان سے لڑائی ٹھان لو۔

ان کو ساتھ ملاؤ

وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا (انہیں معاف کرو، اور درگزر کرو)
وہ تحریک کی مخالفت کریں تو معاف کردو گویا سنا ہی نہیں کیونکہ اس نرمی کے برتاؤ سے تحریک ان کی سمجھ میں آ گئی تو وہ تمہار دوست اور دست و بازو بن جائیں گے۔ اگر وہ دوست بن جائے تو پہلی مخالفت کو بھول جاؤ اور اس پہلی مخالفت کی سزا مت دو۔

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
اس سلسلے میں خدا کی شان دیکھو کہ جو لوگ اس تحریک کی مخالفت کرنے کے بعد اس تحریک کے دوست بن جاتے ہیں وہ ان کی پہلی مخالفت کو بخش دیتا ہے اور اب وہ اس تحریک کے سلسلے میں جو کام کرتے ہیں اس کا معاوضہ نہایت فراخدلی کے ساتھ دیتا ہے۔

آیت نمبر15: إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ

ترجمہ: ''تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہی ہیں جانچنے کو، اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے ثواب بڑا۔''

اولاد و اموال کیوں دیئے گئے ہیں؟

یہ مال و دولت اور اولاد تمہیں آزمائش کے لیے دیئے گئے ہیں یعنی یہ دیکھنے کے لیے کہ جب تم اس تحریک کو صحیح مانتے ہو اسے اپنے مال و دولت اور اولاد میں جاری کرتے ہو یا نہیں۔ جو شخص اس تحریک کو اپنے ماتحت اشخاص اور اشیاء میں جاری نہیں کرسکتا اس سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

اجر عظیم کیوں؟

وَاللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ
تم ان کو سمجھانے کی جو کوشش کرو گے اس کا تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔ اس لیے کہ ان کے دوست ہو جانے کے بعد تمہارا گھر تمہارے ہمسایوں کے لیے نمونہ بن جائے گا۔ اور جہاں جہاں تک اس نمونے کا اثر پہنچے گا اس پر تمہارا اجر متحقق ہوتا جائے گا۔

آیت نمبر16: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

ترجمہ: ''سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے۔''

تقویٰ کیا ہے؟

اللہ کے قانونِ انصاف کی پابندی کرو یعنی اس انقلابی پروگرام کی پابندی کرو جو قرآنِ حکیم پیش کرتا ہے۔ دنیا کی تمام اقوام کے لیے قرآنِ حکیم کا قانون ہی قانونِ انصاف ہے اور یہی انقلابی پروگرام ہے جس کی پابندی کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ اس پروگرام کے کسی خاص حصے پر زور دینا مقصود ہو تو اسے بھی تقویٰ کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو توجہ دلانا مقصود ہے کہ وہ اپنا کام کرے۔ تو اسے کہا جائے گا کہ وہ ایسا سمجھے گویا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ یا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کا جو نتیجہ اللہ کے ہاں مقرر ہے اسے کام کرتے ہوئے اپنے اوپر عائد کر لے۔ ایک شخص ایک کام کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے راحت ملے تو وہ اپنے اوپر راحت طاری کر لے۔ اس سے عزم میں زیادہ ہمت پیدا ہوتی ہے اور انسان تیزی سے کام کر سکتا ہے اگر برا کام کیا ہے تو پوری طرح سمجھ لے کہ اس کی سزا مجھے بھگتنی پڑے گی اس وقت تقویٰ کا ترجمہ ہوتا ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرو جو خدا نے ان کے لیے مقرر کئے ہیں۔ یہ پورے تقویٰ کا ایک حصہ ہے۔

تقویٰ کا پورا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کے انقلابی پروگرام پر عمل کرو۔

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا

اور حکم سنتے رہو اور اس کی اطاعت کرتے رہو۔

تمہیں آگے بڑھانے کے لیے جو پروگرام دیا جائے اس کی تعمیل کرتے رہو یہ رسول اللہ ﷺ کا کام تھا کہ یہ طے کرتے کہ اس گھر کو کس درجے کا کام دیتا ہے۔ جب وہ ایک منزل طے کر لیتا ہے اسے دوسرا کام دے دیا جاتا ہے۔

قومی رہبر کی شان

ایک امیر اپنی رعیت کو اسی طرح احکام دیتا ہے جیسے ایک استاد اپنے شاگردوں کو پڑھاتا ہے۔کل کا سبق یاد کرلیا تو نیا سبق دے دیا جائے گا اگر یاد نہیں کیا تو اسے کہہ دیا جائے گا کہ ابھی اسے یاد کرو۔ امارت (سربراہی) کی حقیقی شان یہ ہے کہ امیر بطور معلم کام کرے۔ اس قسم کی حکومت نیشنل حکومت ہی ہوسکتی ہے۔ جب اپنی قوم کا امیر ہوگا تو وہ اپنے خاندانوں کو تعلیم دیتا جائے گا۔ جہاں دوسری قوم کا امیر ہوا وہ اس قوم کے افراد کو اپنے لیے استعمال کرنا شروع کر دے گا۔ یہ قدرتی قاعدہ ہے اس لیے ہر ایک شخص کے لیے اپنی قومی حکومت پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ جو تعلیم اس سے ہٹانے کے لیے دی جاتی ہے اسے ختم کرو۔

جملہ معترضہ:

> کابل میں ہمارے ساتھ چند نوجوان تھے۔ وہ لاہور کے کالجوں سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ہماری ان سے چوبیس گھنٹے کی صحبت رہتی تھی۔ جب ہم ان (نوجوانوں) سے اپنے کسی اچھے فکر کا ذکر کرتے جو انہیں پسند آتا تو ہم کہتے کہ یہ ہمارے استاد کا فکر ہے اور اپنے استاد کا نام نہایت محبت سے لیتے۔ جب انہوں نے چند بار یہ چیزیں محسوس کی تو ایک نوجوان نے کہا کہ آپ ہر وقت اپنے استاد کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم تو اپنے استادوں کا کبھی ذکر نہیں کرتے، حالانکہ ہم نے بھی کالجوں میں استادوں سے پڑھا ہے اور اب آپ بھی اس علم کے محتاج ہیں۔ اور ہم آپ کو پڑھاتے ہیں۔ آپ کا یہ فعل ہمارے دماغوں پر ایک بوجھ ہے۔ (اور واقعہ یہ ہے کہ جیسے ہم ان کو سکھاتے تھے ان سے سیکھتے بھی تھے) ہم نے کہا کہ اس میں فرق صرف یہ ہے کہ ہمارا استاد ہمارا تھا مگر تمہارے استاد تمہارے اپنے نہیں تھے وہ یہاں یوروپین طریق لاکر اسے کامیاب بنانا چاہتے تھے۔

مولانا شیخ الہند کا طریق تعلیم

ہمارا استاد ہمیں پڑھاتا تھا ہم اس سے باپ کی طرح محبت کرتے اور محسوس کرتے تھے۔ جب ہم نے اس کے ماتحت سیاسی کام شروع کیا تو وہ اس وقت بھی اس طرح حکم دیا کرتا تھا۔ جیسے بچوں کو دیا جاتا ہے۔ مگر ہمیں مسرت وہی ہوتی تھی جو باپ کے حکم سے ہوتی ہے۔ ہم کبھی محسوس ہی نہ کرتے تھے کہ ہمیں حکم دیا جا رہا ہے۔ ہم ہمیشہ یہی سمجھتے تھے کہ ہم سے مشورہ کیا جا رہا ہے ہمیں ہمارے استاد نے کبھی کوئی حکم، حکم کی شکل میں نہیں دیا۔ ہم نے انکار کر دیا تو معاملہ وہیں ختم ہو جاتا تھا۔

ایک مثال: سفر کابل کا ذکر

ہمارے استاد نے ہمیں ایک مرتبہ کہا کہ اگر ایک آدمی کابل جاتا تو اچھا تھا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں چونکہ کابل جانے کا مخالف تھا اس لیے میں نے عذر کر دیا۔ وہ خاموش ہوگئے۔ پھر کافی زمانہ گزرنے کے بعد (جو میرے خیال میں ایک سال سے کم نہ ہوگا) انہوں نے ایک دفعہ پھر اس مسئلے کے متعلق گفتگو کی۔ اب جنگ شروع ہو چکی تھی۔ حالات بدل گئے تھے، مگر گفتگو اسی طرز پر تھی کہ کوئی آدمی کابل جائے تو تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا میرا تعارف ہندوستانی مسلمانوں کی مرکزی سوسائٹی سے کرا چکے تھے۔ میں اس میں ایک معزز ممبر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ میں اس دلچسپ مشغلے کو چھوڑ کر کابل کے خشک بیابانوں میں جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے دوسری دفعہ بھی عذر کر دیا۔ آپ پھر بھی خاموش ہوگئے۔ تیسری دفعہ واقعہ یوں ہوا کہ مجھے اطلاع ملی کہ مولانا برکت اللہ برلن سے استنبول ہو کر (2 اکتوبر 1915ء کو) کابل آ رہے ہیں۔ اور مہندر پرتاپ بھی ان کے ساتھ

ہے۔ دلی میں ایک دوست نے مجھے بتایا۔ تو میں دوڑا ہوا دیو بند آیا اور مولانا سے ذکر کیا کہ برکت اللہ اور مہندر پرتاپ وہاں (کابل) آ گئے ہیں۔ مولانا کو چونکہ کابل کے معاملات سے خاص دلچسپی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوں گے۔ تخلیے کے مناسب وقت میں ذکر کیا، مولانا یہ سن کر مجھ پر اس قدر برہم ہوئے کہ اتنے کبھی برہم نہیں ہوئے تھے۔ فرمایا: دیکھو! ایک ہندو یہاں سے برلن جاتا ہے اور برلن سے قسطنطنیہ آتا ہے اور وہاں سے کابل۔ اور میں اتنے دنوں سے سر پٹک رہا ہوں، کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ یہاں سے دو قدم کابل چلا جائے (یہ میرے متعلق تھا) میرا یہ حال تھا کہ میں چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں پھر مولانا سے نہیں ملا اور کابل چلا گیا۔ میرے گرد کئی حلقے تھے جن میں سے نکل جانا سخت دشوار تھا۔ ہر طرف سے راستے بند تھے۔ میرا ایک دوست بھی نہیں، جس سے میں مشورہ کرتا اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر میں پکڑا گیا تو حضرت مولانا یہ خیال کریں گے کہ عبیداللہ جانا نہیں چاہتا تھا اس لیے اپنے آپ کو پکڑوا دیا۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کہ عبیداللہ پکڑا جانا نہ چاہے اور وہ پکڑا جائے۔ الغرض خدا کے فضل سے میں یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل ہی گیا۔ میں اسے بھی حضرت مولانا کی ایک کرامت مانتا ہوں۔ میں یہاں یہ روشن کرنا چاہتا ہوں کہ اپنا امیر اپنے لوگوں کو اس طرح حکم دیتا ہے کہ اس کے بعد ہم ایک دوسری مسلمان قوم کے مسلمان حاکم (امیر کابل) کا تجربہ کر چکے ہیں۔ وہ ہم پر انگریزوں سے بہتر حکومت نہیں کرتا۔ اس کے بعد میں حقیقی معنوں میں ہندوستانی بنا ہوں۔ میرا حاکم ایک ہندوستانی ہوگا۔

(مولانا سندھیؒ کابل میں ''عین العمارت'' میں مقیم تھے، اس میں ایک چوکھٹے میں یہ شعر لکھ کر لگا رکھا تھا۔

ماخانۂ امیدگان ظلمیم
پیغامِ خوش از دیارِ مانیست

غیر مسلم امیر کا امکان

میں اپنے لیے یقیناً ایک مسلمان حاکم چاہتا ہوں۔ میری عقل نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مسلمان میسر نہ آیا تو میں تھوڑی دیر کے لیے ایک غیر مسلم ہندوستانی کے ساتھ نباہ کر سکتا ہوں۔ مگر غیر ہندوستانی مسلمان کے ساتھ ایک سیکنڈ نہیں گزار سکتا۔ وہ مجھے غلاموں کی طرح مانتا ہے۔ ہندوستانی غیر مسلم مجھے کم سے کم ایک شریف ہمسائے کی طرح تو رکھے گا۔ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو میں بھی اسے تکلیف پہنچا سکتا ہوں۔ اگر مسلمان ہو تو میں اس سے کوئی توقع نہیں باندھتا۔ گو ہر ایک قوم میں بعض انسان ہوتے ہیں جو اس قسم کے نہیں ہوتے۔ مگر وہ اتفاقاً ملتے ہیں۔ سیاسیات کی دنیا میں اتفاقات پر کسی قاعدے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ (جملہ معترضہ ختم ہوا)

خرچ کونسا مال کیا جائے؟

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا ''مال خرچ کرو''
بال بچوں کو کھلا کر جو بچے وہ اس تحریک میں خرچ کرو۔
لِّاَنْفُسِكُمْ ''اپنے نفسوں کے فائدے کے لیے''
یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اس سے تمہاری ہی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
''جو اپنے نفس کے بخل سے بچ گیا وہ کامیاب ہے''

کامیابی کی شرط

جس شخص کو خدا قومی تحریکوں میں کام کرنے کے زمانے میں بخل سے بچالے یعنی وہ قومی تحریکوں میں روپیہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لے وہی لوگ جلدی کامیاب ہوتے ہیں۔

آیت نمبر17: اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعِفۡهُ لَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ شَكُوۡرٌ حَلِيۡمٌ

ترجمہ: ''اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا، وہ دونا (دوگنا) کر دے تم کو اور تم کو بخشے اور اللہ قدر دان ہے تحمل والا۔''

درجہ اول اور درجہ دوم کا ایثار

یہ جو خرچ کرنا ہے اس کا ایک درجہ یہ ہے کہ تحریک کے لیے سب کچھ دے دیا۔ اس سے کوئی توقع اپنی ذات کے لیے نہ رکھی۔ یہ اول درجے کا ایثار ہے۔ دوسرے درجے کا ایثار یہ ہے کہ روپیہ ہمارے پاس ہے مگر گھر میں بیکار رکھا ہے۔ ہم اسے دے نہیں سکتے۔ اس لیے کہ ہمیں اس کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔ یہ روپیہ قومی کاموں میں بطور قرض دے دو۔ گھر میں بیکار پڑا رہنے کی بجائے وہاں کام آتا رہے گا۔ ایسے قرضوں کے متعلق امیر کا فرض ہوگا کہ جب واپس مانگا جائے فوراً واپس کر دے۔ دوسری جگہ سے قرض لینا پڑے تو لے مگر اس کا قرض ادا کر دے۔ جب تک امیر اپنی یہ ساکھ قائم نہیں رکھتا ہے کہ ہر مطالبے کے وقت روپیہ ادا کر دیتا ہے۔ اس وقت تک وہ قومی قرض کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ یورپ نے اسے منظّم کر کے بنک کا نظام قائم کرلیا ہے اور ہمارے لوگ اُلّو ہیں کہ یورپ سے قرض لے کر حکومتیں چلاتے ہیں۔ وہ اپنی قوم سے کیوں قرض نہیں لیتے؟ اس لیے کہ ان کی ساکھ خراب ہو چکی ہے۔ جس شخص کی اتنی ساکھ بھی نہیں کہ اس کی قوم اسے قرض دے، اس کا حکومت پر رہنے کا کیا حق ہے؟ ہمارے بوسیدہ نظام میں نالائق سے نالائق کی طاقت قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ امیر کی اطاعتِ بلاشرط کا توڑنا شاہ صاحب کی حکمت کا ایک اساسی اصول ہے۔

قَرۡضًا حَسَنًا

قرضِ حسنہ

سود نہیں مانگو گے۔ جب تم اصل مانگو گے تو واپس کر دیا جائے گا۔

يُّضٰعِفۡهُ لَكُمۡ

تمہارے مال میں بڑی برکت دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو امیر (بطورِ تبرع) دوگنا کر کے روپیہ واپس دے دیا جائے۔ (یہ سود نہیں ہے)

وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اگر تم نے اب تک روپیہ بیت المال میں نہیں رکھا تو خیر۔ اب یہ کام شروع کرلو۔ پہلی غلطی معاف ہے۔

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ

اگر تم اس طرح روپیہ قرض دے کر بھی تحریک کی مدد کرو تو اللہ تمہارے اس فعل کا تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر یہ نہ کر سکو یعنی تمہارے پاس روپیہ ہی نہ ہو تو خیر اللہ رحم کرے گا۔

آیت نمبر 18: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا۔''

قرآن عزت و حکمت کا کفیل ہے

اللہ غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے۔ اور عزت اور حکمت دینے والا ہے۔ یہ عزت اور حکمت اس قانون کی پابندی سے ملے گی۔ اس حکمت کو سمجھ کر اسے عزت کا ذریعہ بنانا یہی قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ بظاہر حالات چاہے کتنے ہی تعلیمِ قرآن کے خلاف نظر آتے ہوں کبھی پریشان نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ جس نے یہ فکر دیا ہے وہ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔

سورۂ تغابن مکمل ہوئی۔

بشیر احمد 25 نومبر 1943ء

گوجر خان

==========

عائلی اجتماعیت کے قرآنی اصول

سورت الطلاق کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

(ہمیں اس سورت کی تفسیر کا ناقص مسودہ دستیاب ہوا ہے۔
وہی شائع کیا جا رہا ہے۔)

سورۃ الطلاق

تمہید سورت

سورہ طلاق کا مضمون

سورۂ طلاق میں اجتماعیت انسانیہ کے ایک اہم مسئلے طلاق کی ضرورت پر بحث کی گئی ہے۔

سورۂ تغابن کے ساتھ ربط

سورۂ تغابن میں بین الاقوامی اجتماعیت کا تذکرہ تھا۔ اس مقصد اعلیٰ سے جو چیز سب سے زیادہ مؤثر طور پر روک سکتی ہے وہ عورت ہے۔ مرد اپنی اجتماعی زندگی میں عورت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اہلی (گھریلو) زندگی بن نہیں سکتی۔ اگر عورت مرد کے اعلیٰ پروگرام میں اس کا ساتھ نہ دے تو وہ مرد کو بہت پیچھے ہٹا سکتی ہے۔ مرد میں اتنی ہمت ہونی چاہیے کہ وہ عورت کی رکاوٹ کو دور کر سکے۔ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب تک عورت کو یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مرد مجھے علیحدہ کرنے پر قادر ہے اس وقت تک وہ درست ہونے کا نام نہیں لیتی۔ اگر مرد اپنی قوت مردمی کے سے عورت کو اپنا مطیع و منقاد بنانے کے بعد اسے یقین دلا دے کہ اگر وہ اس کے اعلیٰ پروگرام میں اس کا ساتھ نہ دے گی تو اسے علیحدہ کر دے گا تو وہ کبھی علیحدہ ہونے کا نام نہ لے گی اور مرد کی پوری پوری اطاعت کر کے اس کی معاون بن جائے گی۔ اس لیے مرد میں اس کی قوت محفوظ رہنی چاہیے کہ اگر کبھی عورت اسے کام سے روکے تو اسے علیحدہ کر سکے جو شخص عورت کو چھوڑ سکتا ہے وہ اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لا سکتا۔

سورۂ تغابن کی آیت نمبر 14 میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤﴾

اس آیت پر صرف عورت کے معاملے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اعلیٰ

اجتماعی تحریک کی مخالف ہوسکتی ہے۔ اس حالت میں اسے سمجھا بجھا کر ساتھ رکھنا چاہیے۔ اگر عورت مخالفت کرے تو اس کے دو درجے ہو سکتے ہیں:

(1) ایک شکل تو یہ ہے کہ وہ آج مخالف ہے مگر سمجھانے بجھانے سے کل کو سدھر سکتی ہے۔ اس صورت میں اس کی پہلی لغزشیں معاف کر دو (تعفوا) اور درگزر کر دو (تصفحوا) اور ان کو سزا مت دو (تغفروا) اور اس کو معاف کردو۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ باوجود سمجھانے بجھانے اور مآل (نتائج) بتانے کے عورت تمہارا پروگرام چلنے نہیں دیتی۔ اور تم سیاست منزلی کے اصول کے مطابق (جن کا ذکر قرآن حکیم میں کسی اور جگہ وضاحت سے کردیا گیا ہے) اسے اپنی تحریک میں شامل کرنے سے عاجز آ گئے ہوں تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ طلاق دے دی جائے۔

نبی کو کیوں مخاطب کیا؟

اس سورت میں پہلے نبی اکرم ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی خدا اور رسول کی اطاعت میں لوگ طلاق دیں تو خدا کا قانون یہ ہے کہ اگر نبی کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ بھی یہی کرے۔

یہاں ہم حکم پر بحث نہیں کرتے۔ وہ تو صاف موجود ہے، البتہ چند جملے جو زائد آ گئے ہیں ان کی تشریح کر دیتے ہیں۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (یہ اللہ کی حدود ہیں)

حدود اللہ کیا ہیں؟

''حد'' کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں کوئی چیز ختم ہو جائے۔

قانون ہمیشہ اپنی حد مقرر کر لیتا ہے۔ وہ کسی بات کو انسان کے اختیار تمیزی (Indgement) پر نہیں چھوڑتا۔ قانون یہ نہیں کرتا کہ کام بتا دے اور پھر اجازت دے دے کہ جس طرح چاہو کرو۔ قانون یہ بتاتا ہے کہ ان حدود کے اندر رہ کر یہاں سے وہاں تک کام کرو۔ ان حدود کے اندر سمجھدار اور بے سمجھ سب چل سکتے ہیں۔ اختیار کی صورت میں صرف سمجھدار ہی کام کر سکتے ہیں۔

گھر میں زندگی بسر کرنے کا سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد اور عورت اجتماعی قانون کے مطابق وابستہ ہو کر زندگی گزاریں۔ اب اگر میاں بیوی میں نہیں بنتی تو ان کی علیحدگی بھی قانون ہی کے حدود کے اندر رہ کر ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسری عورت جو آئے وہ یہ سمجھ کر آ سکتی ہے کہ مجھ پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ پوری عزت کے ساتھ آ سکتی ہے۔ اور مرد کے ساتھ مل کر کام کرسکتی ہے۔ اور جب وہ مل کر کام نہ کر سکے تو عزت کے ساتھ رخصت کی جاسکتی ہے۔ اور یہ سب کام قانون کی حدود کے اندر رہ کر ہوں گے۔ اسے قانونی حفاظت حاصل ہے اگر مرد نے عورت کے حقوق پر تعدّی (زیادتی) شروع کی اور اسے ناحق دبانا شروع کیا تو وہ اس مرد کے ساتھ شریک رہ کر کام نہ کر سکے گی۔ یعنی اپنے فیصلے سے مرد کی قائم مقام ہو کر گھر کو نہیں چلائے گی۔ لیکن اگر مرد نے اس پر ظلم نہ کیا مگر وہ عورت اس کے ساتھ مل کر کام نہیں کرسکتی۔ تو عزت کے ساتھ الگ ہو کر دوسرے کے گھر جا کر آباد ہوسکتی ہے۔ اور چونکہ پہلے مرد کا بھی اعتبار قائم ہے کہ وہ قانون کا پابند ہے اس لیے دوسری عورت اس کے ہاں آ سکتی ہے۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو قانون کی حفاظت میں محفوظ محسوس کرسکتی ہے۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

(جس نے اللہ کی حدود میں حد سے تجاوز کیا پس اس نے اپنے اوپر ظلم کیا)

جس نے قانون کی خلاف ورزی کی، اس نے دوسرے پر تو بے شک ظلم کیا ہی ہے کہ اس کے حق چھین لیے مگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا کہ اب کوئی شخص اس پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ مل کر کام نہ کر سکے گا۔

نوٹ:

(افسوس کہ ہمیں کتاب کا مسودہ یہاں تک ہی دستیاب ہو سکا ہے، تفسیر کا باقی حصہ ملنے کی صورت میں آئندہ ایڈیشن میں شامل کردیا جائے گا۔ آزاد)

قرآنی دستورِ انقلاب

(حصہ اوّل)

سورت المزمل کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

کلماتِ طیبات

از

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم ۱۳۵۸ ہندی (1939ء) میں واپس وطن پہنچے، اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے، مولوی بشیر احمد صاحب بی۔اے لدھیانوی ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لئے مسلسل ملتے رہے، وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے کئی سو صفحات (تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات) تیار کر لئے۔ انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا، اس لئے وہ ہمارے طرزِ تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہوگئے۔ اب ان کی خواہش ہے کہ ہمارا فکر لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعہ سے پھیلائیں۔

ہمیں سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے متعلق علمی مرکز میں جس کا نام ''محمد قاسم ولی اللہ کالج آف تھیالوجی'' تجویز کیا ہے، ایسے ہی اُستاد کی ضرورت تھی۔ ہم نے انہیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنا لیا ہے۔ انہوں نے اپنے افکار کا نمونہ سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی تفسیر میں پیش کرنا پسند کیا ہے۔

ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کر لی ہیں۔ مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔ مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔ اس لئے ہم نے اس رسالہ پر نظر ثانی منظور کی۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ تفکر کے مطابق بنا لیں۔ **واللہ المستعان**

عبید اللہ سندھی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

مقدمہ

اِنَّ وَلِیِّ‌ۧ اللّٰهُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ ‌ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيۡنَ‏ ۝ (196:7)

''بے شک و شبہ میرا پروردگار وہ ہے جس نے انسان کے نوعی تقاضوں کے مطابق یہ ضابطۂ حیات (قرآن حکیم) اتارا' اور وہی صالحین کی جماعت کو (اس خدمت کے لیے) اپنا دوست بناتا ہے اور بناتا رہے گا۔''

کائنات میں تغیر وتبدل اور کشمکش کا سلسلہ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس کا کوئی گوشہ اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ بے جان مادے کے طبعی تغیرات سے لے کر حیوانات کی جہد للبقاء (Struggle for Existence) تک ہر جگہ یہ سلسلۂ تغیرات کارفرما نظر آتا ہے۔ حیوانات میں جوں جوں شعور بڑھتا جاتا ہے۔ کشمکش حیات پیچیدہ سے پیچیدہ تر صورت اختیار کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نوعِ انسان میں یہ معمولی تنازُع للحیات سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ یعنی ''اصولوں کی خاطر جنگ'' کی منزل پر پہنچ چکی ہے۔

انسانی معاشرہ (Society) میں ایک طبقہ دوسرے طبقے پر غلبہ پا کر مغلوب طبقے سے ناجائز انتفاع (Exploitation) شروع کر دیتا ہے تو مغلوب طبقہ کمزور ہونے کے باعث غالب طبقے کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور دبتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک حد آجاتی ہے جس سے آگے وہ دب نہیں سکتا۔ اس وقت وہ طبقۂ بالادست کے خلاف جدوجہد کرنے لگتا ہے۔ یہ جدوجہد دو صورتیں اختیار کرتی ہے:

(1) ارتقائی جدوجہد

اس میں غلط کار طبقے کی اصلاح کی کوشش صرف وعظ ونصیحت سے کی جاتی ہے۔

اور مغلوب طبقے میں بھی احساس عمل اس طریق سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اس وعظ و نصیحت کے پیچھے کوئی طاقت نہ ہو تو وہ بالکل بے نتیجہ رہتی ہے۔ اور اگر برسراقتدار جماعت مخالفانہ نشر و اشاعت (Counter-propaganda) شروع کر دے تو پھر اس تبدیلی چاہنے والی جماعت کی کامیابی معلوم!

(2) انقلابی جدوجہد

اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ خرابی پیدا کرنے والی مقتدر جماعت کے خلاف کوئی صاحب فکر، دعوت و تبلیغ شروع کرتا ہے اور وہ اپنے گرد ایسی جماعت پیدا کر لیتا ہے، جو اپنے نصب العین پر اپنا سب کچھ (جان و مال، عزیز و اقارب اور اپنی ہر محبوب شے) قربان کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ یہ جماعت صاحب اقتدار جماعت سے وہ آلۂ اقتدار چھیننے کی کوشش کرتی ہے جس کے بل بوتے پر وہ کمزور جماعت سے انتقاع کر رہی تھی۔ یہ طریق کار اکثر اوقات تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس انقلابی طریق کار کے تین ضروری جزو ہیں:

(1) نصب العین (Ideal)

(2) جماعت (Party)

(3) لائحۂ عمل (Programme)

نصب العین

نصب العین سے مراد ہے کہ کوئی جماعت اپنے سامنے سوسائٹی میں ایک غلط نظام پاتی ہے۔ وہ جماعت اسے برباد کر کے اس کی جگہ صحیح نظام لانا چاہتی ہے۔ تو یہ تخریب اور اس کی جگہ صالح نظام کے قیام کا ارادہ اس کا نصب العین کہلاتا ہے۔

گفت رومی ہر بناء کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

(رومی کہتا ہے کہ جو لوگ پرانی عمارت کو آباد کرنا چاہتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ

پہلے اس عمارت کو توڑا کرتے ہیں)

جماعت

جماعت سے مراد یہ ہے کہ چند لوگ جو ہم فکر ہیں وہ اپنے فکر کے مطابق عمل کرنے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نصب العین کو جانتے ہیں اور اس کی خاطر ہر خطرہ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ وہ ایک جسم کی طرح کام کرتے ہیں۔ اس حیثیت میں وہ جماعت کہلاتے ہیں۔

لائحہ عمل

لائحہ عمل یا پروگریم (Programme) سے مراد یہ ہے کہ وہ جماعت جس کا نصب العین معین ہے۔ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک طریقۂ کار سوچتی ہے۔ اس پر خوب اچھی طرح غور وفکر کرتی ہے اور آخر کار سب افراد اسے تسلیم کر کے اس پر گامزن ہونا قبول کر لیتے ہیں۔

جب تک کسی جماعت میں یہ تینوں اجزاء نہ پائے جائیں وہ انقلابی نہیں کہلاسکتی۔ اس جماعت کا فکر شروع سے آخر تک ایک ہی رہتا ہے۔ البتہ طریق عمل یا لائحہ عمل حسب ضرورت بدل سکتا ہے۔

چونکہ صاحب اقتدار جماعت لڑے بھڑے بغیر اپنا اقتدار چھوڑ نہیں سکتی، اس لیے انقلاب میں عموماً جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ اس لیے انقلابی جماعت جنگ کو بطور ایک ضرورت کے جائز سمجھتی ہے۔ مگر لڑنے اور نہ لڑنے کا فیصلہ حالات کے مطابق کرتی ہے۔ ابتداء میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرتی ہے اور رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملاتی ہے۔ یہاں تک کہ زمام اقتدار سنبھالنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس تیاری کے زمانے میں وہ مخالف کی طرف سے ہر قسم کے اشتعال کے باوجود کھلم کھلا لڑائی سے پرہیز کرتی ہے اور بطریق احسن طرح دیتی جاتی ہے اور سب حملوں کو نہایت استقامت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔ اس کے ارکان کو اپنے نصب العین کا پورا پورا علم ہوتا ہے اور سب میں وحدتِ فکری ہوتی ہے۔ اس لیے دشمن کا پروپیگنڈہ یعنی "فکری

حملہ‘‘ ان کو گمراہ نہیں کرسکتا۔ ان کی وحدتِ فکری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں وحدتِ عملی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نفع و نقصان کو مشترک سمجھتے ہیں۔ اس لیے دشمن کا ’’اقتصادی حملہ‘‘ بھی انہیں منتشر نہیں کرسکتا۔

اگر قرآن حکیم کی تعلیمات پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو وہ بالکل انقلابی نظر آتی ہیں اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا عمل بالکل قرآنی انقلاب کی عملی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔[1]

نصب العین کا ثبوت قرآن سے

پہلے نصب العین کو لیجئے:

قرآن حکیم میں جابجا ’’**اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ**‘‘ کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ ایمان کیا چیز ہے؟ کسی بات کو نصب العین بنا کر اسے اپنانا کہ اس پر پورے اطمینان اور انشراح قلب کے ساتھ اپنا سب کچھ قربان کیا جاسکے ایمان ہے۔ اس ایمان کے مرکز میں قرآن حکیم کو لے آیئے تو حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کی مقدس جماعت کا عمل بالکل نقلابی نظر آئے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ **هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین---- صحیح اور پائیدار قانون---- دے کر محض اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اسے تمام مجموعہ ہائے قوانین پر غالب کر دیں)۔ اب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی زندگی پر نظر ڈالیں تو بے شک و شبہ نظر آتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو اپنا نصب العین بنایا اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دیا۔

---

[1] ہم نے یہاں لفظ جہاد چھوڑ کر عمداً انقلاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کے لیے جس نظام کی ضرورت ہے اس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ لفظ جہاد میسر نہ رہنے کی حالت میں لفظ انقلاب سے بڑھ کر عوام کے لیے کوئی معنی خیز لفظ موجود نہیں ہے جو ہم استعمال کرسکیں۔ اگر ہم انقلاب کے تخیل کو اپنا لیں اور ہندوستان کے اندر اسے کامیاب بنالیں تو ہم اس سے اگلی منزل کی تیاری کرسکتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں اس کے بغیر آگے بڑھنے کا اس وقت کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ انقلاب کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ ہمارے نزدیک درجہ نو آبادی کا حصول ہے۔ (سندھی)

جماعت کا ذکر قرآن میں

اس کے بعد جماعت کو لیجئے:

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین) کی ایک خاص تعداد ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شروع سے آخر تک کام میں شریک رہی۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر عموماً حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ سورہ فتح میں ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (29:48) (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ اور ان کے ساتھی) اور سورۂ توبہ میں ہے کہ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (88:9) (محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ شریک ایمان ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اس آیت میں معین کیا گیا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (100:9)

(یعنی مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جو ان کی اچھی طرح پیروی کریں)۔

اس آیت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی جماعت کے دو حصے کئے گئے ہیں:

(1) وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار میں سے پہلے ایمان لائے ان کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

(2) وہ لوگ جو ان کی پوری پوری طرح پیروی کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کی پہلی جماعت کی پیروی کرتے رہیں گے۔

پروگرام: قرآنِ حکیم اور آپؐ کی تشریحات ہیں

اب پروگرام (کو) لیجئے:

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ حزب اللہ کہلاتا تھا۔ اس کا پروگرام وہی ہے جو قرآن حکیم نے دیا تھا۔ یہ جماعت اپنے فیصلے قرآن حکیم اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی تشریحات کے مطابق کرتی رہی۔ ان کے بعد جو لوگ ان کی پیروی پوری پوری طرح کریں گے (مُتَّبِعِیْنَ بِاِحْسَانٍ) وہ بھی قرآن حکیم اور تشریحات نبی کریم ﷺ کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اور جہاں نئے حالات میں نئی صورتیں پیدا ہوں وہ

اپنے متفق علیہ یا اغلبیت (متفقہ یا اکثریت) کے فیصلوں سے کام لیں گے۔ امیر اس جماعت میں سے ہوگا اور وہ اپنے رفقاء کے مشورے سے کام کرے گا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کے زمانے میں جسے امام الائمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خیرالقرون [1] قرار دیتے ہیں اسی طرز پر کام ہوتا رہا۔ اوراس سے سرمو تجاوز نہیں ہوا۔ اس کے بعد اختلافات کا ظہور ہونے لگا۔ اس لیے حضرت امامؒ کے نزدیک صرف حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت تک کا زمانہ قابل سند ہے۔

قرآن حکیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو سارا قرآن ان انقلابی اصولوں پر صحیح اترتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے پہلے پہل دنیا سے روشناس کرایا، انہوں نے اسے انقلابی رنگ ہی میں پیش کیا نہ کہ ارتقائی رنگ میں۔

صفحات مابعد میں سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی جو تشریح کی گئی ہے وہ انہیں اصولوں پر کی گئی ہے۔ (اَلْخَطَاءُ مِنِّیْ وَالصَّوَابُ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ)

قرآن حکیم نے جو انقلاب پیدا کیا وہ حقیقت میں کسریٰ ایران اور قیصر روم کے خلاف تھا [2]۔ اس وقت کی مہذب دنیا کا بہت بڑا حصہ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت آچکا تھا۔ چنانچہ کسریٰ ایران کی حکومت مشرق میں سرحد ہندوستان تک پہنچ چکی تھی اور قیصر روم کی حکومت مغرب میں انتہائے مراکش تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

[1] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''قرن اول زمان آنحضرت بو(صلی اللہ علیہ وسلم) از ہجرت تا وفات۔ و قرن ثانی زمان شیخین وقرن ثالث زمان ذی النورین۔ بعد ازاں اختلافہا پیدید آمد۔ فتنھا ظاہر گردید۔'' (ازالۃ الخفاء ص 121 وص 14) (یعنی قرن اول سے مراد حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک ہے جو ہجرت سے وفات تک ہے اور قرن دوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ ہے اور قرن سوم سے مراد حضرت عثمانؓ کا عہد ہے۔ اس کے بعد اختلافات اور فتنوں کا ظہور ہوگیا)۔

[2] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ لاجرم داعیہ ظہور دین حق و قصد انتقام از کفرہ فجرہ برہم زدنِ دولت کسریٰ و قیصر را آشیانہ خود گردانید تا چوں ایں ہر دو دولت برہم خورد اعظم ادیان موجودہ در شہر آنہا برہم خوردہ باشد (ازالۃ الخفاء ص 46) (یعنی لامحالہ دین کے ظہور اور قانون شکن کفار سے انتقام کے عزم سے مراد کسریٰ و قیصر کی حکومت کی تباہی تھی کہ یہ دونوں حکومتیں تباہ ہو جائیں گی تو موجودہ دینوں میں سے بڑے دین خود بخود تباہ ہو جائیں گے۔)

اس عظیم الشان خطے میں انسانوں کی بہت وسیع آبادی موجود تھی۔ لیکن وہ انسانیت کے حقوق سے محروم کر دی گئی تھی۔ امیروں، جاگیرداروں اور شاہی خاندانوں نے مل کر کسانوں تاجروں اور پیشہ ور لوگوں کو اس بری طرح لوٹنا کھسوٹنا شروع کر رکھا تھا کہ وہ بیچارے گدھوں اور بیلوں کی حالت تک پہنچ گئے تھے۔ جن کو صرف اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے کہ انسان کے کام آتے ہیں۔ سیاسی گروہ کے ساتھ علمی اور مذہبی گروہ نے بھی گویا ''سازش'' کر رکھی تھی۔ اور یہ آخرالذکر گروہ عوام کو اپنے حال پر مطمئن رکھنے کے لیے مذہب سے تلقین بہم پہنچاتا تھا۔ اور اس کام کی اجرت کے طور پر سیاسی گروہ کی لوٹ کھسوٹ میں سے حصہ پاتا تھا۔ بیچارے عوام چکی کے ان دو پاٹوں---- اقتصادی سرمایہ داری اور علمی سرمایہ داری---- کے بیچ میں پس کر رہ گئے تھے۔ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ان کی حالت کا دردناک نقشہ حجۃ اللہ البالغہ میں کھینچا ہے۔ وہ چشم عبرت بیں کے لیے دیدہ کشا ہے۔

ان حالات کا چربہ اس زمانے میں مکے کی زندگی میں وہاں کے فارغ البال لوگوں نے پیدا کر رکھا تھا۔ یہاں بھی رؤسا کا ایک طبقہ تھا جس نے عوام الناس کو اقتصادی لحاظ سے اور ''پروہتوں'' کے گروہ نے ذہنی لحاظ سے غلام بنا رکھا تھا۔

دنیا کی یہ حالت تھی جب حضرت نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ قرآن حکیم اس حالت کا نقشہ ان بلیغ الفاظ میں کھینچتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم 41:30)

(لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے خشکی و تری میں فساد برپا ہو چکا تھا)

اس کے متعلق امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا عَظُمَتْ هٰذِهِ الْمُصِيبَةُ وَاشْتَدَّا هٰذَا الْمَرْضُ سَخِطَ عَلَيْهِمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَكَانَ رِضَاهُ تَعَالٰى فِي مُعَالَجَةِ هٰذَا الْمَرْضِ بِقَطْعِ مَادَّتِهٖ

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 106)

(یعنی جب یہ مصیبت یعنی (اقتصادی لوٹ کھسوٹ) حد کو پہنچ گئی اور مرض نے شدت پکڑی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے سخت ناراض ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت نے فیصلہ کیا کہ اب اس میں اصلاح حال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس لیے اس مرض سے انسانیت کو نجات دلانے کے لیے اس کا مادہ--- کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں--- ہی جسم انسانیت سے کاٹ کر پھینک دیا جائے)۔

اس انقلاب عظیم کے برپا کرنے کے لیے

بَعَثَ نَبِيًّا اُمِّيًّا صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ لَمْ يُخَالِطِ الْعَجَمَ وَالرُّوْمَ وَلَمْ يَتَرَسَّمْ بِرُسُوْمٍ وَجَعَلَهٗ مِيْزَانًا يُعْرَفُ بِهٖ الْهَدْىُ الصَّالِحُ الْمَرْضِيُّ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ الْمَرْضِيِّ ----- وَقَضٰى بِزَوَالِ دَوْلَتِهِمْ بِدَوْلَتِهٖ وَرِيَاسَتِهِمْ بِرِيَاسَتِهٖ بِاَنَّهٗ' هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ' وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ' (ایضاً)

''اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو مبعوث فرمایا جو اُمّی تھا (ﷺ) اور جو ایرانی اور رومی رسم و رواج سے آزاد تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سیرۃ صالح کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے معیار مقرر کیا تا کہ اسے دیکھ کر ناپسندیدہ کا علم ہو---- اور فیصلہ کیا کہ اس نبیؐ کی حکومت کے ذریعے سے کسریٰ و قیصر کی حکومتوں اور اس کی لیڈرشپ کے ذریعے سے ان کی لیڈرشپ کو ختم کر دیا جائے تا کہ کسریٰ و قیصر فنا ہو جائیں اور پھر ان کی کسرویت و قیصریت نہ رہے۔''

آج یورپ میں اور اس کے سیاسی اور فکری محکوم ملکوں میں چند بالائی طبقوں کی مالی بلندی اور عوام کی معاشی پستی کی جو حالت ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اخروی زندگی سے جو ''بے نیازی'' اور غفلت ہے، وہ رومی اور ایرانی حکومتوں کے بالکل مشابہ ہے۔ اور ان بالائی طبقوں کی ذہنیت اور عوام سے انتفاع کے اصول وہی ہیں جو ان دو حکومتوں میں تھے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

وَمَا تَرَاهُ' مَنْ مُلُوكِ بِلَادِكَ بُغْنِيكَ عَنْ حِكَايَاتِهِمْ (حجۃ اللہ ایضاً)

(یعنی تمہارے اپنے ملک کے امراء اور حکام کی جو حالت ہے اسے دیکھ لو تو تمہیں دوسرے ملکوں کے امراء اور حکام کی حالت دیکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی)۔

یہ فقرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے جتنا امام ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے میں تھا۔ آج بھی ہندوستان کی وہی حالت ہے کہ ایک طرف ایک چھوٹا سا سرمایہ دار اور سرمایہ پرست طبقہ ہے جس کی آمدنی ہزاروں سے لے کر کروڑوں تک ہے۔ دوسری طرف وسیع مفلس طبقہ ہے۔

جس کی آمدنی صرف چند آنے ماہانہ ہے۔ طبقہ بالادست نے زیردست طبقے کو قابو میں کیا ہوا ہے اور زیردست طبقہ اپنے انسانی حقوق کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کی طاقت رکھنا تو ایک طرف، یہ سمجھنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا کہ اس کے انسانی حقوق کیا ہیں؟ اور اس کے فرائض کیا ہیں؟

قرآن حکیم نے آ کر بتایا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ بلا امتیاز سب انسانوں کے لیے ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تم سب کے لیے ہے) انسانوں کے کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے ہر ایک شخص کو اس میں سے اس کی ضرورت کے مطابق حصہ ملنا چاہیے۔ جو لوگ ذرائع پیداوار پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور محتاجوں کو ان کی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتے وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کر کے کس بلند درجے پر پہنچ سکتے ہیں اور اب ٹھیک طرح استعمال نہ کر کے کس گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سوسائٹی کے ایک بڑے حصے کی ضرورتوں سے انسان کس طرح اندھا ہو جاتا ہے اور پھر اس غفلت سے کس قدر نقصان اٹھاتا ہے!

اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ فارغ البال لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں اپنے محتاج بھائیوں کی خبر گیری کریں لیکن کسی محتاج کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبر گیری میں داخل نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو لکڑیاں بیچ کر خود کمانا سکھایا۔ یہ ہے اصل میں محتاجوں کی خبر گیری کرنا۔ آج کل ہماری سوسائٹی میں جس ذلیل طریق سے محتاجوں کو ٹکڑا دیا جاتا ہے یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ محتاجوں کی خبر گیری کے لیے جابجا منظّم محتاج خانے ہوں۔ جہاں محتاجوں کو اس طرح کھلایا پلایا جائے کہ ان کی انسانیت کو صدمہ نہ پہنچے۔ اور جو لوگ کام کر سکتے ہیں ان کے لیے کام بہم پہنچایا جائے یا ضرورت ہو تو ان کے لیے آلاتِ کار بہم پہنچائے جائیں۔ یہ ہے ان کی خبر گیری۔

اس انقلاب کے لیے قرآن حکیم مساکین کی اجتماعی تنظیم کا پروگرام پیش کرتا ہے۔

قرآن حکیم کمزور انسانی افراد کو انسانی اجتماع میں یہ حقوق کیوں دیتا ہے؟ یعنی وہ

مرفہ الحال (خوش حال) لوگوں کو کیوں مجبور کرتا ہے کہ اپنی کمائی میں سے ایک حصہ محتاجوں اور مسکینوں کے لیے ضرور نکالیں جو ان کا حق قرار دیا گیا ہے؟1 اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرد انسانی کی ساخت کچھ ایسی رکھی ہے کہ وہ اجتماع ہی میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ انفرادی زندگی میں اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا موقعہ نہیں ملتا اور وہ جامد (Inactive) ہوکر رہ جاتا ہے۔ فرد کی حالتِ انجماد کا اثر اجتماع انسانی کے دوسرے افراد پر خودبخود پڑتا رہتا ہے۔ اس لیے اجتماع کو ان مضر اثرات سے بچانے کے لیے افراد کی خبرگیری ضروری ہے۔ جو اجتماع محتاجوں کی خبرگیری نہیں کرتا وہ توڑ دینے کے قابل ہے۔ اصل میں اس کا نام ''اجتماع'' رکھنا ہی ظلم ہے۔ اجتماع فقط افراد کی خبرگیری کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ افراد کی خبرگیری نہیں کرتا تو وہ برباد کردیئے جانے کے لائق ہے۔

محتاجوں کی خبرگیری کے لیے قرآن حکیم نے زکوٰۃ مقرر کی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ زکوٰۃ کا موجودہ نصاب اس زمانے میں مقرر ہوا تھا جب بیت المال عام لوگوں کی خبرگیری کرنے پر قادر تھا۔ اگر مسلمانوں کی زکوٰۃ کی آمدنی افراد کی خبرگیری کے لیے ناکافی ہو تو ہر ایک سرمایہ دار کا سارے کا سارا سرمایہ لے کر اس کام میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

افراد کو اجتماع میں رکھ کر قرآن حکیم ان کے اندر بعض اخلاق2 کی تکمیل کرنی چاہتا ہے۔ ان اخلاق کی تکمیل سے انسان کے نفس کے اندر ایسی کیفیات جمع ہو جاتی ہیں جن کا مجموعہ (Sum Total) انسانی معاشرے (Society) کو بلند کر دیتا ہے۔ اور یہی کیفیات اس کے مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لیے مفید ثابت ہوتی ہیں۔

---

1. وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْم (یہ اس شخص کا حق ہے جس کی حالت سوال تک پہنچ جائے اور جو اسباب معاش سے محروم ہوگیا ہو) (الذاریات 51:19)

2. امام الائمہ امام ولی اللہ کے نزدیک قرآن جن اخلاق کی تکمیل چاہتا ہے وہ چار اساسی اخلاق ہیں یعنی (1) اخبات (2) طہارت (3) سماحت (4) عدالت۔ ان کی تفصیل کے لیے ان کے رسالہ ہمعات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کا اجمالی ذکر سورۂ مدثر میں بھی کیا گیا ہے۔

امام ولی اللہؒ انسان کی زندگی کو ایک اکائی مانتے ہیں۔ جس کا ایک حصہ اس دنیاوی زندگی میں گزارا جاتا ہے اور دوسرا حصہ اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے اوپر بھی ترقی جاری رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی سوسائٹی میں رہتا ہوا اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے جو اثرات اپنے نفس کے اندر جمع کرتا ہے۔ وہی اگلی زندگی میں جا کر اس کے لیے جنت کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہ اعمال بد اور اخلاق رذیلہ کے جو اثرات جمع کر لیتا ہے وہ اس کے لیے جہنم کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔

پس قرآنی انقلاب کا منشا صرف یہ ہے کہ معاشرۂ انسانی میں اچھے اخلاق کی حکومت ہو۔ یعنی وہ جماعت حکمرانی کرے، جو قرآن کے تجویز کردہ مذکورہ بالا اخلاق لوگوں میں پیدا کرے۔ قرآن حکیم یہ اخلاق خارج سے انسانوں کے سر تھوپتا نہیں بلکہ یہ اخلاق خود فطرت انسانی کے تقاضے ہیں۔ جن کو اسے سوسائٹی میں رہ کر پایہ تکمیل کو پہنچانا چاہیے۔ قرآن حکیم ان اخلاق کے لیے مشق کے طریقے بھی تجویز کرتا ہے اور مواقع بھی بہم پہنچاتا ہے۔ جو جماعت یہ اخلاق اپنے اندر پیدا کرے گی وہ بدنی حوالے سے اَخلاقی اور عملی طہارت کو اپنا شعار بنائے گی۔ وہ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے گی اور اسباب کو استعمال کرتی ہوئی بھی صرف خدا پر بھروسہ کرے گی۔ اور اس کام سے وہ کوئی ذاتی نفع جوئی نہیں کرے گی۔ بلکہ اس کا مطمح نظر صرف خدمت خلق (محتاجوں کی خدمت) ہوگا۔ کیونکہ یہ خوشنودیٔ خدا کا موجب ہے۔ اس غرض کے حصول کے لیے وہ ایسا عدل قائم کرے گی، جو سوسائٹی کے کسی خاص طبقے کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ سب طبقات کی ضرورتیں پوری کرنے کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ وہ ذی استطاعت لوگوں پر حسب ضرورت ٹیکس لگائے گی۔ اور اس طرح جو آمدنی ہوگی وہ مساکین اور غربا میں تقسیم کرے گی۔

یہ قرآنی انقلابی جماعت جب برسر اقتدار آئے گی تو وہ یقیناً ان لوگوں سے باز پرس کرے گی جو عدالت کی راہ میں حائل ہوں گے یا جو طہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ کی خلاف ورزی کریں گے۔ اور عوام کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے چھوٹے سے چھوٹے راستے--- صراط مستقیم--- سے روکیں گے۔ یہ جماعت ہر ملک میں پہلے

قومی پیمانے پر کام کرے گی۔ لیکن انسانیت کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گی۔ اور بین الاقوامی خلافت کے مقام پر پہنچ کر بھی کسی خاص قوم یا طبقے کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر کام نہ کرے گی بلکہ تمام نوع انسان کی انسانی ضرورتوں کے مطابق حکم کرے گی۔ اس جماعت کی پیدا کردہ قومیتیں صحیح بین الاقوامی اجتماع پیدا کرنے کا باعث بنیں گی۔

یہ ہے وہ بین الاقوامی انقلاب جو قرآن حکیم پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی مدعا ہے اس دعا کا جو ہر انسان کو مانگنی چاہیے کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (74:25) (ہم کو بین الاقوامی انصاف کرنے والوں کا لیڈر بنا)۔

قرآن حکیم نے جس بین الاقوامی انقلاب کی طرح ڈالی۔ اس سے پہلے سینکڑوں قومی انقلابات ہر ملک اور ہر قوم میں آئے۔ لیکن قرآن حکیم جس نوعیت کا جامع انقلاب لانا چاہتا ہے، اس نوعیت کا انقلاب اب تک رونما نہ ہوا تھا۔ اس لیے اس کی نوعیت کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ اگر قرآن حکیم کسی خاص ملک یا قوم کے مقامی انقلاب کو عنوان بنا کر اپنے بین الاقوامی انقلاب کا تصور دلاتا تو اس بین الاقوامی انقلاب کے خدوخال پوری طرح ذہن نشین نہ ہوسکتے۔ کیونکہ ایک قوم کے قومی انقلاب کو صرف وہی قوم سمجھ سکتی ہے جس میں وہ انقلاب آیا۔ دوسری قومیں اسے نہیں سمجھ سکتیں اور نہ اس سے عبرت حاصل کرسکتی ہیں۔

ان حالات میں قرآن کے لیے ضروری تھا کہ اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لیے کسی ایسے فکر کو عنوان بناتا جو تمام اقوام میں معروف ہوتا۔ وہ قیامت کا فکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز یہ کائنات منتشر ہو جائے گی۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ تمام انسانوں سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ یہ فکر بادنیٰ تبدیلی تمام اقوام عالم میں مسلّم ہے اور مسلّم رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک یہودیوں اور عیسائیوں کی بدولت یہ فکر مہذب دنیا کے ایک بہت بڑے طبقے میں روشناس ہو چکا تھا۔ پھر ہندوؤں میں بھی ''پرلے'' کا مسئلہ اس فکر کے قریب قریب موجود ہے۔ اور اس طرح تمام دیگر اقوام میں یہ فکر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ قرآن نے اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لیے اسی فکر کو ذریعہ

بنایا۔

اس طرح قرآن حکیم یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح نوع انسان پر ایک دن آنے والا ہے جب اس کے افراد سے اس بارے میں باز پرس کی جائے گی کہ طاقتوروں نے کمزوروں کے حقوق کہاں تک ادا کیئے اور کمزوروں کی خدمت کتنی کی۔ اسی طرح دنیا میں قرآن حکیم کی علمبردار جماعت انہی اصولوں پر طاقتوروں سے باز پرس کرے گی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی پہلی تقریر میں جو انہوں نے عہدۂ خلافت پر قائم ہوتے وقت کی، فرمایا:

''تم میں سے ہر کمزور طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلاؤں اور ہر طاقتور کمزور ہے جب تک اس سے کمزور کا حق نہ لیا جائے۔''

یہ انقلابی جماعت ساری نوع انسان کے جملہ مفادات کی محافظ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے عالمگیر یا انسانیت گیر انقلاب کی تشبیہ قیامت کے کائنات گیر انقلاب کے سوا اور کس انقلاب سے دی جاسکتی تھی؟ مگر افسوس ہے کہ اس انقلاب اور قیامت کا جو ربط ہے اسے سوچنے والے عالم بہت کم ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے انسانیت گیر حادثے سے پہلے قرآن کے جامع اور کامل انسانیت گیر انقلاب کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ انسانی مجامع کے اندر ایک ایسی بین الاقوامیت پیدا ہو جس میں تمام اقوام عالم شامل ہوں اور اس مرکزی ادارے کے اوپر جو اقوام کو کنٹرول کرے، قرآن حاکم ہو۔ دنیا نے ایک مرتبہ یہ نظارہ حجاز میں دیکھ لیا ہے اور دوبارہ پھر دیکھے گی، جب (قرآن پر ایمان لانے والی جماعت) اسے قائم کرنا اپنا فرض بنا لے گی۔ اور اب کے اس تحریک کا آغاز اس جگہ سے ہوگا جہاں قرآن کا علم و فہم سب سے زیادہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے مفسرین جب قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں تو عموماً قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو بعض خاص واقعات و اشخاص سے وابستہ کر کے تشریح کر ڈالتے ہیں اور اسے شان نزول کا بیان کہتے ہیں۔ چنانچہ اگلے صفحات میں جن دو سورتوں کی تشریح کی گئی ہے ان کی بعض آیات کی توضیح مفسرین نے شخصی واقعات ہی

کے رنگ میں کی ہے۔ اس بارے میں ہم امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک کے تابع ہیں جو فرماتے ہیں کہ:

''خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے سوائے اُن بعض آیات کے جن میں کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہو، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا۔ کیونکہ سننے والے کے دل میں اشارے سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جاتا ہے جو قصے کی تفصیل معلوم کئے بغیر دور نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔'' (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص 13 الباب الاول)

مثلاً سورۂ مدثر میں آیات نمبر 8-25 میں سرمایہ پرست اشخاص کا نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کیا گیا ہے۔ ان آیات کو نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ایک منکر ولید بن مغیرہ سے وابستہ کر کے فارغ ہو جانا کافی نہیں۔ بلکہ ان آیات کو ہر زمانے پر چسپاں کر کے دیکھا جائے اور ہر شخص اپنی ذہنیت کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ وہ کہاں تک اس سرمایہ پرستانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس دور میں جب ہمارے امرا نے عوام کی طرف سے جواب طلبی سے بچنے کی کوشش کی، بعض علماء نے ان آیات کو عہد نبوی کے اشخاص و واقعات سے وابستہ کر کے عوام میں یہ غلط تصور پیدا کر دیا کہ ان آیات کا اطلاق عام نہیں ہوسکتا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس ذہنیت کے پیدا کر دینے کے ساتھ ہی اس قسم کی تعلیم بھی دینی شروع کر دی کہ ''مَا اَقَامُوْا الصَّلٰوۃ فَاذُ فَعُوْھَا ای الزکٰوۃ اِلَیْھِمْ'' (یعنی جب تک امراء اور حکام صرف نماز پڑھتے رہیں ان کو زکوٰۃ ادا کرتے رہو)۔ ان کو معلوم نہیں کہ جو امیر ہو کر محتاجوں کی خدمت نہیں کرتا وہ روح زکوٰۃ کا منکر ہے اور ایسے شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس لیے تنہا نماز قائم کرنے کو دین کا مدار نہیں بنایا گیا۔ اس کے لیے یہ آیت کریمہ سامنے رکھنی چاہیے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ (یعنی ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں خالص کر کے اس کے واسطے بندگی، ابراہیمؑ کی راہ پر اور قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی)۔ (سورہ بینہ 5:98)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امراء تو اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے کیا باز آتے، عوام کو ٹیکس ادا کرتے رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جن سے امراء عیش بلکہ عیاشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور رفتہ رفتہ عوام کے دلوں سے انقلاب کا تصور اور امراء سے جواب طلبی کا وہم تک جاتا رہا۔ حالانکہ بقول علامہ جصاص الرازی الحنفی ''حضرت نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا واجب تھا۔'' (احکام القرآن، ج 1 ص 41)
ضرورت ہے کہ آج پھر مسلمان اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرلیں کہ ہمارے ملک کے امراء اور حکام ہمارے آگے جواب دہ ہیں۔ یہ کلمہ حکمت ہے جسے اہل امریکہ نے ایک حد تک سمجھا اور اعلان کیا کہ (No Taxation without representation) (جو لوگ ہمارے سامنے جوابدہ نہیں ہیں ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ کوئی ٹیکس وصول کریں)۔ شہریت (Citizenshipt) کا یہ وہ ابتدائی اصول ہے جس کی معقول ترین صورت اسلام نے پارٹی پالیٹکس (Party Politics) کی شکل میں پیش کی ہے اور جس کی عملی شکل خلافت راشدہ کا عہد مبارک تھا۔

الغرض قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ اس انقلاب کا پہلا مطمح نظر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی بربادی تھی۔ اور اس کا دائمی منشاء اس کے قانون کا غلبہ ہے جس کا ایک اہم ذریعہ مساکین کی تنظیم ہے۔ یہ وہ حشر خیز اصول ہے جس سے دنیا میں قرآنی انقلاب کی قیامت صغریٰ برپا ہوتی ہے۔ اور جس کے بعد قرآن کی حامل جماعت فارغ البال غاصب طبقوں سے جواب طلبی کرتی ہے۔ حجاز میں یہ نمونہ انقلاب ایک دفعہ رونما ہو چکا ہے۔ جس کی آخری لہریں بعض ملکوں میں اب تک ہچکولے لے رہی ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانیت کے کچلے ہوئے طبقات میں ظاہر ہوا ہے اور اب پھر ایسے ہی طبقات میں گھر کر رہ گیا ہے اور اگر مسلمان ہوشیار ہو گئے تو دنیا

کو ایک انقلاب عظیم کی توقع رکھنی چاہیے۔ جو نہ صرف جامع ہوگا بلکہ عالمگیر بھی ہوگا۔ اور وہ انقلاب قرآن حکیم کے اصولوں پر ہوگا۔ ممکن ہے کہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کا ہندوستانی مسلمان بھی اس انقلاب میں اچھا خاصا حصہ لے۔ اب ہمارے ملک کے حاملین قرآن کا فرض ہے کہ وہ زمانے کی نبض پہچانیں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کو سمجھ کر قرآن حکیم کو اپنائیں جو اس دورِ حکمت میں جامع اور عالمگیر انقلاب برپا کرنے والی واحد کتاب ہے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ اِنْ مَكَّنَ اللّٰهُ فِي الْاَرْضِ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○

دارالرشاد، گوٹھ پیر جھنڈا

ضلع حیدر آباد (سندھ)

944ء ہندی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ مزمل (مکی)

تمہید سورت

پیرایہ آغاز:

انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

فطرت انسانی کے تقاضے---- خدا پرستی---- سے انکار کرنے والے سرکشوں کی گردن توڑنے والا انقلاب! فطرت انسانی کی تکمیل کرنے والی کمزور قوموں کو سربلند کرنے والا انقلاب! ظالموں سے باز پرس کرنے والا انقلاب! اجتماع انسانی کو مادی اور روحانی امراض سے پاک کرنے والا انقلاب! فطرت انسانی کا وہ گوہر نایاب ہے جسے وہ کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتی!

معاشرۂ انسانی اپنے ابتدائی دور میں ایک خاص نہج پر چل رہا تھا کہ نباضِ فطرتِ انسانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے نئی ترقی یافتہ بنیادوں پر قائم کیا۔ ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی اصولوں پر کام کیا جن کی طرح انبیاء کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈال گئے تھے۔

صدیاں گزر گئیں! ابراہیمی انقلاب کے اصول تجربے میں آتے آتے انسانیت میں مسلم ہوگئے اور ترقی یافتہ نوع انسان نے ان کے مطابق فطرت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

اب انسانی رہنمائی کے لیے آخری اور دائمی ہدایت نامے کی ضرورت تھی جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی شکل میں لائے۔ اس میں وہ تمام اصول حیات اور ضوابط جمع کر دیئے گئے ہیں جن پر انسانی فطرت قائم ہے۔ ان کو بروئے کار لانے اور روئے زمین پر مستحکم طور پر قائم کرنے کے لیے جن ابتدائی قواعد کی ضرورت ہے ان میں سے چند سورۂ مزمل میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں پر پہلے جزیرہ عرب میں اور پھر اہل عرب کی مدد سے دنیا کے باقی حصوں میں انقلاب برپا ہوا۔

قرآن کیا ہے؟

چیست قرآن، خواجہ را پیغام مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

(اقبال)

(کیا ہے قرآن؟ سرمایہ دار کے لیے پیغامِ موت ہے، اور بے سروسامان بندہ کا ہاتھ پکڑنے والا ہے)

سورۃ المزّمّل (73)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ
الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ
قِيْلًا ؕ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ
هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ﴿۱۲﴾
وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۗ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا
مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ﴿۱۵﴾
فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا
يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۖۗ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ
فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ
وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ
اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ مزمل

رفقاءِ انقلاب کی تیاری

آیت نمبر 1: يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''اے مزمل۔''

المزّمل کی تشریحات

لفظ مزمل کی کئی تشریحات کی گئی ہیں بعض نے اس کے معنی کئے ہیں۔ اَلْـمُـزَّمِّلُ فِیْ ثَوْبِہٖ وَذَالِکَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتَعَارَۃِ کِنَایَۃً عَنِ الْمُقَصِّرِ وَالْمُتَھَاوِنِ بِالْاَمْرِ وَتَعْرِیْضاً بِہٖ (مفردات القرآن للراغب الاصفہانی) (یعنی کپڑوں میں لپٹا ہوا جو بطور استعارہ ہے اور اس میں کنایہ اس طرف ہے کہ وہ شخص کام کرنے میں قصور کرتا ہے اور سستی سے کام لیتا ہے اور یہ اسے گویا تعریض کے طور پر کہا گیا ہے)۔

لیکن اس شخص کے متعلق جو اپنے فکر اور اپنی قوّت کے ساتھ انسانیت عامہ کو ترقی دینے، خلق اللہ کی خدمت کرنے اور ان کا تعلق اللہ سے جوڑنے کے لیے اتنا بے تاب تھا کہ قرآن حکیم کو کہنا پڑا کہ

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ (الشعراء 3:26)

(یعنی یہ جو تیرے پیش کردہ لائحہ حیات (Programme of Life) کو نہیں مانتے تو کیا ان کی خاطر اپنی جان ہلکان کر ڈالے گا؟)۔

اور جس کا یہ حال تھا کہ اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت دکھانے کا بوجھ اٹھائے اس کی کمر دُہری ہوئی جاتی تھی۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الانشراح 94:3-2)

ترجمہ: ''اور ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا جس نے تیری کمر کو دہرا کر رکھا تھا۔''

اور جو لوگوں کو راہ راست پر لانے کے راستے معلوم کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (93:7)

ترجمہ: ''اور اس نے تجھے تلاش میں گم پایا اور پھر تجھے ہدایت دی۔''

اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے کام میں سُست اور کاہل تھا۔

ع یہ سوءِ ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

پس لفظ مزّمّل کے وہ معنی لیے جانے چاہئیں جو اس سورت اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔

المزّمّل کی پہلی تشریح

(1) (الف) موطا امام مالکؒ میں ایک روایت آتی ہے کہ:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ، اَنَا مُحَمَّدٌ، وَاَنَا اَحْمَدُ، وَاَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يَمْحُوا اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيَّ، وَاَنَا الْعَاقِبُ

''یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں۔ میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں۔'' (موطا امام مالک، ص736)

علماء کرام نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بیسیوں نام گنوائے ہیں، تو ان پانچ ناموں کی خصوصیت کیا ہے؟ ذرا تامّل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ نام ہیں جو قرآن

حکیم میں آئے ہیں، چنانچہ محمد اور احمد تو صاف مذکور ہیں:

(1) انا محمد: سورۂ فتح میں ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ (الفتح: 48-29)

(2) انا احمد: سورۂ صف میں ہے: يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ (الصّف:61:6)

(3) انا ''الحاشر'' کے معنی

الحاشر کی تشریح کرتے ہوئے امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

قِيۡـلَ مَـعۡنٰى قَوۡلِهٖ عَلٰى قَدَمَىَّ اَنَّهٗ اِمَـامُـهُـمۡ يَوۡمَ الۡحَشۡرِ يَحۡتَاجُوۡنَ اِلَى شَفَاعَتِهٖ (المسویٰ جلد 2 ص 516 باب اسماء النبی ﷺ)

یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کہ ''میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے'' کے یہ معنی ہیں کہ وہ (آپؐ) یوم حشر میں ان کے امام ہوں گے اور وہ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ الحاشر کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ:

وَحُشِرَ لِسُلَيۡمٰنَ جُنُوۡدُهٗ (النمل :17:27)

ترجمہ: ''یعنی سلیمان علیہ السلام کے لیے اس کے لشکر جمع کئے گئے۔''

نیز قرآن حکیم میں الحشر نام کی ایک سورت بھی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

هُوَ الَّذِىۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ (سورۂ حشر: 2:59)

حضرت امام الائمہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''اوست آنکہ برآورد آناں راکہ کافر شدند از اہل کتاب از خانہائے ایشاں در اوّل جمع کردن لشکر (فتح الرحمٰن)

(یعنی وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلی مرتبہ لشکر جمع کرنے کے وقت میں گھر سے نکالا)

یہاں اول الحشر سے مراد نبی اکرم ﷺ کا پہلا جارحانہ (اقدامی) حملہ ہے جو

آپ نے 4ھ میں بنی نضیر 1؎ پر کیا۔ گویا الحاشر کے معنی ہیں لوگوں کو جمع کرنے والا۔ اسی طرح المزّمّل کے معنی ہیں زمیلوں (دوستوں اور رفقاء) کو جمع کرنے والا یعنی قرآن کی انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے انقلابی عناصر کو جمع کرنے والا یا اس تحریک کے لیے جس قسم کے رفقاء کار کی ضرورت ہے اس قسم کے رفیق جمع کرنے والا۔ 2؎

نبی اکرم ﷺ زمیل (رفقاء) تیار کریں گے

(ب) اب لفظ ''المزّمّل'' پر ایک اور نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالیے:

اونٹ کے کجاوے میں عموماً دو آدمی سوار ہوا کرتے ہیں۔ ایک، ایک طرف اور دوسرا، دوسری طرف تاکہ بوجھ دونوں طرف برابر رہے۔ ان کو ایک دوسرے کے زمیل کہتے ہیں۔ اور مُزاملہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کا زمیل بننا۔ پس لغوی اعتبار سے بھی مزّمّل کے معنی ہوئے زمیل یعنی رفقاء راہ تیار کرنے والا۔ یعنی جتنا قرآن آپؐ سمجھتے ہیں اتنا ہی دوسرے کو سمجھا کر انسانیت کی خدمت کے لیے تیار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ جس محنت و مشقت سے وہ (آپؐ) خود اپنے نصب العین کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں اسی محنت و مشقت سے آپ کے ساتھی بھی اسے کامیاب بنائیں۔

لفظ مزّمّل میں مبالغہ بھی پایا جاتا ہے جس سے کثرت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی کثرت سے زمیل---- رفقاء راہ---- تیار کرنے والا۔ گویا جو شخص آپؐ سے ایک

1؎ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جنگیں مدافعانہ تھیں جارحانہ نہ تھیں۔ عیسائی مشنری (Missionaries) یہ پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اسلام وحشیانہ مذہب ہے جس میں قتل و خونریزی اور غارت گری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر مسلمان علماء نے بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں یہ نظریہ پیش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی جنگیں ہمیشہ مدافعانہ رہی ہیں۔ اس نے کبھی کوئی جارحانہ حملہ نہیں کیا۔ مگر درحقیقت یہ رکیک عذرداری سے بڑھ کر نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام میں جنگ جائز ہے یا نہیں؟ اگر اسلام جنگ کو جائز قرار دیتا ہے (اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ وہ جنگ کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتا ہے) تو اس کے بعد یہ افسر جنگ کے اختیار تمیزی (Discretion) پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر حملہ کرے یا غنیم کے حملے کی محض مدافعت کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کا قرآن کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔

2؎ الماحی کے لیے دیکھو سورۂ المدثر میں لفظ مدثر کی تشریح اور العاقب کے معنی حضرت امام الائمہ نے بیان کئے ہیں کہ آپ آخری نبی یعنی خاتم النبیین ﷺ ہیں۔

آیت[1] بھی سیکھ لیتا ہے وہ اسی حد تک آپؐ کا زمیل (رفیق) بن جاتا ہے۔

یہ جو زمیل تیار ہوں گے یہی آگے چل کر آپؐ کی فوج کے سپاہی بن جائیں گے۔ اور پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی نیابت کریں گے۔ اور خلافت چلائیں گے۔ اس تزمیل سے اجتماع (الحشر) پیدا ہوگا۔

جملہ معترضہ

انقلاب کے لیے شروع میں رفقاء ہی تیار کیئے جاتے ہیں

جب حکومت منظّم ہو جاتی ہے تو آدمی دو قسم کے ہو جاتے ہیں۔ یعنی:

حکم دینے والے اور

حکم ماننے والے۔

لیکن نئی حکومت پیدا کرنے کے لیے جو انقلاب پیدا کیا جاتا ہے اس میں شروع شروع میں اس قسم کی تمیز نہیں ہوسکتی

پہلی منزل میں صرف رفیق (Colleagues) تیار کیئے جاتے ہیں۔ مثلاً دو آدمی اپنے اپنے گھر سے کسی سمت کو سفر کرنے کے لیے نکلتے ہیں دونوں راستے میں مل جاتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے رفیقِ راہ ہیں، ان میں حقیقی معنوں میں کوئی افسری ماتحتی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انقلاب کی ابتدا میں صرف رفقائے راہ تیار کیئے جاسکتے ہیں۔

اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ سب کے سامنے ایک نصب العین (Ideal) کھلے لفظوں میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس کو کامیاب بنانے کے لیے جو راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے وہ سخت خطرناک ہوتا ہے۔ سوسائٹی ان کے نصب العین کو پسند نہیں کرتی۔ ان کے گھر کے عزیز و اقارب تک دشمن ہو جاتے ہیں۔ محلے والے دشمن ہو جاتے ہیں، گاؤں اور شہر والے دشمن ہو جاتے ہیں، پھر سارا ملک دشمن ہو جاتا ہے اور اگر ملک میں کوئی حکومت ہو تو وہ بھی ان کی دشمن بن جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اپنے نصب العین کی کامیابی کے لیے ان سب کی مجموعی دشمنی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر انقلابی کارکن یہ

---

[1] ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (یعنی ایک آیت بھی مجھ سے سیکھ جاؤ تو اس کی آگے تبلیغ کرو)۔

سب کچھ سمجھ کر محسوس کرلیں کہ ان کا نصب العین اتنا دلچسپ اور بلند ہے کہ وہ اس کے لیے ان سب عداوتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرسکیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنا مال، اپنی جان، اپنے بیوی بچے، اپنے عزیز و اقارب اپنا تمام مال و متاع---- غرضیکہ سب کچھ قربان کر دیں گے تو ان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

اس راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مخالف حکومت کا ہوتا ہے۔ لیکن وہ کیا کرسکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ پھانسی دے دے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں مصری جادوگر آئے۔ لیکن جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو انہوں نے کیا کہا تھا؟ یہی نا کہ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقۡضِیۡ ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا (72:20) (یعنی اے فرعون! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم تجھے ان دلائل و براہین کے مقابلے میں، جو ہم سمجھ چکے ہیں، ترجیح دینے لگیں اور تجھے اس ذات واحد سے بالاتر سمجھنے لگیں جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو جو کچھ کرسکتا ہے کرگزر، اور حقیقت میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تو ہماری اس چند روزہ دنیاوی زندگی کے متعلق کچھ کرسکتا ہے۔ تو جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کرگزر)۔

الغرض ایک انقلابی گھر میں بیٹھ کر ایک بلند مقصد کے حصول کے لیے فیصلہ کرتا ہے۔ اور پھر اس نصب العین کو لے کر گھر سے نکلتا ہے۔ وہ تلاش کرتا ہے تو اس نصب العین کے شیدائی کئی اور بھی مل جاتے ہیں۔ یہ اس کے رفقاء کار ہیں۔ جب یہ لوگ آپس میں ملتے ہیں، ایک دوسرے کو ہم خیال پا کر اجتماعی طور پر کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک سوسائٹی (Society) پیدا ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی پہلی منزل

اس مرحلے پر سب سے مشکل چیز کیا ہوتی ہے؟ وہ یہ کہ

(1) ایک صاف تخیل (Ideal) پیش کر کے (اس پر قائم رہنے کا) فیصلہ کرانا اور

(2) پھر اسے قبول کر کے چل نکلیں تو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنا۔ یہ رفقاء سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے۔ فکر کو عمل میں لانے کے لیے جذبے

کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں۔ انقلابی تخیل صاف ہو تو یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی دوسری منزل

اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ

(1) تخیل (Ideal) کو ساتھیوں کے ذہنوں کی انتہا تک پہنچا دیا جائے۔ اور

(2) وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرلیں کہ وہ اس پر قربان ہو سکتے ہیں۔ اور اپنا سب کچھ قربان کرسکتے ہیں۔ کیونکہ اگر بعد میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اوہو! میں تو دھوکے میں رہا، میں تو یہ سمجھا تھا، مگر یہ تو بات ہی اور نکلی، تو سب کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تعلق اپنے رفقاء کے ساتھ

اس نقطۂ نگاہ سے حضرت محمد رسول اللہؐ کی پوزیشن پر غور کیا جائے تو آپؐ کی دو حیثیتیں نظر آتی ہیں:

(1) آپؐ نبی ہیں

آپؐ صاحب فکر ہیں اور ساتھ ہی خدا کے پیامبر بھی ہیں۔ خدا کا جو پیغام آپ کو پہنچتا ہے آپ کا فکر اسے جذب کر لیتا ہے۔ ناواقف لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی بات فرما رہے ہیں۔ پھر آپؐ وہ فکر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ آپؐ کی ذاتی حیثیت ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔ یعنی آپؐ پیام قبول کرنے میں کسی کو شامل نہیں کرسکتے۔ نہ کسی کو رسول بنا سکتے ہیں۔ آپؐ کو جو پیام الٰہی پہنچا وہ حرف بحرف کتابی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اس کے باہر کوئی وحی نہیں ہے۔ اب ہر قوم اپنا پروگرام اس آئین مکتوبی سے لے گی۔ آگے جا کر وہ سب قومیں قرآن کی پوری تشریح میں مل جائیں گی۔

(2) آپؐ معلم شفیق ہیں

آپؐ کی دوسری حیثیت فکر سکھانے والے کی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ 2:62) (یعنی انہیں قانون الٰہی اور اس کی حکمت

سکھاتا ہے)۔ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ **انما بعثت معلمًا** (میں تو استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں) معلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چیز جانتا ہے جو وہ دوسروں کو اپنے برابر سمجھا دیتا ہے۔ اس علم کو پہلے سیکھنے اور بعد میں سیکھانے کا جو طبعی فرق ہے وہ تو ہمیشہ قائم رہے گا۔ لیکن علم سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کام کی جو ہمت پیدا ہوتی ہے، اس میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جب تک استاد کی تعلیم میں یہ طاقت نہ ہو اسے صحیح معنوں میں مُعلّم نہیں کہا جاتا۔

> ہم نے یہ مضمون خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے لیا ہے جن کے پاس دربار دہلی کا ایک امیر آ گیا۔ شاہی کارندوں نے اسے طلب کیا۔ وہ نہ گیا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ کیا آپؒ اسے بھی اپنے جیسا (یعنی تارک الدنیا) بنا دیں گے؟ آپؒ نے فرمایا کہ نہیں اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔

یہ آپؐ کی شانِ معلّمی ہی تھی جس کی وجہ سے آپؐ کی محبت آپؐ کے صحابہؓ کے دلوں میں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ بات کسی حاکم کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

الغرض المزمل کے معنی ہیں قرآن حکیم سمجھا کر زمیل یعنی رفقاء تیار کرنے والا۔

الحاشر کی تشریح فلسفہ ولی اللّٰہی کے مطابق

(ج) حجتہ الاسلام امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ انسانی حیات وحدانی چیز ہے۔ یہ جو دنیاوی زندگی شروع ہوئی ہے، یہی ترقی کرتے کرتے اخروی زندگی بن جائے گی۔ اور اس زندگی میں انسان کے پہلے اعمال ہی ایک خاص شکل اختیار کر کے اس کے لیے جنت کی نعمتیں یا دوزخ کے عذاب کی صورتیں پیدا کر دیں گے۔

حشر میں ہمارے اعمال ہی متشکل ہو کر پیش ہوں گے

چنانچہ حضرت امام الائمہ فرماتے ہیں کہ:

فَالتَّشَبُّحَاتُ الْحَشْرِيَّةُ فِيْ حَقِّهٖ اَتَمُّ وَاَوْفَرَ وَلِذَالِکَ اَخبَرَ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ اَنَّ اَكْثَرَ عَذَابَ اُمَّتِهٖ فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَهُنَا لِکَ اُمُوْرٌ مُتَمَثِّلَة''

تَتَسَاوِیَ النُّفُوْسَ فِیْ مُشَاهِدَتِهَا كَالْهِدَايَةِ الْمَبْسُوْطَةِ بِبِعْثَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَتَشَبَّحُ حَوْضًا وَتَتَشَبَّحُ اَعْمَالَهَا الْمُحْصَاةَ عَلَيْهَا وَزْنًا اِلٰى غَيْرِ ذَالِكَ وَتَتَشَبَّحُ النَّعْمَةَ بِمَطْعَمٍ هَنِيٍ وَمَشْرَبٍ مَرِئٍ وَمَنْكَحٍ شَهِيٍّ وَمَلْبَسٍ رَضِيٍّ وَمَسْكَنٍ بَهِيٍّ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 37)

یعنی حشر میں انسان کے اعمال اور اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گی۔ اس لیے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا۔ یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے اس لیے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلدی سمجھ جائیں گے۔)

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جن کو تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرم ﷺ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپؐ کے ذریعے سے پھیلی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جو جدوجہد کی، وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ جس میں پانی ہوگا یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادہ کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں، خوبصورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔''

ہمارے اعمال و اخلاق ہی ہماری جنت، دوزخ پیدا کریں گے

ایک اور جگہ عالم مثال کی کیفیت بیان کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَسِرُّ هٰذِهِ الْوَاقِعَةِ تَمَثَّلَ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ السَّيِّئَةِ وَالْحَسَنَةُ فِیْ الْمِثَالِ وَتَنَعَّمُ النَّفْسِ وَتَوَجُّعُهَا بِالْحَقَائِقِ الْمَثَالِيَّةِ (البدروالبازغہ ص 154)

یعنی اس میں راز یہ ہے کہ اچھے اور برے اعمال اور اچھے اور بُرے اخلاق عالم مثال میں پہنچ کر مثالی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں:

واقعات حشر کی مزید تشریح

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

وچوں ازیں موطن درگزرد عالمے دیگر پیش آید، اورا درلسان شرع یوم المحشر گویند، وحقیقت آں موطن آنست کہ دریں نفوس ارضیہ بسیارے از احکام فرد یہ کہ از اختلاطِ عناصر واز جہت مادہ ظلمانیہ پیدا شدہ بود برہم خورد، و ایں نفس بمنزلہ جسم شفاف محاکاتِ صورت نوعیہ نماید، و احکام صورت نوعیہ بطریقِ ظہور وغلبہ پدیدارشود، چنانکہ درمحسوسات صورت نوعیہ در افراد انسان تقاضا مے کند کہ یدین ورجلین وعینین و اذنین پیدا شوند۔ لیکن گاہے عائقے ازعوائق استعداد مادہ ازاں منع کند، وجنین ناقص الخلقت اکمہ واقطع واسک پیدا شود، اینہمہ ازَقبل مادہ است نہ ازقبیل صورت نوعیہ۔

ہم چناں درامور معقولہ صورت نوعیہ را مقتضیات است ازعقل سلیم کہ بلوث اوہام ملوث شدہ واستعداد قبول علوم حقہ از مبدا فیاض بروجہ آں داشتہ واز خیال صحیح کہ شئی رابصورت مناسبہ اوکہ برطبق شکل عالم مثال است مشبح سازد۔ پس احکام فردیت فرونشیند واحکام نوعیہ غالب آیند۔ ہمہ مقتضیاتِ نوع درعقل وخیال برروئے کار آید وصورت فردیت قبول ظہور احکام نوع کند، و باتم وجوہ محاکات آں نماید، چنانکہ درافراد نوع ممکن نشود کہ بہتر از آں احکام نوع ظاہر شوند۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

(سورۂ ق:22:50)

پس دریں موطن وقائع چند ظہور کنند از میزان، وحساب، وتجلی الٰہی، وحوض، و تطائر صحف اعمال، بطرف یمین وشمال، وشہادت ایدی وارجل وصراط وابیضاض وجوہ و اسودادِ آں، وشفاعت رسل۔

میزان کیا ہے؟

پس میزان عبارت است ازظہور صورت مقدار اعمالِ حسنہ وسیئہ ومعرفتِ تاثیر

ہر یکے از قبیلتین بشکلے کہ عالم مثال تقاضا کند از کفتین و مانند آں درمیان عالم مثال و عالم شہادۃ باآں معنی کہ اجسام خارجیہ شکل پذیر قوای مثالیہ گردد------

حوض کوثر کیا ہے؟

وحوض صورت ہدایت و رشدے است کہ از تجلی اعظم برنفس نفیس حضرت پیغامبرﷺ ریختہ است واز آنجا از راہ قوای پیغامبر در عالم شہادت جاری شدہ، واوانی حوض صورت قدر ہدایاتے کہ افراد مسلمین قبول آن کردہ اند------

تسنیم کیا ہے؟

عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثال لذات عقلیہ است کہ ازادراک مجردات حاصل آید (تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص336-332 تفہیم نمبر78 ملخصاً)

(یعنی اس منزل سے گزر جائے تو وہ ایک عالم میں داخل ہوتا ہے جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں۔ اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں، جاتی رہتی ہیں۔ اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے۔ اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لنجا، لنگڑا، یا کانڑا، یا بُوچہ ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو۔ اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے۔ اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخیلہ صحیح ہوتا کہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھوٹ جاتے ہیں۔ اور نوعی

تقاضے غالب آ جاتے ہیں۔ اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

(سورۂ ق:22:50)

(بیشک تو اس سے پہلے غفلت میں تھا پس ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لیے آج تیری نگاہ تیز ہے۔)

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں۔ مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں یا بائیں ہاتھ میں آ جانا، ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا، پل صراط پر سے گزرنا، چہروں کا سفید سیاہ ہو جانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔ ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے بُرے اعمال ایک خاص ''مقدار'' اختیار کر کے ظاہر ہوں گے۔ اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے ''مادے'' کے مناسب حال ہوگی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔-----

----- اور حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپؐ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی۔-----

----- اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔

حوض کوثر اور دیگر انبیاء کے حوض

ایک اور جگہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَالْحَوْضُ هِدَايَتُه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَسَّدَتْ هُنَاكَ مَاءً بِمُشَابَهَةٍ قَوِيَّةٍ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْمَآءِ وَأَرٰى اَنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا غَيْرَ اَنَّ حَوْضَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُّ الْحِيَاضِ (الخیرالکثیر ص114)

''یعنی حوض کوثر اصل میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے پھیلی ہوئی ہدایت ہے۔ جو عالم مثال میں جا کر پانی کی شکل اختیار کرے گی کیونکہ علم کو پانی سے خاص مشابہت ہے۔ میری رائے میں ہر ایک نبی کا جدا جدا حوض ہوگا۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کا حوض سب سے بڑا ہوگا۔''

بیانات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر یا آپؐ کی تعلیمات اور نمونے کے مطابق انقلاب برپا کریں گے وہ مرنے کے بعد کی زندگی میں آپؐ کی امامت میں جمع ہو جائیں گے۔ ایسے ہی جو لوگ دوسرے انبیاء کرام کی معیّت میں کام کر چکے ہیں وہ اپنے اپنے نبی کی معیت حاصل کریں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ:

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء 69:4)

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔''

اب انقلاب عمومی حضرت محمد ﷺ ہی کی اتباع سے آ سکتا ہے

حنفی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کوشش کرتے رہے کہ تمام دنیا میں تورات کو پھیلا کر امامت کبریٰ (بین الاقوامی قیادت) حاصل کریں۔ لیکن یہ مقام محمود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی حاصل کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب انقلاب عمومی اپنے مختلف ادوار میں آپؐ کے اتباع (متبعین) سے باہر نہیں جا سکتا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا خاصہ ہے وہ ایک دن میں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتا۔ اس انقلاب کا پہلا حصہ وہ تھا جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر عباسی حکومت کے خاتمے تک کامیاب رہا۔ جب قریش میں اس انقلاب کو آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی تو اس انقلاب کے آگے بڑھانے کے لیے ایک اور قوم---- ایرانیوں---- کو ذریعہ بنایا۔ لیکن قریش کے تنزل اور ایرانیوں کے عروج کا درمیانی وقفہ انقلاب کی ''رات'' تھی۔ اس میں نئی قوم تیار ہوئی۔ اس کے بعد ترکمانی قوموں نے اس انقلاب کو آگے بڑھایا اور پھر ہندوستانی قوم نے اسے اپنایا۔ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہ انقلاب ساری دنیا میں کامیاب رہا۔ ان ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ خیال کرنا غلطی ہے۔ یہ سب ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ جب تک انسانیت روئے زمین پر قائم ہے، یہ انقلاب کسی نہ کسی شکل میں آگے بڑھتا رہے گا۔ اور آخر میں ایک ایسا زمانہ آ سکتا ہے کہ تمام اقوام جو اس انقلاب سے مانوس ہو چکی ہوں، ایک سطح پر آ کر اس کے ماتحت مل جائیں۔ اس وقت یہ انقلاب عمومی مکمل ہوگا۔

پس ''اَلْمُزَّمِّل'' سے مراد وہ صاحب امامت کبریٰ ہے جس کے ماتحت تمام اقوام عالم جمع ہوں گی۔ یہ گویا الحاشر ہی کا دنیاوی مظہر ہے۔

اَلْمُزَّمِّل کے دوسرے معنی امام ائمہ انقلاب:

(2) اِزَّمَّلَ یا اِزْدَمَلَ کے دوسرے معنی ہیں حَمَلَ بِمَرَّةٍ وَاحِدَةٍ (المنجد) (یعنی اونٹ کی طرح بوجھ اٹھا کر ایک ہی ہچکے سے اٹھ کھڑا ہوا)

اِزْدَمَلَه : اِحْتَمَلَه، وَمِنْهُ قَوْلُه، تَعَالٰی یَاۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ یعنی بوجھ اٹھا لیا۔ (صُراح)

رازیؒ نے عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اَلْمُزَّمِّل کے معنی ہیں وہ شخص جس پر بھاری کام ڈال دیا گیا ہو۔ کیونکہ زمل کے معنی ہیں حمل[1]

یہ بوجھ کیا ہے؟ قومی اور بین الاقوامی انقلاب

یہ بار (بوجھ) جو نبی اکرم ﷺ نے اٹھایا قومی اور بین الاقوامی انقلاب کا بار

---

[1] قال عکرمة یاایها الذی زمل امرًا عظیما ای حمله، وَالزمل الحمل وَازدمله اَحتمله (تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی جلد نمبر 30 ص 171)

تھا۔ اور تعجب یہ ہے کہ آپؐ نے پہلے اپنی قوم کو ترقی دے کر بین الاقوامی درجے کے کام کرنے والے کارکن تیار کرنے کا انتظار نہیں کیا۔ گو اگر آپ ایسا کرتے تو بھی کسی عقلمند کو اس پر اعتراض نہ ہوتا لیکن آپ نے بین الاقوامی انقلاب کو مؤخر نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کام ایک ہی وقت شروع کر لیے۔ یہ نہایت مشکل کام تھا۔ لیکن آپؐ نے جوانمردی، ہمت، محنت اور مشقت سے کام لیا اور پورے کے پورے بوجھ کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ چنانچہ آپؐ نے قریش کی ذہنیت ایسی تیار کی کہ وہ جہاں انصار مدینہ کے ساتھ مل کر کام کر سکے وہاں بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ غیر عربوں کے ساتھ اور ان کے ماتحت بھی کام کر سکے۔

جو شخص سیاسی اجتماعیت میں اس قسم کا بارِ گراں اٹھاتا ہے، وہ امام انقلاب کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ "المزمل" یعنی آخری درجے کے امام ائمہ انقلاب ہیں۔ مولانا محمد قاسمؒ اس آخری درجے کا نام "خاتم النبیین" رکھتے ہیں۔ اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔ (دیکھئے کتاب "تحذیر الناس")

آیات نمبر 2 تا 4: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴

ترجمہ: "رات میں سے کچھ وقت کم کر کے کھڑے رہا کرو۔ آدھی رات یا اس سے بھی کم یا اس پر کچھ بڑھا لو اور آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر، سمجھا سمجھا کر قرآن پڑھا کر۔"

مثلاً بارہ گھنٹے کی رات ہو تو چھ گھنٹے یا چار گھنٹے یا آٹھ گھنٹے تک، رات کو کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کرو۔

(الف) اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

انقلاب عمومی کے لیے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کو تعلیم دے کر امامان انقلاب تیار کریں۔ جو آپؐ کے خلیفہ ہو سکیں۔ اور ان کے علاوہ انقلابی کارکن تیار کریں

جو اسے آگے بڑھائیں۔

اِمامانِ انقلاب کی تیاری کے لیے خاص تعلیم کی ضرورت ہے جس کے لیے وقت بھی خاص چاہیے۔ اور عوام کی تعلیم کے لیے جداگانہ وقت درکار ہے۔ اس تقسیم اوقات کی اس لیے ضرورت پڑی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت خصوصی (قومی) اور بعثت عمومی (بین الاقوامی) کے دونوں کام ایک ہی وقت میں کرنا چاہتے ہیں۔

جملہ معترضہ

تہجد کی نماز عوام کے لیے نہیں ہے

اس آیت میں تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساری عمر پڑھتے رہے۔ یہ عام مسلمانوں پر فرض نہیں۔ حنفی، نماز عشاء کے ساتھ جو تین وتر پڑھتے ہیں وہ اسی نماز تہجد کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

صحابہؓ میں فقہ حنفی کے امام حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا:

یَآاَھْلَ الْقُرْآنِ اَوْتِرُوْا

ترجمہ: ’’اے قرآن کی تعلیمات کے حاملو! وتر پڑھا کرو۔‘‘

ایک بدوی نے بھی یہ بات سن لی اور پوچھا: کیا فرمایا آپ نے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ لَیْسَ لَکَ (تیرے اور تجھ جیسوں کے لیے نہیں)۔ اس سے معلوم ہوا کہ وتر مسلمانوں کی خاص جماعت کے لیے ہیں، عوام کے لیے نہیں۔

یہ آیت منسوخ نہیں

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص قرآن حکیم سکھائے اس کے لیے تہجد ضروری ہے اور یہ اس کے لیے درجہ اختصاص (Special Qualification) رکھتی ہے۔ اس لیے یہ آیت منسوخ نہیں کہی جاسکتی۔ جب کبھی وہی حالت پیدا ہو جائے جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ آیت پھر زیرِ عمل آجائے گی۔

(ب) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا

ترجمہ: ''اور آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر، سمجھا سمجھا کر قرآن پڑھا کر۔''

ترتیل کے معنی

(1) شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ: وترتیل کن بواضح خواندن (فتح الرحمٰن) ''یعنی ایسے پڑھ کہ سننے والے اسے خوب سمجھ سکیں۔''

(2) رَتَلَ : آرمیدہ و پیدا خواندن (صراح) آرام سے ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنا۔

(3) اَلتَّرْتِيْلُ : اِرْسَالُ كَلِمَةٍ مِنَ الْفَمِ بِسَهُوْلَةٍ وَاسْتِقَامَةٍ (راغب) (یعنی منہ سے آہستہ آہستہ پختگی کے ساتھ الفاظ نکالنا)۔

(4) وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا اَیْ اِقْرَءْ عَلٰی تَمَهُّلٍ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ عَوْنًا عَلٰی فَهْمِ الْقُرْاٰنِ وَتَدَبُّرِهٖ وَكَذٰلِكَ كَانَ يَقْرَأُ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ (ابن کثیر، جلد چہارم ص 434) (یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ کیونکہ اس طرح قرآن حکیم کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ ایسے ہی پڑھا کرتے تھے)۔

(5) قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ يَقْرَأُ السُّوْرَةَ فَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلِ مِّنْهَا (ابن کثیر ایضاً)

(ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ قرآن حکیم کی سورتوں کو ایسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے کہ طویل سے طویل سورت کے پڑھنے سے بھی زیادہ دیر لگ جایا کرتی تھی)۔

(6) حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

> اگر انصاف دہی فائدہ اصلی از نزول قرآن اتعاظ است بمواعظ آں و اہتدا است بہ ہدایت آں، نہ صرف تلفظ باں اگرچہ تلفظ ہم مغتنم است، پس چہ مسلمانی بدست آوردہ است کسے کہ مدلول قرآن نفہمد و کدام حلاوت دارد آنکہ مدلول کلام اللہ راندانہ (دیباچہ قلمی، فتح الرحمٰن)

''یعنی انصاف سے کام لو تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم نازل ہونے کا

اصلی فائدہ تو اس وقت ہے کہ انسان اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے اور اس کی ہدایت کی باتوں سے سیدھی راہ چلنا سیکھے۔ نہ کہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ زبان سے ادا کرتا رہے (گو تلفظ بھی غنیمت سہی)۔ تو جو شخص قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر اس کی تلاوت کرتا ہے وہ بھلا اسلام کس طرح سیکھ سکتا ہے؟ اور جو شخص اس کلام الٰہی کا مطلب نہیں سمجھتا وہ اس کے بے سمجھے پڑھنے سے بھلا کیا مزہ حاصل کرسکتا ہے؟

(7) حضرت شیخ نظام الحق والدین، نظام الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وقت خواندن قرآن باید کہ دل خوانندہ را تعلق بحق باشد واگر آں میسر نشود باید کہ در حالتِ قرآن خواندن جلال و عظمتِ حق بردل بگزراند۔ یکے از حاضراں سوال کرد۔ ایں معنی ہماں تعلق بحق است کہ در مرتبہ اولیٰ فرمودہ اند؟ فرمود: کہ خیر آں بذات حق بود ایں بصفات حق است واگر آں ہم میسر نشود باید کہ آنچہ مے خواند معانی آں بردل گزراند (فوائد الفواد مخلصاً ص 121 مجلس بست وسوم)

"یعنی قرآن حکیم پڑھتے وقت چاہیے کہ پڑھنے والے کا دل حق سبحانہٗ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے۔ اور اگر یہ حالت حاصل نہ ہو سکے تو چاہیے کہ قرآن حکیم پڑھتے وقت حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کا جلال اور عظمت اپنے دل میں بٹھائے۔

حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ دوسری بات وہی نہیں جو پہلے فرمائی ہے؟

حضرت نے جواب دیا کہ نہیں پہلے ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ذکر تھا اب صفات حق سبحانہ تعالیٰ کا بیان ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر "یہ دوسری حالت بھی میسر نہ ہو تو پڑھنے والے کو چاہیے کہ جو کچھ پڑھے اس کا مطلب اپنے دل میں بٹھائے۔"

(8) خود قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

(1) اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (سورہ یوسف 2:12)

''یعنی ہم نے (تم عربوں کی خاطر) قرآن عربی زبان میں اتارا ہے تا کہ تم اسے پڑھو اور اس سے عقل سیکھو۔''

ظاہر ہے کہ سمجھے بغیر عقل کس طرح سیکھی جا سکتی ہے؟

(ب) پھر ایک جگہ ارشاد ہے کہ:

لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ (النساء 43:4)

''یعنی مدہوشی کی حالت میں نماز مت پڑھو، بلکہ اس وقت پڑھو جب تم اپنے منہ سے نکلنے والے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جاؤ۔''

بے سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے

سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے۔ معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چنانچہ آج کروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انہیں ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ باوجود یکہ ہر ایک مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے، مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا ہے۔ آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے، کسی میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ اس استعداد والی قوم یوں برباد ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے۔

انقلاب کے رفقاء کو سمجھانا ضروری ہے

حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی جب

تک اس کے ارکان اس تحریک کے اصولوں سے بخوبی واقف ہو کر انہیں اپنا نہ لیں۔ اور پھر اپنا سب کچھ ان پر قربان نہ کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آیت نمبر 5: اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا

ترجمہ: ''ہم تجھ پر ایک وزنی بات ڈالنے والے ہیں۔''

قول ثقیل کے معنی

قرآن حکیم کی تعلیم دے کر انقلاب کے لیے تیار کرنا قول ثقیل---وزنی بات--- ہے۔

انقلاب کسریٰ و قیصر کے خلاف

جس زمانے میں قرآن حکیم نازل ہوا قیصر روم اور کسریٰ ایران متمدن دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض تھے۔ دنیا کی تاریخیں ان دونوں سلطنتوں کی عیاشیوں اور ظلموں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ سلاطین اور ان کے امرا خود تو دادِعیش دیتے تھے مگر انہوں نے اپنے ماتحت عوام میں فساد عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ٹیکسوں کی وہ بھرمار تھی کہ عوام میں سے کوئی شخص کھانے پینے اور ٹیکس ادا کرنے کے واسطے کمانے کے سوا اور کسی بات پر غور کرنے کے لیے ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ قرآن حکیم ان دونوں بڑی شہنشاھیتوں (Imperial Powers) کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتا تھا۔ یہ آسان چیز نہ تھی۔

عرب کی حالت

اس مسئلے کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ علم اور صنعت وحرفت ان دونوں طاقتوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لیے خود ان طاقتوں کے واسطے سے یہ انقلاب کس طرح لایا جاسکتا تھا؟ عرب کی علمی اور طبعی ترقی ایسی نہ تھی کہ ان میں سے قیصر و کسریٰ کے مقابلے کے لیے لشکر تیار ہوسکتے۔ ادھر عرب کی تنظیمی قابلیت اور صلاحیت صرف قریش میں تھی۔ اگر قریش حنفی ملت کو قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، جو ان

کے ذہنوں کے بہت نزدیک تھی، تو انقلاب آسان ہو جائے۔ لیکن قریش کا بالائی اور دولتمند طبقہ طبعًا قیصر و کسریٰ کی طرف مائل تھا۔ اور انہیں کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، کیونکہ ان ملکوں کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات تھے۔ پس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ایک ایسی مختصر جماعت تیار کریں جو قریش کے رجعت پسندوں پر غالب آجائے۔ اور پھر عرب کے انقلابیوں کو ساتھ ملا کر قیصر و کسریٰ کے ملکوں میں انقلاب کی لہر دوڑائیں۔ اور ان ملکوں کے انقلاب پسندوں کی مدد سے قیصریت اور کسرویت کا خاتمہ کر دیں۔ اور یہی قرآن کا اصلی مقصد تھا۔ لیکن قریش کو ارتجاعی (Reactionary) عناصر سے پاک کر کے عرب کے متفرق قبائل کو انقلاب پر جمع کرنا اور ان کے واسطے سے قیصر و کسریٰ کے ممالک میں انقلاب برپا کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ ہے وہ قولِ ثقیل جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل کسی اور جگہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الصّف 9:61)

ترجمہ: ''یعنی خداوند تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا۔ تاکہ اس دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب رکھے۔ خواہ مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔''

آیت نمبر 6: اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا

ترجمہ: ''رات کا اٹھنا یقیناً بہت روندتا ہے اور بات سیدھی نکلتی ہے۔''

(مولانا محمود حسن شیخ الہند)

حضرت امام ائمہ شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

ہر آئینہ قیام شب زیادہ تر است در موافقت زبان بادل و درست تر است در تلفظ الفاظ (فتح الرحمٰن)

یعنی رات کا قیام دل اور زبان میں موافقت پیدا کرنے کے لحاظ سے
زیادہ موزوں ہے اور الفاظ منہ سے نکالنے کے لیے بہت بہتر ہے۔

جماعت خاصہ کے لیے رات کا وقت کیوں؟

رات کا وقت جماعت خاصہ (Special Class) کی تیاری کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ کیونکہ دن بھر کی مشقت کے بعد محنت کش اور نفس کُش لوگ ہی خصوصیت سے جمع ہو سکتے ہیں۔ جو شخص رات کو قرآن حکیم سننے آئے گا۔ اسے اس کی طرف رغبت خاص ہوگی۔ اور اجتماع اور فکر سے روکنے والے امور کے اُوپر غالب آنے پر تبھی قادر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں نفس کشی کی یہ نفسیاتی (Pseychological) حالت پیدا ہو جائے گی، وہ قرآن حکیم کا کام پوری ذمہ داری سے کرے گا۔

آدمی شب بیدار، اور نیند پر قابو رکھتا ہو، تو وہ رات کو جب بازاری لین دین اور گھر کی ضرورتوں اور تشویشوں سے نسبتاً فارغ ہوتا ہے، تو اچھی طرح سوچ سکتا ہے۔ اور اچھی طرح سوچتا ہے تو اچھی طرح بات بھی کر سکتا ہے۔

رات کو قرآن حکیم کے پڑھنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شور و شغب کم ہونے کے باعث بات خوب سمجھی اور سمجھائی جا سکتی ہے۔

یہ تو ہوئی رات کی بات، دن کا ذکر آگے آتا ہے۔

آیت نمبر 7: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا

ترجمہ: ''البتہ تیرے لیے دن میں لمبا شغل ہے۔''

عوام سے ربط --- دن میں

انقلاب عمومی کے لیے صرف رات کی خاص جماعت کی تعلیم کافی نہیں ہے بلکہ عوام تک پہنچ ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ عوام سے تعلق (Contact) پیدا کرنے کے لیے دن ہی کا وقت ہو سکتا ہے۔ جب ان سے واسطہ پڑتا ہے۔

آیت نمبر 8: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾

ترجمہ: ''اور اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا۔''

انقلاب کے بنیادی اصول

(الف): وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ .... ترجمہ: ''اور اپنے رب کا نام یاد کر۔''

اسم سے مراد تجلی الٰہی

امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت میں اسم الٰہی سے مراد ''تجلّی الٰہی'' ہوتی ہے۔ اسم الٰہی کے یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا فراموش شدہ تعلق یاد کرو۔ اسے ''اقتراب'' بھی کہتے ہیں۔

انسان کا تعلق تجلّی الٰہی سے کیوں ضروری ہے؟

قرآنی تحریک (The Quranic Movement) کو حقیقی معنوں میں جامع اور صحیح معنوں میں انقلابی بنانے کے لیے اور اسے نوع انسان کی مادی یعنی اقتصادی اور عقلی (یا بالفاظ دیگر بہیمی اور ملکی) ضرورتوں کو پورا کرنے والی بنانے کے لیے اس تحریک کا تعلق تجلّی الٰہی سے قائم کرنا ضروری ہے، کیونکہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے بہیمیت (حیوانیت) اور ملکیت (عقلیت) کا مجموعہ ہے۔ اور ملکیت کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ تجلی الٰہی انسانی ذہن میں جم جائے گی تو ہر دم اس کی یاد رہے گی اور وہ زبانی ذکر بھی کرے گا۔ یہ زبانی ذکر حقیقت میں اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا۔

قرآن کا ''نظام نو''

قرآن حکیم جو ''نظام نو'' پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ بات انسانوں کے ذہن نشین کرنی چاہتا ہے کہ انسانوں پر حکومت صرف اللہ کی ہوسکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ قیصریت اور کسرویت یعنی شہنشاہیت (Imperialism) چند امراء

کی حکومت (Oligarchy) کو توڑ کر ان کی جگہ ایسی حکومت (State) پیدا کرنی چاہتا ہے جس کا مرکز اور محور قرآن ہی کا قانون الٰہی ہو۔ اور اس (قرآن حکیم) کے سوا وہ کسی اور قانون کی اتباع کو برداشت نہیں کرتا۔ کیونکہ شخصی، عائلی، قبائلی، شعوبی اور قومی قانون تک تو شاید عقلمند انسان وضع کرسکیں لیکن بین الاقوامی قانون اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہی تمام اقوام کی ضرورتوں اور ذہنیتوں کو جانتا ہے جن کا جاننا کسی ایک انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اور نہ کوئی جماعت یہ کام کرسکتی ہے۔ پس اس قرآنی بین الاقوامی قانون کا نوع انسان میں قیام (رسوخ پیدا ہونا) ضروری ہے تاکہ نوع انسان اپنی طبعی رفتار پر ترقی کرتی رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجلّی الٰہی سے تعلق قائم کرنا ہر ایک فرد انسانی کے لیے ذاتی اور طبعی ضرورت ہے۔ اور کوئی اجتماعِ انسانی جس میں اس ضرورت کو نظرانداز کر دیا گیا ہو افراد کی ترقی کا کفیل نہیں ہوسکتا۔

(ب): وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

ترجمہ: ''اور سب سے پوری طرح کٹ کر صرف اسی کی طرف ہو جا۔''

کام کرنے کے دو اصول

دنیا میں کام کرنے کے دو اصول اب تک چلے آتے ہیں:

(1) مادی اسباب کے بھروسہ پر کام کرنا۔

(2) مادی اسباب سے کام لینا لیکن ان کو نتائج اور کامیابی میں مؤثر بالذات نہ ماننا۔ یعنی ان کو صرف آلات کی حیثیت دینا۔

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کی خصوصیت

قرآن حکیم کی انقلابی تحریک میں کسی دوسری تحریک کے مقابلے میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ مادی اسباب سے کام لینا ضروری قرار دیتی ہے لیکن---- ان اسباب کو کامیابی کا کفیل نہیں سمجھتی۔

مادے کا ترقی یافتہ حصہ

حقیقت یہ ہے کہ کائنات محض مادے اور اس کی خاصیات (خواص) کے مجموعے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ایسی قوتیں بھی موجود ہیں جو مادے سے قدرے مختلف ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو غیر مادی معلوم ہوتی ہیں۔مگر اس عالم مادی سے علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مادی قوتیں ہی ترقی کر کے مثالی اور روحانی بن گئی ہیں۔ یہ غیر مادی چیزیں ہی حقیقت میں ان مادی اشیاء کی بنیاد ہیں۔حکمیات جدیدہ (Modern Sciences) کا رخ بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے چنانچہ سرآمد حکماء یورپ سرجیمز جینز (Sir James Jeans) کہتے ہیں کہ:

I Inching The

I inclise to the idealistic theory that consciousness is fundamental and that material universe is derivative from consciousness not cnsciousness from material.

"یعنی میں اس تخیلی نظریے کی طرف مائل ہوں کہ شعور ذہنی بنیادی چیز ہے اور مادی کائنات اس شعور ذہنی ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ شعور مادے سے پیدا ہوا ہو۔"

ایک جرمن حکیم ماکس پلانک (Max Planck) کہتا ہے کہ:

"I regard consciousness as fundamental and regard matter derivative from consciousness."

"یعنی میں شعور ذہنی کو اصلی اور اساسی شے مانتا ہوں اور مادی کو اس سے نکلا ہوا سمجھتا ہوں۔

عالم مثال

الغرض امام ولی اللہؒ اور ان کے اتباع غیر مادی مادے کو اس عالم مادی---- عالم شہادی---- کی اصل مانتے ہیں اور اسے عالم مثال (Non-material World) کی اصطلاح سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک کے کارکن مادے کی ہستی اور اس کے خواص و افعال کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک غیر مادی اصل سے خارج شدہ مان کر اس غیر مادی اصل الاصل---- اللہ تعالیٰ---- پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو اس مادی اور غیر مادی عالم سے ماوراء ہے اور جو ان دونوں کی اصل ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ مادی اسباب کو اپنا کفیل اور کارساز نہ سمجھو بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو اس ساری مادی اور غیر مادی---- شہادی، مثالی اور روحانی---- کائنات کا خالق اور مالک مان کر اس پر اور صرف اس پر بھروسہ کر کے کام کرو۔

قرآنی اصول انقلاب کے عملی فائدے

اس کا عملی نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

(1) قرآنی انقلاب کے کارکن اپنے لیے مادی نفع جوئی نہ کریں گے یعنی یہ انقلاب پیدا کر کے وہ اپنی ذات کے لیے کوئی مادی فوائد (Material gain) حاصل نہیں کریں گے۔ بلکہ ان سے بالاتر رہ کر صرف رفاہِ عامہ کے لیے کام کریں گے۔

(2) وہ ان مادی اسباب سے کام لیں گے جو انہیں حاصل ہوں لیکن ان پر بھروسہ نہ کریں گے۔ یعنی اپنے آپ کو ان مادی اسباب کے ساتھ اس طرح وابستہ نہ کرلیں گے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں وہ کوئی کام ہی نہ کریں۔ بلکہ خدا پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کر دیں گے اور یقین رکھیں گے کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی خداوند تعالیٰ ان کے لیے اسباب پیدا کرتا رہے گا۔

قرآن کے انقلابی نظریّے کی ضرورت

انقلاب کے اس جدید نظریے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ

عالم اسباب کی تمام قوتیں جن کے بل بوتے پر انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے، ان انقلابیوں کو حاصل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ سب ان کے مخالفین (قیصر و کسریٰ اور رؤسا مکہ اور رؤسا عرب) کے قبضے میں ہیں۔ اگر وہ اپنی کامیابی ان اسباب ظاہری سے وابستہ کرلیں تو وہ کبھی حرکت نہیں کرسکتے۔ اس لیے ان بے بس اور بے کس لوگوں کو سکھایا گیا کہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے اسباب صرف مادیات ہی کی سرحد پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ حقیقی اور مؤثر اسباب مادی سرحدوں سے پَرے واقع ہیں۔

اگر دنیا میں کامیابی کا آخری انحصار محض اور صرف اسباب مادی پر ہوتا تو جن قوموں کو یہ مادی اسباب کامل طور پر حاصل ہیں وہ کبھی نہ گرتیں۔ اور محکوم اور غلام اقوام جو ان اسباب سے محروم ہوتی ہیں وہ کبھی ترقی نہ کرسکتیں۔ مگر چڑھتی ہوئی قوموں کا گرنا اور گری ہوئی قوموں کا اُٹھنا ظاہر کرتا ہے کہ مادی اسباب کے علاوہ بعض غیر مادی اسباب بھی ہیں جو قوموں کو گرانے اور اٹھانے میں اثر انداز ہو رہے ہیں۔ قرآن حکیم بنی اسرائیل کی گری ہوئی قوم کے متعلق کہتا ہے کہ:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ (القصص 28 : 4-5)

ترجمہ: ''یقیناً فرعون نے ملک میں بہت سرکشی کی اور اہل ملک میں نفاق ڈال کر تقسیم کر دیا۔ پھر وہ ان میں سے ہر ایک کو کمزور کرنے لگا۔ چنانچہ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ یقیناً وہ بڑے مفسدین میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو ملک میں ضعیف بنا دیا گیا تھا۔ اور ان کو لیڈر بنا دیں اور ملک کے وارث بنا دیں۔''

پس مادی اسباب سے کام لیتے ہوئے بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا ضروری ہے جو ان مادی اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور عوام سے کسی قسم کی مادی اجرت طلب

کرنے کے خیال سے قطع نظر کر کے محض خدا کی خاطر کام کرنا اس قرآنی تحریک کا طغرائے امتیاز ہے۔

اس تعلیم کے پیش نظر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقاء کو سکھایا کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو[1] یعنی تمام اسباب کو مان کر اور استعمال کر کے بھی ان سے بے تعلق رہو اور کامیابی کا انحصار ان مادی ذرائع کے بجائے ان کی اصل پر رکھو۔ قرآن مادی ذرائع کا انکار نہیں کرتا بلکہ نظر بلند کر کے اسماء حسنیٰ تک پہنچاتا ہے جو مادے کی اصل ہیں۔

گری ہوئی قوموں' بے بس جماعتوں اور اسباب سے محروم لوگوں کو اٹھانے کے لیے اس بلند فکری سے بہتر اور کیا حوصلہ افزاء تعلیم ہوسکتی ہے؟

آیت نمبر 9: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾

ترجمہ: ''وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کو اپنا کارساز مان۔''

ع　دارو ہے ضعیفوں کا لَا غَالِبَ اِلَّا هُوَ

اب بتایا جائے گا کہ اس تحریک انقلاب کی کامیابی کے لیے بہترین خطہ کونسا ہے۔

(الف): رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

ترجمہ: ''وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے۔''

انقلاب کی جولانگاہ عرب کے مشرق و مغرب میں

اس انقلابی تحریک کا حلقۂ عمل حقیقت میں عرب نہیں ہے، وہ قریش کے خلاف عداوت اور قتال کی تحریک نہیں ہے۔ بلکہ یہ انقلاب حقیقت میں اس علاقے کے لیے ہے جو عرب کے مشرق اور مغرب میں واقع ہے۔ یعنی دراصل کسریٰ ایران (مشرق)

1ے　عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْئَلَ اَحَدُكُمْ رَبَّه' حَاجَتَه' كُلَّهَا حَتّٰى يُسْأَلَ شَسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ (المشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: ''ہر شخص اپنی ہر ایک حاجت اللہ ہی سے طلب کرے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے۔''

اور قیصر روم (مغرب) کو قرآن کے قانون کے ماتحت لا کر اس تحریک کو تمام دنیا میں پھیلانا مقصود ہے کیونکہ قیصر و کسریٰ کے نظام، انسانیت کے لیے برباد کُن ہیں۔ ان نظاموں نے متمدن انسانیت کے ایک بہت بڑے حصے کو ایسی اقتصادی اور ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ کسی انسان کو اپنی اصلی انسانی ضرورتوں پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ مشرق اور مغرب کے ان علاقوں میں انقلاب برپا کر کے انسانیت کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ اور عرب کو اس انقلاب کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

یہ تحریک ایک خاص ذہنیت بھی چاہتی ہے جو نہایت سرد علاقے میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ انقلابی تحریکیں اور مستقل اور پائیدار تہذیبیں کرۂ زمین کے انتہائی شمالی اور انتہائی جنوبی علاقوں میں پیدا نہیں ہوتیں، اور نہ وہاں ان کے پنپنے کا سامان ہے۔ بلکہ اس قسم کی تحریکیں ہمیشہ اس منطقے میں پیدا ہوتی رہی ہیں اور پیدا ہوتی رہیں گی جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ شمالی علاقے کے تمدن غیر طبعی ہیں اس لیے دیرپا نہیں ہوتے۔

(ب) : لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا

ترجمہ: ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کو اپنا کارساز مان۔''

اس علاقے میں نہ کسریٰ کی حکومت رہنی چاہیے نہ قیصر کی ''خدائی''۔ ان کی جگہ خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کا قانون جاری ہونا چاہیے۔ کیونکہ کائنات کا پروردگار یعنی ساری کائنات کو ایک خاص مجموعہ قوانین کے مطابق ترقی دینے والا وہی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے حضرت مسیح علیہ السلام ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ:

They will be done on earth as in Heaven (Math 6:10)

> ''خدا کی مشیت کرۂ زمین پر اسی جامعیت کے ساتھ پوری ہونی چاہیے جس کاملیت کے ساتھ زمین سے باہر کی ساری کائنات میں پوری ہو رہی ہے۔''

قرآن کا منشاء مصنوعی ''خداؤں'' کا خاتمہ

پس جس طرح خدا کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اور کوئی اس میں شریک نہیں ہے۔ ایسے ہی اس کا قانون--- قرآن حکیم---انسانی معاشرے میں جاری کیا

جائے۔ اور تمام مصنوعی ''خداؤں'' کی ''خدائی'' ختم کر دی جائے۔ اور بندگی صرف خدا کی کی جائے۔ یعنی انسان اپنے آپ کو اپنے تمام اعمال و افعال اور خیالات میں خدا کے سامنے جوابدہ سمجھے۔ اس میں لوگوں کے دکھاوے یا حاکم کے فیصلے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ فیصلہ خود ہر ایک انسان کو اپنے دل کے اندر کرنا ہوگا۔ جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ ''میرا یہ کام خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا''، اس وقت تک وہ اس کام کو اچھا نہ سمجھے۔ یہ ہے خدا کی بندگی۔ اس طرح جوابدہ سمجھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی ساری نوع کی یکساں خدمت کر سکے گا۔ کیونکہ وہ حقیقت میں اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی اس تجلی کے حوالے کر دے گا جو انسانیت کے قلب پر پڑتی ہے۔ اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے تمام نوع انسان کی ہمدردی اور خدمت کرنی ہوگی۔ اس سورت میں قرآن کے انقلاب کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ایسا انقلاب برپا کیا جائے جو انسان کے نوعی تقاضے پورے کرے گا نہ کہ کسی خاص خطے یا قوم کی ضرورتوں ہی کا کفیل ہو۔

جس موطن میں اعمال انسانی کے یہ فیصلے ہوتے ہیں اسے ''حظیرۃ القدس'' کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس مقدس مقام میں تمام انبیاء اور اعلیٰ طاقتیں جمع ہوتی ہیں۔ ہر ایک چیز کا فیصلہ کرنے والی طاقت وہاں صرف تجلّی الٰہی ہے۔ انسانیت کا نصب العین یہ ہے کہ اس مقدس مقام میں اپنے لیے جگہ حاصل کرے۔ یہ انبیاء کی انقلابی تحریک ہی کے نتیجے کے طور پر انسان کو مل سکتی ہے۔

آیت نمبر 10: وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا

ترجمہ: ''جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر صبر کر اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جا''۔

مخالفوں کی مخالفت پر صبر کرو

قریش جو پہلے قومی عربی انقلاب کا اور پھر بعد میں عمومی بین الاقوامی انقلاب کا ذریعہ بنیں گے وہ اُمّی اور اَن پڑھ ہیں۔ انہیں قرآنی انقلاب کا مقصد ذہن نشین نہیں ہوا۔ ان کو سمجھانے کے تمام طریقے ابھی استعمال کرنے ضروری ہیں۔ سب کو سمجھانے کا

ایک ہی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہر شخص کو اس کی ذہنیت کے مطابق سمجھاؤ۔ ابھی ان سے لڑنے بھڑنے اور قتال کرنے کا وقت نہیں آیا اور نہ تم اس کے لیے ابھی تیار ہو۔ اس لیے ابھی مخالفت کرنے والوں کی باتوں پر صبر کرو۔ اور ایسی حالت پیدا نہ ہونے دو کہ وہ ہاتھا پائی پر اُتر آئیں۔

تیاری سے پہلے اقدام مُضر ہوتا ہے

اگر تیاری سے پہلے اقدام کر دیا جائے تو انقلاب ناکام رہتا ہے۔ چنانچہ ابتداء نبوّت سے تین سال تک تو حضرت نبی اکرم ﷺ اس طرح رہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔ جس کو اپنے مطلب کا دیکھتے اس سے بات چیت کر لیتے۔ اور جو چند لوگ ہم فکر ہوتے وہ رات کو کسی جگہ جمع ہو جاتے۔ اور اس طرح دعوت اور تیاری جاری رہی۔

اب بھی جس ملک میں قرآن حکیم کے اصولوں پر انقلاب پیدا کیا جائے گا اسے پہلے اسی منزل میں سے گزرنا پڑے گا۔ یعنی ذہنی تیاری کی منزل میں سے، جس میں لڑائی کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ اس تیاری ہی کی برکت تھی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قرآنی انقلاب کی تحریک متعدد ارتجاعوں (Reactions) میں سے گزرنے کے بعد اب تک زندہ ہے۔

سرمایہ پرستوں سے باز پرس

آیت نمبر 11: وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا

ترجمہ: ''مجھے اور ان جھٹلانے والے فارغ البال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے۔''

مُکَذِّبِین ، کسریٰ و قیصر ہیں

المکذ بین (جھٹلانے والے) سے مراد بین الاقوامی حلقے میں کسریٰ و قیصر ہیں۔ اور

قومی حلقے میں مجازاً قریش کے وہ سردار جوان کی راہ چلتے تھے اور جوان ہی کی طرح انقلاب کو برداشت نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ اس انقلاب کے پروگرام (Revolutionary Programme) کونہیں مانتے۔

سرمایہ پرستوں سے باز پرس ہوگی

اُولِی النَّعْمَةِ (فارغ البال) وہ لوگ ہیں جن کے پاس انسانی ضروریات مثلاً کھانے پینے وغیرہ کا سامان وافر موجود ہے جوان کی ضرورتوں سے زیادہ ہے۔
اس قسم کے سرمایہ پرست مخالفین سے چند دنوں کے لیے اعراض کرو اور لڑائی سے بچو۔ یہاں تک کہ تمہاری تیاری مکمل ہو جائے۔ اس کے بعد ان سے باز پُرس کی جائے گی۔ اس زندگی میں وہ جماعت ان سے باز پُرس کرے گی جو قرآنی اصولوں پر خدا کے حکم کے مطابق انقلاب برپا کرے گی۔ یہ دنیا میں خدا کی خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ دوسری زندگی میں اللہ تعالیٰ براہ راست ان سے باز پُرس کرے گا۔

حضرت مسیح کا ارشاد سرمایہ پرستوں کے بارے میں

یہ باز پرس تمام مذاہب کا مسلمہ اصول ہے۔ چنانچہ متّی کی انجیل باب 25 آیات 31-46 میں ہے کہ:

"جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا۔ اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی۔ اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔ جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔ اور پھر بھیڑوں کو اپنے داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ اس وقت بادشاہ اپنے داہنی طرف والوں سے کہے گا کہ آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو! جو بادشاہت بناء عالم کے وقت سے تمہارے لیے بنا دی گئی ہے اسے میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا، بیمار تھا تم نے

میری خبر لی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ تب راستباز جواب میں اس سے کہیں گے اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا۔ یا پیاسا دیکھ کر پانی پلایا؟ ہم نے کب تجھے پردیسی دیکھ کر گھر میں اتارا؟ یا ننگا دیکھ کر کپڑا پہنایا؟ ہم کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے؟ بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ کیا۔ اس لیے میرے ساتھ کیا۔

پھر وہ بائیں طرف والوں سے کہے گا۔ اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ۔ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا، پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قیدی تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ تب وہ جواب میں کہیں گے اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا پیاسا، یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قید میں دیکھ کر تیری خدمت نہ کی؟ اس وقت وہ ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے ان سب سے چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ نہ کیا۔ اس لیے میرے ساتھ نہ کیا اور (وہ) ہمیشہ کی سزا پائیں گے، مگر راستباز ہمیشہ کی زندگی۔"

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان

انہی معنوں میں ایک روایت مشکوۃ شریف (باب "عیادۃ المریض وثواب المرض" میں بھی ہے:

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ :

"یَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ"

قَالَ یَا رَبِّ کَیُفَ اَعُوُدُکَ وَاَنُتَ رَبُّ الُعَالَمِیُنَ؟ قَالَ:
''اَمَا عَلِمُتَ اَنَّ عَبُدِیُ فُلانًا مَرِضَ فَلَمُ تَعُدُہُ؟ اَمَا عَلِمُتَ اَنَّکَ لَوُعُدُتَّہ، لَوَ جَدُتَّنِیُ عِنُدَہ'؟''
''یَا ابُنَ اٰدَمَ! اِسُتَطُعَمُتُکَ فَلَمُ تُطُعِمُنِیُ''
قَالَ : یَا رَبِّ کَیُفَ اُطُعِمُکَ وَاَنُتَ رَبَّ الُعٰلَمِیُنَ؟
''قَالَ: اَمَا عَلَمُتَ اَنَّہ، اِسُتَطُعَمَکَ عَبُدِیُ فُلاَنُ فَلَمُ تُطُعِمُہُ اَمَا عَلِمُتَ اَنَّکَ لَوُاَطُعَمُتَہ، لَوَجَدُتَّ ذَالِکَ عِنُدِیُ؟''
''یَا ابُنَ اٰدَمَ! اِسُتَسُقَیُتُکَ فَلَمُ تَسُقِنِیُ''
قَالَ : یَا رَبِّ! کَیُفَ اَسُقِیُکَ وَ اَنُتَ رَبُّ الُعٰلَمِیُنَ؟''
قَالَ : ''اِسُتَسُقَاکَ عَبُدِیُ فُلاَنَ'' فَلَمُ تُسُقِہُ. اَمَّا اَنَّکَ لَوُ سَقَیُتَہ، وَجَدُتَّ ذَالِکَ عِنُدِیُ؟''

ترجمہ: ''یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:
''اے ابن آدم! میں بیمار ہوگیا۔ لیکن تو نے میری خبر تک نہ لی؟''
انسان کہے گا:
''اے میرے پروردگار! تو، تو ساری اقوام کا رب ہے۔ تیری خبر گیری میں کس طرح کرتا؟''
اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:
''کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تُو مجھے اس کے پاس پاتا!''
اے ابن آدم! میں نے بھوک میں تجھ سے کھانا مانگا، لیکن تو نے مجھے کھانے کو کچھ نہ دیا۔
انسان کہے گا:
''یا اللہ تو ساری دنیا کا پروردگار ہے تجھے کھانا کس طرح دیتا؟''
اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''تجھے خبر نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے نہ دیا۔ اگر تو اُسے کھانا دیتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔''

''اے ابن آدم! میں نے پیاسا ہو کر تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہ دیا۔''

انسان کہے گا کہ:

''یا اللہ تو تمام اقوام عالم کا پروردگار ہے تجھے پانی کس طرح دیتا؟''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:

''میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو، تو نے اسے دیا نہیں تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اسے پانی دے دیتا تو اسے میرے پاس پاتا۔''

الغرض قیامت کے دن قوموں کا فیصلہ اسی مسئلے پر ہوگا کہ انہوں نے مسکینوں اور بیکسوں کو کھانا اور کپڑا اللتہ وغیرہ دیا یا نہیں۔

باز پُرس کیوں ہوگی؟

امام الائمہ امام ولی اللہؒ نے اپنے ایک رسالے ''سطعات'' میں اس امر کی تشریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں سے ایک تجلّی ''تجلیِ اعظم'' کہلاتی ہے جو ساری کائنات پر اثرانداز ہے۔ اس کا ایک عکس یا نازل تجلّی ''عرش'' کہلاتی ہے۔ جس کے نیچے ہر ایک نوع حیوانات کا ایک نمونہ موجود ہے۔ ان میں ایک نمونہ نوع انسان کا بھی ہے۔ اسے امام نوع انسانی یا انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ اس انسان کبیر کے نمونے ہی پر تمام انسان اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان صغیر کہلاتے ہیں۔ اس انسان کبیر کی جو روح ہے وہ تمام افراد انسان کی روح ہے۔ اس انسان کبیر کے قلب پر عرش کی تجلی کا عکس پڑتا ہے۔ یہ گویا تجلی اعظم کا تیسرے درجے کا نازل عکس ہے۔ یا یوں کہو کہ ذات خداوندی کی ایک نازل تجلی ہے یہ تجلی حشر میں ہر ایک فرد انسانی سے مخاطب ہوگی تو گویا حقیقت میں انسانیت ہر ایک فرد سے مخاطب ہو کر ان سے باز پُرس کرے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز انسانی افراد اور انسانی جماعتوں کا فیصلہ مجموعہ انسانی (Humanity as a whole) کے تقاضوں کے مطابق ہوگا۔ جو فرد انسان کبیر یا انسانیت جامع کے طبعی تقاضوں کے جتنا قریب ہوگا، یعنی ان کو جتنا زیادہ پورا کرنے

والا ہوگا، اتنا ہی نیک یا صالح قرار دیا جائے گا۔

افرادِ انسانی اور انسانِ کبیر کا تعلق

اس کی مثال ایسی ہے جیسے جسم انسانی کے خلیات [1] (Cells) کہ ان میں سے بہترین---- صالح ترین---- خلیہ وہ ہے جو سارے بدن انسانی کے طبعی تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیتا ہے۔ اور دوسرے خلیات کے ساتھ مل کر بہترین مصالحت (Harmony) کے ساتھ کام کرتا ہے۔ جو خلیہ اس طرح کام نہیں کرتا وہ بیمار---- غیر صالح---- ہے۔ وہ خلیہ جسم انسانی کی خدمت کرنے سے بہ لسان حال ''منکر'' ہے یعنی ''کافر'' ہے۔ اس خلیے سے ''باز پُرس'' ہوگی اور اس کی اصلاح کے لیے اس کا علاج کیا جائے گا۔

اسی طرح ہر فرد انسانی کی صالحیت کا امتحان اس نقطہ نگاہ سے ہوگا کہ اس نے دیگر افراد انسانی کے ساتھ مل کر کہاں تک مناسبت (Harmony) پیدا کی، جو انسان کبیر کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اگر کسی فرد کے بدن میں کچھ اجزاء خراب یا ناقص ہوں گے تو اس کی اصلاح کے لیے اسے جہنم کے ''شفا خانے'' میں جانا ہوگا۔

اب فرض کیجئے کہ ایک انسان کے پاس خوراک کا ذخیرہ اس کی ضرورتوں سے زیادہ ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے بدن انسان کے خلیے میں خون آتا ہے۔ اگر وہ فرد انسانی اس ذخیرہ خوراک میں سے اپنی ضرورت کے بقدر لے کر دیگر افراد انسانی کو بھی اس میں سے ان کی ضرورت کے مطابق پہنچا دیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے تندرست خلیہ خون کو دوسرے خلیات کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہ اس کا وظیفہ (Function) ہے۔ اگر وہ فرد انسانی خوراک جمع کر رکھے تو وہ ایسا ہے جیسے خلیے میں خون ''جمع'' ہو جائے۔ تو جیسے اس صورت میں کہا جائے گا کہ خلیہ بیمار ہے۔ مثلاً اسے سوجن ہوگئی ہے۔ ایسے ہی فرد انسانی کو بھی غیر صالح---- ناتندرست' اخلاقی بیمار----

---

[1] انسانی جسم---- بلکہ ہر ایک جاندار جسم---- چھوٹے چھوٹے خانوں یعنی خلیات (Cells) سے مرکب ہے۔ ایک خلیہ یا خانہ ایک انچ کا 1/300 حصہ ہوتا ہے۔ اس کے بیچ میں مرکزہ (Nucleus) ہوتا ہے اور اس کے گرد مادۂ حیات (Protoplasm) بھرا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک چہار دیواری (Cell-wall) میں بند ہوتا ہے۔ یہ پھٹ کر بڑھتا ہے۔

قرار دیا جائے گا۔ اور انسانیت (امام نوع انسان) کے قلب پر جو تجلی الٰہی پڑتی ہے وہ اس سے باز پُرس کرے گی۔

صالحیت کا معیار مساکین کی خدمت ہے

الغرض اس دنیا کی زندگی میں فرد کی صالحیت موقوف ہے اس بات پر کہ (اس نے) دوسرے کمزور اور مسکین افراد کی کھانے پینے اور کپڑے لتّے سے کتنی مدد کی۔ اس دنیا کی زندگی میں انقلابی جماعت کی طرف سے، جو انسان کبیر یا انسانیت عامہ کی نمائندگی کرتی ہے، اور اس دنیا میں انسان کبیر کے قلب پر پڑنے والی تجلی الٰہی کی طرف سے، گویا براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے باز پُرس ہوگی۔ یہ انقلابی جماعت ان انسانیت فراموش افراد سے اس وقت باز پُرس کرے گی جب وہ اپنی مرکزی طاقت مضبوط کرلے گی۔

آیت نمبر 12 تا 14:

إِنَّ لَدَيْنَآ أَنكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾

ترجمہ: ''بیشک ہمارے پاس بیڑیاں، تیز آگ، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور درد ناک عذاب ہے۔ جب زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ پھسلتے ریت کے ٹیلے بن کر رہ جائیں گے۔''

ان آیات میں آنے والے بہت بڑے خوف ناک واقعہ کا ذکر ہے۔ اور اس میں ''مکذبین'' کے لیے، جن کا اوپر ذکر آیا ہے، ایک بہت بڑا ڈراوا ہے۔

انقلاب اور قیامت

امام ولی اللہؒ کی حکمت کے مطابق ان آیات میں آنے والی بڑی قیامت کے علاوہ چھوٹی دنیاوی قیامت---- انقلاب عمومی---- کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قرآن درحقیقت آنے والے انقلاب سے ڈرانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ قیامت کبریٰ کے واقعات کو جو تمام اقوام میں مسلمہ طور پر معلوم ہیں، عنوان بناتا ہے۔ اگر قرآن حکیم محض عربوں کے لیے نازل ہوا ہوتا تو وہ عرب کی گزشتہ تاریخ کے

واقعات مثلاً عاد و ثمود کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنا کافی سمجھتا۔ مگر یہ عالمگیر صداقتیں لے کر آیا ہے۔ اس لیے اُسے ان عالمگیر صداقتوں کے نہ ماننے والوں کی عبرت انگیزی کے لیے مسلمہ عالمگیر حوادث ہی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ان آیات میں انقلاب عمومی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے قیامت کے عالمگیر حادثے کو ذریعہ بنایا ہے۔

کھانے پینے کے نظام کی اہمیت

اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی اصلاح کے پروگرام میں کھانے پینے کے انتظام کو پوری اہمیت دینی چاہیے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی شخص اس کے ہمسائے میں بھوکا نہ سوئے۔ جب اس اصول پر اصلاح شروع کی جائے گی تو اسے اپنے زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آئیں گے۔ وہ اس گھر میں آرام سے نہ رہ سکے گا جس میں وہ اب تک ظالمانہ انداز سے رہتا تھا۔ وہ اس شہر میں نہ رہ سکے گا اور اس ملک میں نہ رہ سکے گا جس میں انسانیت پر ظلم ہو رہا ہو۔

فارغ البال ظالم لوگوں کی سزا

جب کسی قانون کا کوئی باغی پکڑا ہوا آتا ہے تو اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اسے وہاں بدترین غذا ملتی ہے، اور تمام راحتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانیت کے دشمن کو بیڑیوں میں کس کر پہلے دنیاوی قید خانے میں ڈالا جائے گا۔ اور یہاں سے مر کر نکلتے ہی وہ جہنم کے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ چونکہ وہ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا، اس لیے اسے دنیاوی جیل میں اور اس کے بعد اخروی جیل (جہنم) میں ایسا کھانا دیا جائے گا جسے وہ کھا نہ سکے گا۔ اور جس طرح مساکین اسے دیکھ دیکھ ترستے تھے اب وہ کھانے کو ترسے گا۔ البتہ دنیاوی عذاب کا قاعدہ اتنا عام اور ہمہ گیر نہیں جتنا اخروی زندگی کے عذاب کا ہے۔ کیونکہ جو شخص انقلابی جماعت کی کامیابی سے پہلے مرگیا، وہ اس کے ہاتھوں سزا پانے سے بچ جائے گا۔ جو لوگ ان ایام انقلاب کی پوری سزا سے بچ گئے، ان کے لیے آخری باز پُرس کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ اس روز سب کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا

جائے گا۔ اس روز اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے کے سوا اور کچھ نہ کرے گا۔

پس کھاتے پیتے لوگ جو انسانیت کی خدمت کے اصولوں سے انکار کرتے ہیں--- مکذبین--- وہ اس بڑے یوم انقلاب--- قیامت کبریٰ---- اور اس آنے والے چھوٹے یوم انقلاب--- قیامت صغریٰ سے ڈریں۔ اور ان کے پاس جو نعمت الٰہی ہے اس میں سے ان کو بھی بقدر ضرورت دیں جو اس سے محروم ہیں۔

فائدہ: ایک شخص غلطی کرتا ہے اس پر گرفت کا موقعہ آچکا ہے۔ مگر اس نے دوسری جماعت میں مل کر ایک اچھا کام بھی کیا ہے۔ اب یہ جماعتی اچھا کام اگر اس غلطی کو معاف نہیں کراسکتا تو اسے مؤخر ضرور کرا دے گا۔ اس اصول پر انسانوں کا فیصلہ آگے پیچھے ہوسکتا ہے۔ مگر کوئی جرم بغیر بدلے کے نہیں رہ سکتا۔ اور جب اس جرم کی سزا پوری ہو جائے گی، جو ہمیشہ محدود ہوگی، تو اسی وقت سے وہ نجات پا جائے گا۔

=========

انقلاب کی منزل اول
قومی انقلاب

قومی انقلاب کی دعوت

آیت نمبر15: إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا

ترجمہ: ''ہم نے تم عربوں کی طرف اسی طرح نگرانی کرنے والا رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔''

بین الاقوامی انقلاب کے چند اصول بیان کرنے کے بعد ان کو قومی انقلاب میں استعمال کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہ قومی انقلاب آگے چل کر بین الاقوامی انقلاب کی شکل اختیار کرے گا اور قومی انقلاب لانے والی جماعت ہی اس بین الاقوامی انقلاب کی مجلس عاملہ (Working Committee) بن جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

حضرت امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپؐ عرب کے لیے قومی نبی ہیں تاکہ اہل عرب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں۔ اور ان میں قانون الٰہی جاری کریں۔ دوسری یہ کہ آپؐ تمام اقوام عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ:

وَهٰذَا الْإِمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ یَحْتَاجُ اِلٰی اُصُوْلٍ اُخْرٰی غَیْرَ الْاُصُوْلِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْمَا سَبَقَ مِنْهَا اَنْ یَّدْعُوَ قَوْمًا اِلَی السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُصْلِحَ شَاْنَهُمْ ثُمَّ یَتَّخِذَهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَیُجَاهِدُ اَهْلَ الْاَرْضِ وَیُفَرِّقُهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی: (کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) وَذٰلِکَ لِاَنَّ

هٰـذَا الْاِمَامَ نَفْسَه، لَا یَتَاتّٰی مِنْهُ مُجَاهدَةَ اُمَمٍ غَیْرٍ مَحْصُوْرَةٍ وَّاِذَا کَـانَ کَـذٰلِکَ وَجَـبَ اَنْ تَـکُوْنَ مَادَةُ شَـرِیْـعَتِـهٖ مَـا هُـوَ بِمَنْزِلَةِ الْـمَـذْهَـبِ الطَّبِیْعِیّ لِاَهْلِ الْاَ قَالِیْمِ الصَّالِحَةِ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ ثُمَّ مَاعِنْدَ قَوْمِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْاِ رْتِفَاقَاتِ وَیُرَا عٰی فِیْهِ حَالُهُمْ اَکْثَرَ مِنْ غَیْرِ هِمْ (حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 118)

اس بین الاقوامی دعوت دینے والے نبی کی کامیابی کے اصول ان اصولوں سے مختلف ہوں گے جو ایک امام صرف اپنی قوم کے اندر دعوت کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی امام اپنی قوم کو صحیح سنت کی دعوت دے گا۔ اور انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کی حالت درست کر کے ان کو اپنا آلہ کار بنائے گا۔ وہ ان کی مدد سے باقی اقوام عالم سے لڑے گا۔ اور ان کو چاروں طرف اپنی دعوت کا پیام دے کر بھیج دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی آیت ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِ جَتْ لِلنَّاسِ [(تم امت (عربیہ) کا بہترین طبقہ ہو جو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے پیدا کئے گئے ہو)]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تنہا بنفس نفیس لاتعداد اقوام کے ساتھ لڑ بھڑ نہیں سکتا۔ چونکہ صورت حال یہ بن جاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے قانون شریعت کا جو ہر تمام اقوام کے لیے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب، جو اچھی آب و ہوا کے خطوں میں بستی ہیں، بمنزلہ مذہب طبیعی ہو۔ بایں ہمہ اس امام کی قوم کے علوم و ارتفاقات کا دیگر اقوام کی بہ نسبت اس تعلیم میں زیادہ خیال رکھا گیا ہو)۔

پس بین الاقوامی دعوت دینے والا امام اپنا کام بین الاقوامی دعوت سے شروع نہیں کرے گا۔ بلکہ سب سے پہلے اپنی قوم کے صالح عناصر کو جمع کر کے قومی انقلاب برپا کرے گا۔ اور پھر اس قومی انقلاب کی مجلس عاملہ (جوارِحہ) دوسری اقوام میں کام کرے گی اور ان کے اندر انقلاب برپا کرے گی۔

حضرت موسیٰؑ کی مثال

حضرت نبی اکرم ﷺ کی شاندار بین الاقوامی کامیابی اسی اصول طبعی کی پابندی کی

رہینِ منّت ہے۔ یہ اصول اس سے پہلے بھی برتنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے بین الاقوامی مرکزیت کو توڑنے کے لیے اسی حربے سے کام لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعوت حنیفی کی ریاست سپرد کی (جو بین الاقوامی دعوت ہے) تو ان کو اور ان کے رفیق کار حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ:

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (طٰ 47:20)

ترجمہ: ''یعنی دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیامبر ہیں، اس لیے بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، اور ان کو عذاب مت دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ اب جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہی سلامت رہ سکتا ہے۔''

چنانچہ خدا کے دونوں پیامبر فرعون کے پاس جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور نمائندہ گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ (الاعراف 105:7)

ترجمہ: ''میں یقیناً تمہارے رب کی طرف سے کھلی کھلی نشانیاں لے کر آ گیا ہوں۔ اس لیے اب بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کردو۔''

بالکل ایسے ہی حضرت نبی اکرم ﷺ نے پہلے قریش اور عرب میں بین الاقوامی کام کو قومی رنگ میں کرنا شروع کیا اور ان کو ان مظالم سے پاک کرنے کی کوشش کی جو وہ انسانیت پر کر رہے تھے اور ان کو تعلق باللہ کا وہ سبق یاد دلایا جو وہ بھول چکے تھے۔

آیت نمبر 16: فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا

ترجمہ: ''فرعون نے اس پیامبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اسے دردناک عذاب میں مبتلا کردیا۔''

فرعونی ملوکیت کا خاتمہ

فرعون کی ملوکیت بنی اسرائیل اور سب مصریوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر رہی تھی۔ اس نے ان کو غلامی کی انتہائی ذلت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان سے اتنی محنت

و مشقت لی جاتی تھی کہ ان کو بیلوں اور گدھوں کی طرح تمام گھریلو کاموں کے لیے استعمال کیا جانے لگا تھا۔ اہرام مصر (Pyramids) جیسی عظیم الشان عمارتیں جن کی تعمیر میں لاکھوں من پتھر کی سلیں لگی ہیں سب مصریوں کے ہاتھوں بنوائی گئیں۔

جب حکمران طبقہ اپنی قوم کو یوں ذلیل بنائے تو اسے کیوں زندہ رہنا چاہیے؟ وہ تو اپنی قوم کو آدمی ہی نہیں مانتے، بنی اسرائیل کی ان کے ہاں کیا قیمت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ فرعون نے بھی بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے دینے سے انکار کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آزادی کے پروگرام پر منظّم کرلیا اور ان کو مصر سے نکال لے گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی خاص مدد فرمائی۔ اور ان کے دشمنوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے برباد کردیا۔

چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ: کسریٰ اور قیصر

اسی طرح چھٹی صدی عیسوی کے فراعنہ (Pharaos) کسریٰ ایران اور قیصر روم--- کے لیے ایک نبی اعظم ﷺ آیا جس نے ان کو دعوت دی کہ وہ اسلام کا قانون--- قرآن حکیم--- قبول کر کے اسے رائج کریں۔ اگر وہ اس قانون کو رائج نہ کریں گے تو کسانوں پر جوظلم وہ کر رہے ہیں اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ چنانچہ قیصر روم کو جو خط لکھا گیا اس میں یہ الفاظ خاص ہیں:

اِنِّیۡ اَدۡعُوۡکَ بِدَعَایَةِ الۡاِسۡلَامِ اَسۡلِمۡ تَسۡلَمۡ یُؤۡتِیۡکَ اللّٰہُ اَجۡرَکَ مَرَّتَیۡنِ، فَاِنۡ تَوَلَّیۡتَ فَاِنَّ عَلَیۡکَ اِثۡمَ الۡیَرِیۡسِیِّیۡنَ

(الصحیح البخاری باب بدء الوحی)

(میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر اسے مان لو گے تو دنیا میں بھی بچ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا دُگنا اجر بھی دے گا۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہارے کسانوں پر جو مظالم ہو رہے اور وہ اپنی جہالت کے باعث جو غلطیاں کر رہے ہیں، ان کے تم ذمہ دار ہو گے)۔

اس خط سے ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی انسان دوستی شروع ہی سے ملوکیت پرستوں کے جوئے تلے دبے ہوئے لوگوں، خصوصاً کسانوں کے ساتھ تھی۔ کیونکہ ان ممالک کی غالب آبادی ان کسانوں وغیرہ پر ہی مشتمل تھی۔ چنانچہ امام الائمہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ (ص 105) میں اس طبقے کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت عبرت انگیز ہے۔

کسریٰ و قیصر نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح فرعون کو دنیا میں سزا دی گئی اسی طرح یہ دونوں سلطنتیں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ **هَلَكَ كِسْرٰى فَلاَ كِسْرٰى بَعْدَه' وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلاَ قَيْصَرَ بَعْدَه'** (کسریٰ و قیصر ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کے بعد ان کا کوئی جانشین نہیں ہوگا)۔

یہ تھا بین الاقوامی انقلاب جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے پیدا کیا اور جس کا فائدہ تمام کمزور جماعتوں کو پہنچا۔

آیت نمبر17: **فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا**

آیت نمبر18(الف): **اِلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ط**

ترجمہ: ''تم کس طرح بچ سکو گے اگر تم نے انکار کیا اس دن کا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس سے آسمان پھاڑا جائے گا۔''

وہ یوم انقلاب آنے والا ہے اور جس طرح قیامت کبریٰ کا عذاب ایسا خوفناک ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اسی طرح چھوٹے پیمانے پر آنے والے ایام انقلاب میں تمام مخالفین کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس یوم انقلاب کے لانے کے لیے خدائے قدیر اور **مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** تدابیر کر رہا ہے۔ اگر اسے قریب تر لانے کے لیے آسمانی قوتوں کو پھاڑنا (یا بقول حضرت مسیح ''ہلانا'') پڑے گا تو وہ بھی کر ڈالے گا۔

انقلاب کے لیے تدبیر الٰہی کے طریقے

تدبیر الٰہی کے انہی اصول کار کی تشریح کرتے ہوئے امام ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَاِذَا تَهَيَّأَتْ اَسْبَابُ هٰذَا الشَّرِّ اِقْتَضَتْ رَحْمَةُ اللّٰهِ بِعِبَادِهٖ وَلُطْفُهٗ بِهِمْ وَعُمُوْمُ قُدْرَتِهٖ عَلَى الْكُلِّ وَشُمُوْلِ عِلْمِهٖ بِالْكُلِّ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ تِلْكَ الْقُوٰى وَالْاُمُوْرِ الْحَامِلَةِ لَهَا بِالْقَبْضِ وَالْبَسْطِ وَالْاِحَالَةَ وَالْاِلْهَامِ حَتّٰى تَفْضِيْ تِلْكَ الْجُمْلَةُ اِلَى الْاَمْرِ الْمَطْلُوْبِ

یعنی جب عارضی قباحت کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اوراس کی مہربانی تقاضا کرتی ہے کہ اس عارضی قباحت کو دور کر کے مصلحت عامہ کے مطابق حالت پیدا کر دی جائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں ہے اس لیے کہ وہ ہر چیز پر براہ راست قادر ہے۔ اور کائنات کے ذرے ذرے کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس غرض کے لیے وہ مخلوقات اوران کی قوتوں میں تصرف کرتا ہے اس کے تمام تصرفات چار قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں:

(1) قبض: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے خلاف ہوں، ان کی قوت عاملہ روک دی جاتی ہے)۔

(2) بسط: (یعنی جو قوتیں مصلحت کلیہ کے لیے مفید ہوں مگر کمزور ہوں ان کو قوٰی مثالیہ سے مدد پہنچا کر طاقتور بنا دیتا ہے)۔

(3) احالہ: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کی غرض سے اگر ضرورت پڑے تو ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کر دیا جاتا ہے)۔

(4) الہام: (یعنی مصلحت کلیہ کے قیام کے اصول کی محبت یا اس کے مخالف قوتوں کی نفرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کے حق میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں)۔

کسریٰ و قیصر اوران کے متّبعین میں قریش کو انذار

الغرض ان تدابیر کے ذریعے سے قرآنی انقلاب لایا جائے گا اور کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔ اور نہ حجاز میں کوئی غیر انقلابی رہنے پائے گا۔ اب اگر فرعون موسیٰ علیہ السلام کی تحریک انقلاب کی مخالفت کر کے بچ نہ سکا تو قیصر و کسریٰ اور ان کے مکّی اور حجازی متّبعین اس انقلاب سے جو قرآن حکیم لانے والا ہے کس طرح بچ سکتے ہیں؟

اس پیش گوئی کی تصدیق

تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح نکلی اور اس اعلان کے تیرہ سال کے بعد جنگ بدر میں ابوجہل اور اس کی متبعین اور چند سال کے بعد ایرانی اور رومی، جنگوں میں کسریٰ ایران اور قیصر روم ہلاک ہوگئے۔

آیت نمبر 18(ب): كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا

ترجمہ: ''(یہ بات ہو کر رہنے والی ہے) یہ انقلاب ہو کر رہے گا اور کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی!''

یہ اعلان جنگ بدر سے تیرہ سال پہلے کیا گیا تھا۔ اور بدر میں عین اس کے مطابق ہو کر رہا۔

انقلاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت

ہمارے اکثر مفسرین نے اپنی تفسیریں اس زمانے میں لکھیں جب قرآنی انقلاب دنیا کے اکثر حصوں پر چھا چکا تھا۔ اور قرآنی نظام (Quranic Order) کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم ہو چکی تھی۔ اس لیے یہ مفسرین انقلاب کی وہ کیفیت سمجھنے سے معذور رہے جو صدرِ اسلام میں پیش آئی تھی، اور جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے واقعۃً زندگی بسر کی۔ اس لیے یہ مفسرین اکثر واقعات کو جو انقلاب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں اور جو واقعی قیامت کبریٰ کا نمونہ ہوتے ہیں، قیامت کبریٰ ہی پر محمول کر کے خاموش ہوگئے۔ اس انقلاب کی حقیقت کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہو۔ ہم خود ہندوستان میں اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے ہیں جو یورپین استیلاء سے پیدا ہوا۔ مگر ہم ایک واسطے سے اس انقلاب کے حالات جانتے ہیں۔ جب وہ حالات سنتے ہیں تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔[1]

---

[1] راقم الحروف کے استاذ مولانا مفتی عبدالحمید صاحب لودھیانوی تاحال زندہ ہیں۔ انہوں نے اپنے شہر (لودھیانہ) میں پیش آنے والے واقعات راقم الحروف کو سنائے۔ ان کو سن کر دل دہل جاتا تھا۔ اور راقم الحروف نے اپنے خاندانوں کے بزرگوں سے شورش مذکورہ کے جو حالات سنے وہ زبانِ قلم ادا کرنے سے عاجز ہے۔ (مرتب)

اس قسم کے انقلاب کی قریب ترین مثال روسی انقلاب کی ہے۔ روس میں زار کے خاندان اور دیگر روسی امراء کے خاندانوں سے جو بیتی، وہ کچھ وہی خوب جانتے ہیں جو ان قیامت خیز وحشرزا حوادث سے دو چار ہوئے۔ جو لوگ 917ء ہندی (1917ء) کے بعد پیدا ہوئے وہ ان کی حقیقت سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں؟ اور صفحات تاریخ وہ خونچکاں مناظر کس طرح دکھا سکتے ہیں جو آنکھوں نے 917ء ہندی میں دیکھے۔ اور اس سے تھوڑا سا فرق کر کے عثمانی خلافت میں جو انقلاب آیا ہے اور شاہی خاندان جس طرح بھیک مانگنے اور بُری طرح اخلاق بیچنے پر مجبور ہوا، مسلمانوں کا کھاتا پیتا طبقہ وہ مسلمانوں کے سامنے نہیں آنے دیتا، ورنہ مسلمانوں کے سامنے روس کے انقلاب کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ اور جتنی سزا عثمانیوں کو دی گئی وہ ہمارے عوام سن لیں تو آنکھیں کھلی رہ جائیں!

الغرض قرآن حکیم قیامت کبریٰ کے جس چھوٹے سے نمونے---انقلاب---- کی خبر دے رہا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا۔ اور کوئی ارضی وسماوی طاقت اسے روک نہ سکے گی!

آیت نمبر19 : اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''یہ ایک یاد دہانی ہے، اب جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔''

(الف): اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ

ترجمہ: ''یہ ایک یاد دہانی ہے۔''

قرآن متنبہ کرتا ہے

جو لوگ قرآن سوچتے ہیں قرآن حکیم ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور جو لوگ اس کے خلاف ارتجاع (Reaction) سوچتے ہیں ان کو تنبیہ کرتا ہے۔

(ب): فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

ترجمہ: ''اب جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔''

اب کون بچے گا؟

اس انقلاب نے اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ جو شخص چاہے یہ راستہ اختیار کر لے۔ قرآنی تعلیم کو اپنا پروگرام بنا کر دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔ رسولؐ اللہ کا فرض یہ ہوگا کہ بھولے بھٹکے لوگوں کو یاد دہانی کراتے رہیں۔ آپؐ کے بعد قرآن حکیم کی تعلیم سے صحیح طور پر سوچنے والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلاب وہی کامیاب ہوتا ہے جس کے کارکن انقلاب کے اصولوں کو سمجھ کر اپنا لیں اور پھر اپنی ذمہ داری پر کام کریں۔ جب تک کوئی شخص اپنے فیصلے سے انقلابی نہیں بنتا انقلاب میں وہ کوئی قیمت نہیں پاتا۔ جو لوگ اچھی طرح سمجھ کر شامل نہ ہوں وہ بھی ارتجاعی بن جایا کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن کے اصولوں کو سمجھا کر انقلابی بنانا ضروری ہے۔

نظر بازگشت

اس رکوع میں مندرجہ ذیل مضامین آ گئے ہیں:

(1) قرآن حکیم کی تحریک عوام اور خواص دونوں میں جاری کی جائے تاکہ یہ اپنے انقلابی اثرات پیدا کرے۔

(2) اس تحریک کو آگے بڑھانے کے واسطے صرف خدا پر بھروسہ کر کے کام کرنا ضروری ہے۔

(3) اس تحریک کا ابتدائی مقابلہ بین الاقوامی میدان میں کسریٰ و قیصر کے سرمایہ پرستانہ نظام سے پیش آئے گا۔ اور قومی میدان میں ان لوگوں سے، جن کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہے۔

(4) ابتدا میں انقلابی جماعت لڑنے سے باز رہے اور صبر کے ساتھ تمام مصائب برداشت کرتی ہوئی تیاری کرے۔

(5) قرآنی انقلاب کی بنیاد مسکینوں کی خدمت پر ہوگی اور اسی مسئلے پر قیامت کے روز اقوام اور افراد کا فیصلہ ہوگا۔

(6) عمومی انقلاب برپا کرنے سے پہلے اس کے پیشرو (Pioneers) تیار کرنے کے لیے قومی انقلاب پیدا کیا جائے۔

انقلاب کی منزل دوم

بین الاقوامی انقلاب



تمہید

انقلاب کی حقیقت ان کے ذہن نشین ہوگئی۔ اب یہ اساتذہ---- ائمہ انقلاب---- اپنے اپنے گھروں پر لوگوں کو تیار کریں گے۔ اس لیے شب بیداری کی وہ پابندی جو ایک سال پہلے لگائی گئی تھی کہ ایک تہائی، نصف یا دو تہائی رات گئے تک کھڑے رہا کرو، غیر ضروری قرار دے دی گئی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے قیامت تک کے لیے منسوخ کر دیا گیا۔ اس ''قول ثقیل'' پر عمل کرنے کی تیاری کے لیے ضرور کم سے کم ایک سال تک بالاستیعاب (Intensive) مطالعے اور گہرے غور وفکر کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد بھی جب انہی اصولوں پر انقلاب برپا کرنے کی ضرورت ہوگی پھر یہی اصول قائم ہو جائے گا اور یہ آیت زیرِعمل آجائے گی۔ یہ قیام رسول اکرم ﷺ کے لیے ساری عمر ضروری رہا مگر عام لوگوں کو اس سے مستثنٰی کر دیا گیا۔

آیت نمبر 20 (الف):

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

ترجمہ: ''بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھیوں میں سے ایک چھوٹی سی جماعت دو تہائی سے کچھ کم یا نصف شب یا ایک تہائی رات تک کھڑی رہتی ہے۔ اور اللہ مقدار معین کرتا ہے رات اور دن کی۔ وہ جانتا ہے کہ تم (ہمیشہ) اس حکم کی پیروی نہ کرسکو گے۔ اس لیے اس نے تمہیں اس حکم کی تعمیل سے بری کر دیا۔ اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسانی کے ساتھ پڑھ سکو۔''

قیامِ شب کا حکم دائمی نہ تھا

یہ حکم تمام دنیا کے لیے اور ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے دائمی حکم نہ تھا کہ وہ ایک تہائی یا نصف یا دو تہائی رات تہجد میں گزاریں جس میں وہ قرآن حکیم پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ زمین کے بعض حصوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں جیسے ناروے کے شمال میں ایک ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اگر اتنی لمبی رات کا آدھا یا تہائی بھی کھڑا رہنا پڑے تو عملی طور پر یہ ناقابلِ عمل ہوگا۔ ایسی تعلیم جس میں اس قسم کے حکم ہوں عالمگیر نہیں بن سکتی۔ اس لیے خداوند تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورت کے مطابق قرآن حکیم کے اتنے مطالعے کا حکم دیا جس پر عمل ہمیشہ ممکن ہے۔

ترمیمِ حکم کے دوسرے اسباب

(1) امراض (2) سفر (3) قتال

اس حکم کے بدلنے میں رات دن کی کمی بیشی کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً

آیت نمبر 20 (ب): عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى

ترجمہ: ''وہ جانتا ہے کہ تم میں عنقریب بعض لوگ بیمار بھی ہو جائیں گے۔''

(1) جو لوگ بیمار ہوں گے وہ اس طویل شبانہ تعلیمی عبادت کے متحمل نہ ہوسکیں گے۔

آیت نمبر 20 (ج): وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

ترجمہ: ''اور دوسرے لوگ سفر کریں گے زمین پر اللہ کے فضل کی تلاش میں۔''

(2) بعض لوگ انقلابی ضرورتوں کے لیے سرمایہ جمع کرنے کی خاطر، خواہ وہ اپنی ذات کے لیے ہو یا جماعت کے لیے، راتوں کو سفر کریں گے۔

آیت نمبر 20 (د): وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ترجمہ: ''اور دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔''

(3) بعض لوگ اس انقلابی پروگرام کو زمین میں قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا کر اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔

آیت نمبر20 (ہ): فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

ترجمہ: ''اس لیے اتنا پڑھ لو جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے۔''

یہ دائمی قاعدہ ہے کہ حسب ضرورت جتنا سہولت سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ مملکت (State) کی تنظیم صرف علم سے نہیں ہوتی۔ بلکہ تجارت اور تحفظ مملکت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ پس ہر شخص کو کوئی نہ کوئی منفعت بخش کام (Productive Occupation) اختیار کرنا چاہیے۔ جو سوسائٹی کے لیے مفید ہو اور جس کی قانون اجازت دے۔ انقلاب کا نتیجہ یہ ہے کہ انقلاب منظّم کر کے عوام کو ارتقائی راستے پر لگا دیا جائے۔ اس وقت ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنا ہوگا تا کہ ملکی پیداوار بڑھے اور راس پیداوار کی تنظیم میں بھی انقلاب کا ایک فریضہ ہے۔ اسی کے بل بوتے پر انقلابی جماعت اپنے انقلاب کو آگے بڑھا سکتی ہے۔ اگر ملک کی پیداوار منظّم نہ ہوگی تو مخالف طاقتوں کے حملوں کو برداشت نہ کیا جا سکے گا۔ اور ارتجاعی طاقتیں فتور مچا دیں گی۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ مگر یہ افراد کے اختیار میں ہوگا کہ کونسا مفید پیشہ اختیار کریں۔ جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کر لیں گے وہ نماز تہجد بطریق مذکور رات کو مقررہ طویل گھڑیوں میں نہ پڑھ سکیں گے۔ اس لیے قانون میں قدرے ترمیم کر دی گئی۔

الغرض اب اپنی سہولت کے مطابق قرآن حکیم پر تدبر جاری رکھو اور دیکھو کہ اس کے مطابق حکومت کس طرح چلائی جائے گی۔ اس قرآن خوانی کی عملی شکل کیا ہوگی۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ایک اہم نکتہ: قرآن کی تعلیم انقلابی ہونے کا ثبوت

یہ آیت نہایت اہم تاریخی چیز ہے۔ یہ بعثت کے دوسرے سال میں نازل ہوئی۔ اس میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت صاف وصریح اور ناقابل تاویل الفاظ میں اشارہ موجود ہے۔ اس سے قرآنی فکر کے انقلابی ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے۔ انقلاب اگر سوچے سمجھے ہوئے پائیدار اصولوں پر برپا کیا جائے تو اس کے بنیادی فکر میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اگر قرآن حکیم انقلابی تحریک پیدا کرنی چاہتا ہے تو ضرور اس

میں لڑنے کا فکر شروع ہی سے موجود ہونا چاہیے۔ گو لڑنا نہ لڑنا وقتی مصلحت کے مطابق ہوگا۔ یہ آیت اس فکر کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیم کو نا قابل تردید طور پر انقلابی ثابت کرتی ہے۔ اس آیت میں قتال کا جو فکر پیش کیا گیا ہے، وہ پہلا جرثومہ (Germ) ہے جس نے آگے چل کر ''انفال'' اور ''توبہ'' کی ترکیب اور جامعیت حاصل کرلی۔ انفال اور توبہ قرآن حکیم کی دو سورتیں ہیں جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون تفصیل سے دیا گیا ہے۔

عدم تشدد طبعی اصول نہیں

زمانہ حال کا یہ سب سے افسوسناک حادثہ ہے کہ عدم تشدد (Non-violence) کو جو انقلاب کی تیاری کے لیے بہترین ذریعہ ہے، سیاست کا لازمی اور دائمی جز قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ انسانی سیاست کی قطعی غیر طبعی ترجمانی ہے۔ قرآن حکیم اور اس کی بنیاد پر 'حکمت امام ولی اللہؒ' اس سے قطعاً انکار کرتے ہیں اور قرار دیتے ہیں کہ چونکہ انسان بہیمیت (Carnality) اور عقلیت یا ملکیت (Spirituality) سے مرکب ہے، یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ انسان اجتماعی حیثیت سے اپنی ارتقائی زندگی کے کسی دور میں بھی بہیمیت سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اس لیے جنگ اور قتال --- جہاد -- جس کے ذریعے سے ملکیت یا عقلیت' بہیمیت پر غالب آتی رہے گی، انسانی معاشرہ (Society) کا لازمی جز رہے گا۔ انسانیت فقط عدم تشدد (Non-violence) یا مصالحت (Compromise) سے کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ بلکہ ہمیشہ انقلاب (Revolution) سے آگے بڑھتی ہے جس کے لیے تشدد اور عدم تشدد دونوں ضروری ہیں۔[1]

---

[1] فائدہ

ہماری شرعی اصطلاح میں جہاد کے لیے امیر، لشکر اور سامان جنگ کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماع سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ لیکن اگر اجتماع ٹوٹ چکا ہو اور سامان جہاد میسر نہ ہو تو پھر ہمارے فقہاء ہر مرد اور عورت کو انفرادی طور پر جہاد کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ یہ ہے انقلاب۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ بات انہیں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ نے سمجھائی تھی۔ ہماری قوم میں علی گڑھ پارٹی نے جس طرح جہاد میں سُستی برتی ہے وہ نہایت قابل افسوس ہے۔ اور مزید برآں گاندھی جی کا مستقل عدم تشدد کا نظریہ تباہ کن ہے۔ (مرتب)

نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی :

(ایک شبہ کا ازالہ)

حضرت نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا ایک ہی محور تھا--- انقلاب۔ جس کے لیے قتال لازم ہے۔ لیکن یورپ کے پراپیگنڈہ کرنے والے ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں کہ آپؐ مکہ میں مسکینی کی زندگی بسر کرتے رہے مگر مدینہ پہنچتے ہی حالات کچھ سازگار ہوئے تو (نعوذ باللہ) کھل کھیلے اور قافلے لوٹنے شروع کردیئے اور رفتہ رفتہ ایک ریاست (State) کے مالک بن بیٹھے۔ چنانچہ مشہور اہل قلم مسٹر جوزف ہل (Joseph Hull) اپنے مقالے ''الثقافتہ العربیہ'' (Die Cultur der Arabes) مترجمہ جناب صلاح الدین خدا بخش صاحب ایم۔ اے، بی۔ سی۔ ایل، بیرسٹر ایٹ لاء پٹنہ) کے صفحہ 22-23 پر لکھتے ہیں کہ:

> The man who just left Makkah and the man who entered Medina seem to be two different men. The former man an ideal preacher of a perfect religion who for his convictions, cheerfully endured scorn and persecutions and who sought no other destinction than that of being acknowledged as messenger of God. There is no trace of love of power in him--nothing to indicate that he was striving to set up a state organization at the head of which he wished to preside. Of social reform, the one thing that he sought to achieve in Mekka-- supported by the doctrine of Unity of God and the Day of Judgment, reinforced by the joys and horrors of Heaven and Hell--was the widening of the circle of duties beyond the trible, to all faithfuls alike and to mankind at large

in the event of their accepting the true faith.

He left Makkah as a Prophet but entered Madina as the Chief of a Community. The "fugitives" constituted a tribe by themselves and as a corporate body were described under the name and style of Muhajirin. This change of position created fresh problems, set new tasks but Mohammed was quite equal to the occasion. The Prophet now retires into the backgrond-- the dipolamat now comes forward. The Prophetship is now only an armament of the ruler, an effective weapon establishing,extending, and maintaining power."

''یعنی جس شخص نے ابھی ابھی مکے سے ہجرت اختیار کی اور جو اس کے بعد مدینے میں داخل ہوا، ایک نہیں دو جداگانہ اشخاص معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا ایک کامل اور مکمل مذہب کا مبلغ تھا۔ اس نے اپنے اعتقادات اور ایمانیات کے سبب اپنے مخالفین کی طرف سے ہر قسم کا نفرت آمیز سلوک اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں۔ وہ خدا کا پیامبر مانے جانے کے سوا اور کسی قسم کے امتیاز کا خواہاں نہ تھا۔ قوت حاصل کرنے کا اسے خواب تک نہ آیا تھا۔ اور یہ ہرگز نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے ماتحت کوئی حکومت قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ اہل مکہ سے صرف اتنی اصلاح چاہتا ہے کہ وہ اپنے قبائلی فرائض کے حلقے کو وسیع تر کر کے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کرلیں۔ اور اگر تمام دنیا کے مسلمان اسلام لے آئیں تو ان سب کو اس حلقے میں لے لیں۔ وہ صرف اس غرض سے اہل مکہ کو توحید کا سبق دیتا ہے، اور یوم آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے، اور ثواب کی توقع دلاتا ہے۔

الغرض اس نے مکہ چھوڑا تو وہ محض ایک نبی تھا اور جب مدینے میں

داخل ہوا تو وہ ایک گروہ کا لیڈر (سردار) تھا، جو لوگ ہجرت کر کے اس کے ساتھ آئے تھے ان کا مہاجرین کے نام سے ایک الگ قبیلہ بن گیا۔ اس تبدیلی نے نئے مسائل اور نئے نئے کام پیدا کر دیئے مگر (حضرت) محمد (ﷺ) ہر ایک مسئلے کو حل کرنے اور ہر ایک کام کو سرانجام دینے کا اہل تھا۔ اب نبی پس منظر میں چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ سیاستدان (Diplomat) آگے آجاتا ہے۔ اب نبوت حکمران کے زیور کے سوا اور کچھ نہیں جسے وہ اپنی ریاست قائم کر کے اسے توسیع دینے اور قائم رکھنے میں استعمال کرتا ہے۔''

دراصل مشنری لوگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی میں اس قسم کی تفریق کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مدینے تشریف لے جانے کے بعد آپؐ کا فکر (Idea) بدل گیا تھا۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپؐ کی تعلیم انقلابی (Revolutionary) نہیں ہے جو اصولِ انقلاب کے مطابق نہیں بلکہ حالات کے تابع تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا ثبوت آیت زیر بحث سے مل جاتا ہے۔ مکی زندگی میں قرآنی جماعت کو بتا دیا گیا تھا کہ آگے چل کر قتال (War) ہوگا۔ چنانچہ اس کے چند سال بعد بدر سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام تک برابر جاری رہا۔ اور ان کا تتمہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں پیش آیا، جب قیصر و کسریٰ کے ممالک پر قبضہ کیا گیا۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم انقلابی تعلیم ہے۔ جس کا فکر (Idea) مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ اور وہیں تکمیل تک پہنچا۔ مدنیہ منورہ کی زندگی درحقیقت اسی فکر کی توسیع تھی۔ چنانچہ امام الائمہ حضرت امام ولی اللہ ''فیوض الحرمین'' (ص 67) میں خلافت باطنہ اور خلافت ظاہرہ کی جو تشریح کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ظاہرہ سے مراد سلطنت ہے۔ اور خلافت باطنہ سے مراد وہ پارٹی ہے جو سلطنت پیدا کرتی ہے۔ یہ خلافت باطنہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہو چکی

تھی۔ اسی کو قرآن حزب اللہ قرار دیتا ہے۔

آیت نمبر20 (و): وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

ترجمہ: ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو''

نماز اور زکوٰۃ کا دائمی قانون

تہجّد کی معافی کے ساتھ عام نماز معاف نہیں ہوگئی۔ اسے ضرور قائم رکھو۔ یہ تجلّی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہے اس کا لازمی نتیجہ ہے مساکین کی خدمت، جس کے لیے زکوٰۃ کا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔

مساکین کی خدمت کے لیے اپنی آمدنی میں سے اتنا حصہ نکالتے رہو کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ یہ انقلاب کا لازمی جز ہے۔ ورنہ غیر انقلابی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی جو لوگ مساکین کی روٹی اور دیگر انسانی ضرورتوں کا مسئلہ حل نہیں کریں گے وہ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ حکومت قائم ہو جائے تو مساکین کے کھانے پینے، وغیرہ کا منظّم انتظام اس کا فرض اولین ہوگا۔ وہ عام مسلمانوں سے زکوٰۃ کا بقدر ضرورت ٹیکس وصول کر کے مساکین پر خرچ کریں گی۔ اگر آمدنی کی اِس مد سے یہ خرچ پورا ہوتا رہے تو اچھا ہے۔ ورنہ دوسری مدّات سے اس کام میں مدد دی جائے گی۔ اگر دیگر مدات بھی اس کی کفیل نہ ہوسکیں، تو مزید ٹیکس لگایا جائے گا۔ مگر یہ اختیار اس حکومت کو ہے جو اپنا حساب قوم کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ دارالشوریٰ میں اپنا حساب پیش نہیں کرتی تو اسے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ جتنا لیتی ہے ظلم سے لیتی ہے۔

آیت نمبر20 (ز): وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

ترجمہ: ''اور اللہ کو ادھار دو بطریق احسن''

سرمایہ محدود کرنے کا قانون

زکوٰۃ کے علاوہ یہ قرضہ بھی قرآن کا قانون چلانے والی حکومت کو دیا جائے گا اور اس سے اس پر سود نہ لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک شخص کو اپنا فالتو روپیہ سرکاری بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔ جہاں سے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ اور حکومت اس پر اپنی مرضی سے جس قدر چاہے نفع دے سکتی ہے جس کی شرح وغیرہ پہلے سے طے نہ ہوگی۔ یہ نفع دینا نہ دینا اور کس شرح سے دینا یہ سب باتیں حکومت کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑنا ہوگا۔

آج کل بینک آف انگلینڈ (Bank of England) نے تمام دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا نظام سود پر چلتا ہے ہمارے بینک ایسے نہیں ہوں گے ہمارے بینک امدادی بنکوں (Co-operative Societies) کے اصولوں پر ہوں گے جن میں ہلکا سود بھی نہیں لیا جائے گا۔ ان کے چلانے کے لیے سوسائٹی اپنا علیحدہ انتظام کرے گی۔

آیت نمبر 20 (ح): وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ

ترجمہ: ’’تم اپنی جو نیکی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے۔‘‘

انفرادی اور اجتماعی مفاد کا تلازم

تم اپنے اجتماعی فائدے کے لیے جو کام بھی ان اصولوں پر کرو گے وہ ضائع نہیں جاسکتے۔ اگر ان سے براہ راست تمہاری ذات کو فائدہ نہ پہنچا تو تمہاری اولاد کو یا دوسرے عزیزوں کو یا اجتماع انسانی کے کسی فرد کو فائدہ پہنچ جائے گا، اور دنیا میں قومی کاموں سے بڑھ کر بلند تر درجے پر کام کرنے کا حوصلہ دلائے گا۔ اور اس کا جو اثر تمہارے نفس پر مرتب ہوگا وہ آئندہ زندگی میں بھی بالآخر تمہارے لیے مفید ثابت ہوگا۔

آیت نمبر 20 (ط): هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا

ترجمہ: ’’وہ اجر کے لحاظ سے بہت اچھا اور بہت بڑا ہے۔‘‘

بین الاقوامی کام زیادہ شاندار کام ہے

بیشک تم آج قومی درجے پر کام کر رہے ہو اور یہ کوئی بلند درجے کا کام نہیں ہے۔ لیکن آگے چل کر تم اسی قومی کام کے نتیجے کے طور پر بین الاقوامی کام کرنے کے قابل ہو جاؤ گے جس کا اجر تمہیں اس سے بہت زیادہ اور نہایت شاندار شکل میں ملے گا۔ پس اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

آیت نمبر20 (ی): وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ: ''اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔''

قیامِ ضبط کی ضرورت

اس قومی اور بین الاقوامی کام میں کبھی کبھار غلطی ہو جایا کرے تو اسے اصول بنا کر نہ بیٹھ جاؤ، بلکہ اصول وہی ہیں جو قرآن حکیم میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غلطی ہو جائے تو اس کو غلطی سمجھ کر اس سے بازگشت کرو۔ از سرنو قرآن کے اصولوں پر قائم ہو جاؤ۔ اور اس طرح اپنی جماعت کا ضبط (Moral Discipline) نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رکھو۔ اس طرح کرتے رہو گے تو غلطیوں کے نتائج سے محفوظ رہو گے۔ جو شخص اعتراف قصور کر کے بلند درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں چل بسا، وہ ایسا ہی ہوگا جیسے اس سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا۔ اور اسے وہی اجر ملے گا جو اس کے بھائیوں کو ملے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی لغزشیں معاف کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ:

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا (النساء4:31)

ترجمہ: ''یعنی اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں۔''

خلاصۃ الکلام

اس سورت (المزّمّل) میں مندرجہ ذیل مضامین آئے ہیں:

(1) قرآن حکیم کی تعلیم انقلابی ہے اس لیے اسے خواص و عام دونوں میں بیک وقت پھیلایا جائے۔ (آیات نمبر 2-7)

(2) اس تحریکِ انقلابی میں کام کرنے والے صرف خدا پر بھروسہ رکھ کر کام کریں۔ غیر قرآنی نظام والوں سے کسی رعایت و اعانت کی امید نہ رکھیں۔ (نمبر 8-9)

(3) اس تحریک کا مقابلہ قومی اور بین الاقوامی حلقوں میں سرمایہ پرست اور ملوکیت پرست لوگوں سے پیش آئے گا۔ (نمبر 11)

(4) انقلابی جماعت شروع شروع میں تشدد اور جنگ سے پرہیز کرے گی۔ البتہ تیاری کے بعد وہ حسب ضرورت لڑ سکتی ہے۔ (نمبر 10, 11)

(5) انقلابی جماعت ان خوشحال لوگوں سے جواب طلب کرے گی جو مساکین وغیرہ کی خدمت میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اسی اصول پر ہر ایک فرد سے جواب طلبی ہوگی۔ (نمبر 11 تا 14)

(6) انقلاب عمومی سے پہلے قومی انقلاب لانا ضروری ہے (نمبر 15)

(7) ابتدائی کارکنوں (Poineers) کو قرآن حکیم کا بالاستیعاب (Intensive) مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ گو بعد میں اس قاعدے میں نرمی کی جاسکتی ہے۔ (آیات نمبر 2 تا 4 مع آیت نمبر 20)

(8) اس انقلاب کی بنیاد تعلق باللہ اور تنظیم مساکین پر ہوگی (نمبر 20)

(9) یہ انقلابی تحریک اصولاً سرمایہ پرستی کی مخالف ہوگی۔ اس لیے سود کو جائز نہ رکھے گی۔ (نمبر 20)

(10) اس تحریک میں کام کرنے والے ہمیشہ اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں اور غلطیوں کی اصلاح کرتے رہیں اور اس طرح جماعت کا ڈسپلن (Discipline) قائم رکھیں (نمبر 20)

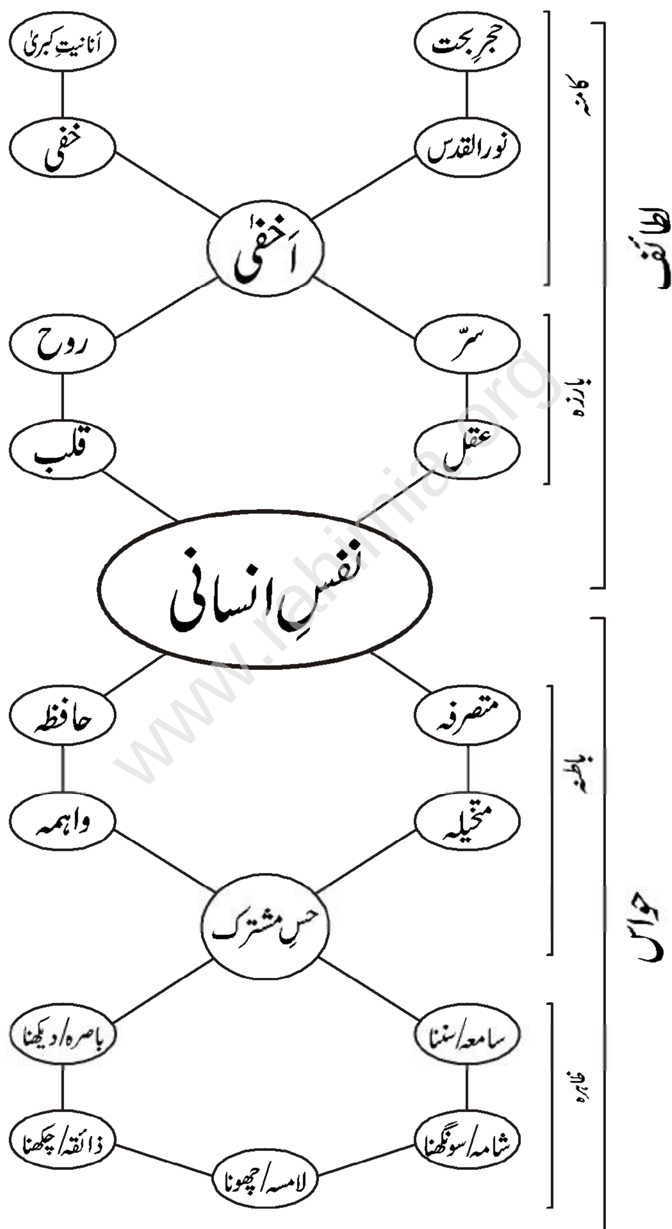


قرآنی دستورِ انقلاب

(حصہ دوم)

سورت المدثر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

انسان کی روح کے اُنیس مراکز



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المدثر

تمہید سورت

سورۂ مزّمّل کے ساتھ ربط

سورۂ مزّمّل میں شخصی---- داخلی---- انقلاب کا ذکر تھا۔ اور انفرادی فکر کی اصلاح کی گئی تھی۔ چنانچہ اس میں بالصراحت کہا گیا تھا کہ:

(1) قُمِ الَّیۡلَ---- وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا

(2) وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا

(3) وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا

اس تعلیم کے مطابق حضرت نبی اکرم ﷺ لوگوں سے انفرادی طور پر ملتے رہے اور ان کو قرآنی انقلاب سے روشناس کراتے رہے۔ اس عرصے میں کچھ لوگ اس انقلاب کو قبول کر کے آپ کے ساتھ ہوگئے، وہ بھی ضمنی طور پر اسی طرح کام کرتے رہے۔ اس کے بعد آپؐ کو حکم دیا گیا کہ اس انفرادی انقلاب کو اجتماع میں لائیں۔ چنانچہ سورۂ مدثر میں حکم دیا گیا ہے کہ:

(1) قُمۡ فَاَنۡذِرۡ : اٹھ اور لوگوں کو اس آنے والے انقلاب سے ڈرا۔

(2) وَرَبَّکَ فَکَبِّرۡ : خدا کی بزرگی کا اعلان کر۔

اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ قرآنی انقلاب اجتماع انسانی میں آجائے گا۔

(3) اِنَّهَا لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ ﴿۳۶﴾ : یہ انقلاب تاریخ انسانی کے بہت عظیم الشان واقعات میں سے ہے اور یہ ساری نوع بشر کے لیے ڈراوا ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس ڈراوے کو عوام تک پہنچانا مقصود ہے۔ چنانچہ اب نبی اکرم ﷺ نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی۔ اور آپؐ عوام کو بیش از پیش تیزی کے ساتھ قرآنی انقلاب کی دعوت دینے لگے۔

سورۂ مدّثر کا مضمون

قرآنی انقلاب جامع انسانی انقلاب ہے۔ یعنی انسانیت اعلیٰ کے جملہ تقاضے پورے کرنے والا انقلاب ہے۔ اس لیے اس کی بنیاد جن اخلاق پر ہے ان کی طرف شروع کی آیات (نمبر 2-10) میں اشارہ کرنے کے بعد اس انقلاب کے مخالفین کی ذہنیت کا تجزیہ (Psychological Analysis) نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے (آیات نمبر 11-25)۔ اور پھر دکھایا گیا ہے کہ دنیا میں یہ ذہنیت پیدا ہو جائے تو دوسری زندگی میں اس کا ظہور کس طرح ہوگا (آیات نمبر 26-30)۔

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ قرآن کا عالمگیر انقلاب قومی اور بین الاقوامی منازل میں سے گزرے گا تو اس کی کامیابی کے اسباب کیا ہوں گے (آیات 26-49) اور جو لوگ اسے مان لیں گے ان کی ذہنیت کیسی ہوگی۔ اور جو نہ مانیں گے ان کی ذہنیت کیسی ہوگی (آیات نمبر 50-56)

الغرض اس سورت میں قرآنی انقلاب کے اخلاقی اور ابتدائی اصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مخالفین کی ذہنیت کی تشریح کی گئی ہے اور اس انقلاب کی انتہائی کامیابی کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

==============

سورۃ المدثر (74)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ
فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ
يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ
وَحِيْدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ
تَمْهِيْدًا ۙ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۗ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ؕ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ
صَعُوْدًا ؕ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ
نَظَرَ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ﴿۲۴﴾
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا
تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚۖ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ؕ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا
مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ
بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ
جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ﴿۳۴﴾
اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ
مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ؕ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ
رَهِيْنَةٌ ۙ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ قف
يَتَسَآءَلُوْنَ ۙ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۙ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ
سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ
الْمِسْكِيْنَ ۙ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا
نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ؕ﴿۴۷﴾ فَمَا
تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ؕ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ
مُعْرِضِيْنَ ۙ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۙ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ
قَسْوَرَةٍ ؕ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا
مُّنَشَّرَةً ۙ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ
تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ مدثر

بین الاقوامی انقلاب کے اصول

آیت نمبر 1: یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ ترجمہ: ''اے مدثر!''

مدثر کے معنی

لفظ مزمل کی تشریح کے دوران میں بیان کیا جا چکا ہے کہ موطا امام مالکؒ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک نام ''الماحی'' بھی ہے جس کے معنی خود حضرت نبی اکرم ﷺ نے بتائے ہیں کہ یَمۡحُو اللّٰهُ بِیَ الۡکُفۡرَ (یعنی میرے ذریعے سے اللہ کفر کو محو کرے گا)۔ چنانچہ لغوی طور پر دثّر کے معنی اَھلک (المنجد اور الاقرب الموارد)۔ یعنی ہلاک کرنا بیان کئے گئے ہیں بالکل ''الماحی'' کے معنوں کے مترادف ہیں۔ پس مدثر کے معنی ہیں دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم وجور مٹانے والا۔ نبی اکرم ﷺ یہ کام ملت حنیفیہ یعنی حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے اصول حیات کے دوبارہ زندہ کرنے سے کریں گے جو آپؐ کی گھٹّی میں پڑی تھی۔ اور جس کے نمائندے قریش تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر ایک نکتہ

سیرت نبی (علیٰ صاحبھا التحیّۃ والسلام) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ملت حنیفیہ ابراہیمیہ کے قیام کے لیے طبعًا بے تاب تھے۔ آپؐ کی تربیت بھی قریش کے اونچے

گھرانوں میں ہوئی۔ جن میں اس ملت کی اچھی اچھی باتیں باقی تھیں[1] پھر وہ انقلاب کا زمانہ تھا۔ فارس اور روم آپس میں لڑ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ دنیا کی اقوام کو اپنے قبضے میں لائیں۔ ان سیاسی اور جنگی حالات کا اثر قریش پر بھی پڑ رہا تھا۔ کیونکہ ان کے تجارتی تعلقات دونوں ممالک کے ساتھ تھے۔ اور ان ملکوں میں ان کی کافی آمدورفت تھی۔ چنانچہ قریش کا سمجھدار طبقہ سیاسی میلانات کے لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم ہوگیا تھا:

(1) ایک طبقہ قیصر کی طرف مائل تھا۔

(2) دوسرا طبقہ کسریٰ ایران کی طرف مائل تھا۔

(3) تیسرا طبقہ دونوں سے الگ تھا اور حنیفیت پر قائم تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ طبعاً اس تیسرے گروہ کے سرگرم رکن تھے۔ یہ گروہ اگرچہ اقلیّت میں تھا لیکن عرب پر قریش کی سیادت قائم کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ میں اس قسم کی قیادت کی طبعی خدا داد استعداد بھی موجود تھی۔ آپ ؐ کو اس انقلاب میں کامیابی کے لیے جس ہدایت کی ضرورت تھی اور جس کے لیے آپ ؐ سرگرداں تھے (وَوَجَدَکَ ضَآلاً)[2] وہ خداوند تعالیٰ نے فراہم کر دی (فَهَدیٰ)[3]

آپ ؐ قرآن حکیم کے ذریعے سے دنیائے انسانیت میں جو انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ انسانی معاشرہ (سوسائٹی) میں سے ہر قسم کا ظلم، خواہ وہ خدا اور بندوں کے تعلقات میں ہو یا بندوں کے باہمی تعلقات میں، یعنی روحانی ہو یا اقتصادی، سب مٹا دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ خدا کے ساتھ صحیح طریق پر تعلقات قائم کئے جائیں گے۔ اور انسانیت میں معاشیات' معاشرت اور اقتصادیات میں ایک نظم جدید پیدا کیا جائے گا۔ اس انقلاب میں کسی خاص قوم یا ملک کی خصوصیت نہ ہوگی۔ بلکہ وسیع ترین معنوں میں عالمگیر اور ہمہ گیر ہوگا۔

---

[1] یہ خیال غلط ہے کہ قریش اور اہل عرب افریقہ کے وحشیوں کی طرح بالکل وحشی لوگ تھے جن میں کوئی انسانی خوبی باقی نہ رہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش اور اکثر اہل عرب میں ملت حنیفیہ کا اچھا خاصہ حصہ باقی تھا۔ جیسے آج کل مسلمانوں کی تباہی کے باوجود ان میں اپنے بزرگوں کی بہت سی اچھی باتیں موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 124)

[2] اللہ تعالیٰ نے تجھے سرگرداں پایا۔

[3] پھر ہدایت دی۔

اسلام کا جامع انقلاب

دنیا میں اب تک جو انقلابات ہوئے ہیں وہ سب کے سب جزوی انقلابات ہیں۔ان میں سے کوئی بھی عالمگیر اور جامع انقلاب نہیں ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری امام انقلاب ہیں۔ جن کی دعوت جامع عالمگیر انقلاب کے لیے ہے۔ اور آپ ؐ نے اس جامعیّت کا بہترین نمونہ سرزمین حجاز میں قائم کر کے دکھا دیا۔ جسے دنیا اب تک اس حیثیت سے جانتی اور مانتی ہے آپ ؐ کے انقلاب میں اس وقت کی مہذب اقوام کا بیشتر حصہ آ گیا۔ اور (آپ ؐ نے) سب کو خدمت انسانیت کے ایک نقطے پر جمع کر کے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات ان کے خالق کے ساتھ درست کر دیئے بلکہ ان کے آپس کے تعلقات بھی درست کر دیئے۔ اب جب کبھی کوئی جماعت جامع بین الاقوامی انقلاب پیدا کرنا چاہے گی اسے آپ ؐ ہی کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ جو جماعت اس لائحہ عمل کے خلاف (کوئی) اور لائحہ عمل لے کر اٹھے گی وہ یا تو سرے سے ناکام رہے گی یا صرف جزوی طور پر کامیاب ہوگی۔ چنانچہ فرانس، جرمنی، ٹرکی اور روس کے انقلابات اس اصول کی بیّن مثالیں ہیں۔ ان انقلابوں میں وہ جامعیت نہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیدا کردہ حجازی انقلاب میں تھی۔ جس نے بعد میں قیصر و کسریٰ کو بھی ہضم کر لیا۔

الغرض ہمارے نزدیک **اَلْمُدَثِّرُ** کے معنی ہیں **اَلْمُھْلِکَ الْکُفُرَ** یعنی انسانیت میں سے ہر قسم کا کفر (انکار) نکالنے والا۔ وہ انکار خواہ خدا کے حقوق کے متعلق ہو یا انسانوں کے حقوق کے متعلق، یہ انقلاب اسے انسانیت میں سے نکال باہر کرے گا۔

اس لفظ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا طبعی اور فطرتی عزم و استقلال ظاہر کرتا ہے جو اس کفر کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے بارے میں ان کے دل میں پوشیدہ ہے۔

آیت نمبر 2 (الف): **قُمْ** : ترجمہ: ''اٹھ''

انقلاب میں اشاعت کی ضرورت

یعنی اے وہ کہ تو دنیائے انسانیت سے ہر قسم کا ظلم اور کفر مٹانے کا تہیہ اور پختہ عزم کئے ہوئے ہے، ہم سے ہدایت لے اور محنت سے کام کر اور جن لوگوں تک تیری

آواز پہنچ سکتی ہے ان کو انسانی انقلاب کا یہ پیام سُنا دے۔اور ایسے لوگ تیار کر جو یہ انقلابی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں۔ایسے خاص لوگوں کی مرکزی قوت راتوں کو کھڑے ہو کر قرآن حکیم کی تعلیم پر تدبّر کرنے ہی سے پیدا ہوسکتی ہے جس کا ذکر سورۂ مزّمّل میں آچکا ہے۔ چنانچہ تجربے نے ثابت کر دیا کہ اس شبانہ تعلیم نے وہ لوگ پیدا کر دیئے جنھوں نے اس انقلاب کو فارس اور روم تک پہنچا دیا۔اور پھر آگے وہ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اسے حبشیوں ترکوں اور ہندیوں تک پہنچا دیا۔اب پھر یہ انقلاب پہلو بدل رہا ہے اور انشاء اللہ اس کی دعوت ہندوستان سے یورپ کی اقوام تک پہنچے گی۔

آیت نمبر 2(ب): فَأَنذِرْ ترجمہ: ''اور ڈرا''

قسم قسم کے ظلموں کی وجہ سے انسانیت جس تباہی کے غار کی طرف جا رہی ہے اس سے لوگوں کو خبردار کر دے۔ وہ غافل ہیں اور بے خبر۔اگر وہ بیدار نہ ہوئے تو وہ اپنے ظلموں کے آپ ہی شکار ہو جائیں گے۔

آیت نمبر 3: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ترجمہ:''اور اپنے پروردگار کی بڑائی بول''

انقلاب کا اصول اولین: انسانی قانون سے بغاوت

کوئی شخص اپنے گھر میں یا خاندان میں بڑا---- کبیر---- ہوتا ہے۔کوئی اپنے شہر میں بڑا ہے کوئی اپنی قوم یا شاید بہت سی اقوام میں بڑا مانا جاتا ہے۔لیکن تو ان میں سے کسی کو بڑا نہ مان بلکہ صرف خداوند تعالیٰ کو بڑا مان---- گھر میں' خاندان میں' قوم میں اور تمام اقوام میں اس کے سوا کسی کو بڑا نہ مان۔ ہر جگہ اسی کی پادشاہی تسلیم کر۔ کوئی ایسی حکومت تسلیم نہ کر جو ایسے قانون کے ماتحت نہ ہو جو تمام انسانیت کے لیے یکساں ہو۔خدا کی بزرگی کا اعلان ان معنوں میں کر کہ اس کے سوا کوئی کائنات کا مالک اور خالق نہیں۔اس کا قانون تمام کائنات میں جاری ہے اسی کا قانون نوع انسان میں جاری ہوگا۔ جب تو لوگوں کے سامنے خدا کی ہمہ گیر پادشاہی کا اعلان کرے تو کسی سے نہ ڈر۔ بلکہ جو لوگ خداوند قدُّوس کو چھوڑ کر اوروں کو اپنے اوپر حکمران مانتے ہیں---- مثلاً بزرگ خاندان' سوسائٹی' پیر' استاد' حاکم' پادشاہ---- ان کو خبردار کر دے کہ ان کا یہ فعل انسانیت عامہ کے لیے مضرّت رساں ہے۔صحیح پوزیشن یہ ہے کہ جو شخص خاندان'

شہر، قوم یا مجمع اقوام میں بڑا ہے وہ اپنے آپ کو خدائے وحدہ لاشریک ہی کا نائب سمجھے اورصرف اسی حیثیت سے کام کرے۔ یہ وہ روح ہے جو حنیفیت انسانی سوسائٹی میں پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یعنی وہ چاہتی ہے کہ انسانی معاشرے (سوسائٹی) میں سے ملوکیت (Imperialism) اورعلمی سرمایہ داری (Brahmansim) کا قطعی خاتمہ کر دیا جائے۔ اور ہر شخص کا خدا کے ساتھ براہ راست تعلق پیدا کر کے اسے انسانیت کا خادم بنا دیا جائے۔

قرآنی سیاست کی تشریح

قرآن حکیم نے اپنا قانون چلانے کے لیے جو سوسائٹی پیدا کی اس کا نام اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رکھا ہے (یعنی مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے لوگ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سابقین کی خوبی کے ساتھ پیروی کی)۔ یہ جماعت اپنے امور کا انتظام کرنے کے لیے اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مان لیتی ہے اور اسے اپنا امیر قرار دے لیتی ہے۔ یہ امیر ان میں قانون الٰہی کے ماتحت انتظام کرتا ہے۔ لیکن انتظام کی تمام طاقت حقیقت میں خود اس جماعت کے پاس رہتی ہے۔ یہ ہے وہ سیاست جو قرآن حکیم نے پیدا کی۔ چنانچہ حج کے موقع پر آج تک مسلمان یہ الفاظ کہتے ہیں کہ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ لَاشَرِيْكَ لَا (سب تعریف تیرے ہی لیے ہے اور سب نعمت کا تو ہی مالک ہے۔ حکومت صرف تیری ہی ہے اور اس میں تیرا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے)۔ قرآنی سیاست کے مطابق قوت رہنمائی ان لوگوں میں مرکوز ہوتی ہے جو قرآن سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سابقین اولین کی پیروی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے لیے مشورہ واجب تھا

امیر ان کے (یعنی جماعت کے) مشورے ہی سے کام کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران 159:3)۔ (یعنی اور ان سے تمام معاملات میں مشورہ کرلیا کر اور جب تو پختہ ارادہ کر

لے تو پھر اللہ پر بھروسہ کر۔) علامہ جصاص الرازی الحنفی اس آیت کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ مشاورت نبی اکرم ﷺ کے لیے اختیاری نہ تھی بلکہ واجب تھی۔(احکام القرآن ص 41 ج 2)

حضرت علیؓ کا نظریہ

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْمِ فَقَالَ مُشَاوَرَةُ اَهْلِ الرَّأْيِ ثُمَّ اتِّبَاعُهُمْ (تفسیر ابن کثیر و درمنثور عن ابن مردویہ)

یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیت قرآنی فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ○ میں ''عزم'' سے کیا مراد ہے؟ حضورؐ نے ارشادفرمایا کہ امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس مشورے کا پابند ہونا ہی عزم ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ یعنی مسلمان اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے سے کام کرتے ہیں۔ (سورہ شوریٰ)

حضرت عمرؓ کا نظریہ

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لَاخِلَافَةَ اِلَّاعَنْ مَّشْوَرَةٍ (کنزالعمال)

یعنی خلافت بغیر مشورے کے خلافت نہیں رہتی۔

الغرض رَبَّكَ فَكَبِّرْ کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی دوسرے انسان کو اپنے اوپر حاکم نہ مانے خواہ وہ کوئی ہو۔ یہ حق صرف حق سبحانہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ (لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (جس بات میں حق سبحانہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی کی اطاعت انسان پر واجب نہیں ہے)۔ اس لیے تمام حاکم اس کے نائب بن کر اس کا حکم چلا سکتے ہیں اور بس۔

جو جماعت اب حقیقی مالک کے سوا کسی دوسرے کی غلامی میں مبتلا ہوگئی ہو۔ اور اس کا قانون ماننے پر مجبور ہوگئی ہو، اس کی حالت تبدیل کرنے کے لیے سب سے پہلا اصول کار یہ ہے کہ اس کے ذہن میں بٹھایا جائے کہ اس ایک کارساز حقیقی کو تمام کائنات اور تمام انسانیت کو قانون دینے والا مان لے۔ کیونکہ وہی ایسے قوانین دے

سکتا ہے جن میں افراد، جماعات اور اقوام بلکہ ساری نوع انسان کے مفادات اور فطرت کا خیال رکھا گیا ہو۔ وہ جماعت ہر ایسی طاقت کوتسلیم کرنے سے انکار کر دے جواس منبع قانون کے ماتحت رہ کرضمنی قواعد (Bye-laws) نہیں بناتی۔

پس انقلاب کا پہلا مثبت نظریہ یہ ہے کہ غیر صالح نظام (Unhealthy Social Structure) کی جگہ صالح نظام (Healthy Social Structure) قائم کیا جائے جس کی خِشت اولیں یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بزرگ و برتر ہے اور کائنات اور نوع انسان کے لیے قانون کا منبع ہے۔

خضوع یا اخبات الی اللہ

حکمت ولی اللہی میں اسے خصلت ''خضوع'' یا ''اِخبات'' کہتے ہیں اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد، مرشدین، معلمین اور صالح حکام کی تعظیم کرتا ہے اور جب ان کے سامنے جاتا ہے تو اپنے قلب میں ایک قسم کا عجز اور ان کے لیے ایک خاص قسم کی محبت اور عزت کے جذبات پاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بزرگ مجھے کوئی حکم دے تو میں فوراً اس کی تعمیل کر کے اسے خوش کروں۔ اس احساس کا نام ''اِخبات'' ہے۔

اس جذبے کا نفسیاتی تجزیہ

اگر انسان کائنات کی ساخت پر غور کرے اور اس کے عجائبات پر فکر و تدبر کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے دل میں خضوع کا جذبہ محسوس کرتا ہے جس میں وہ کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتا۔ اب وہ اپنے آباؤ اجداد، مرشدین و معلمین اورصالح حکام کی اطاعت کو بھی اسی خضوع کے ماتحت لے آتا ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ میرے بزرگوں کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے تو اس کی اطاعت کرتا ہے اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف پاتا ہے تو اطاعت نہیں کرتا۔ ایسے ہی وہ اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے حکموں کو جانچتا ہے۔ ان کی اطاعت اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ وہ اپنے بزرگوں اور حاکموں کی اطاعت (صحیح کاموں میں) اور نافرمانی (برے کاموں میں) کوتقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

یہ ''اِخبات'' الی اللہ انسانیت کا ایک طبعی جذبہ ہے اور انسان کا ایک بنیادی خلق ہے۔

آیت نمبر 4: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ترجمہ: ''اور اپنا لباس پاک رکھ۔''

لباس کی پاکیزگی

اس انقلاب کے لیے کوئی خاص نشان (Emblem) یا وردی (Uniform) کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بین الاقوامی انقلاب ہے جو ہر قوم میں ظاہر ہوگا۔ البتہ ایک شرط ہے وہ یہ کہ لباس پاک ہو اور اخلاق کی پاکیزگی میں مدد دینے والا ہو۔

اس کا نتیجہ

لباس کی پاکیزگی بدن اور بیرونی ماحول کی پاکیزگی کو چاہتی ہے۔ بدن انسانی بعض چیزوں کو طبعًا نجاست میں تبدیل کر دیتا ہے، جیسے بول و براز ان غلاظتوں سے نفرت کرنا بھی انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ انسان ان نجاستوں سے پاک ہو کر ایک قسم کی فرحت اور انبساط اپنے نفس کے اندر پاتا ہے۔ اس احساس کا نام طہارت ہے۔ جو حکمت ولی اللہی میں انسانیت کا ایک بنیادی خُلق ہے۔

نفسیاتی نجاستوں سے اجتناب

اسی طرح انسان نفسیاتی غلاظتوں یعنی جوش غضب، بھوک، پیاس اور دیگر شہوات وغیرہ سے طبیعت کو پاک کر لے تو بھی ایک قسم کا سکون اور سرور محسوس کرتا ہے۔ جو ان حالتوں کی موجودگی میں نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بُرے کلام، بُرے فکر اور بُرے فعل سے صحت مند انسان کو طبعی انقباض محسوس ہوتا ہے۔ جسے وہ صحت مزاجی کے لیے دور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ

انسان خلق طہارت میں کمال حاصل کر لے تو وہ عالم مثال کی قوتوں سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس میں ایک قسم کی مستقل مسرت محسوس کرتا ہے۔ اس سے اخبات

الی اللہ کو تقویت ہوتی ہے۔

انقلاب صالح کی دوسری مد

لباس کی پاکیزگی جیسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے بدن اور ماحول کی پاکیزگی کو ضروری قرار دیتی ہے۔ پس جو جماعت انقلاب قائم کرنے کی کوشش کرے وہ اس سہ گانہ پاکیزگی کو لازم جانے، تمام ترقی والی جماعتیں طہارت کی حامل ہوتی ہیں اور جب وہ طہارت کے بلند مقام سے گر جاتی ہیں تو ارتجاع (Reaction) میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

قومی پیمانے پر پاکیزگی کا التزام قومی مزاج کی صحت کی علامت ہے۔

آیت نمبر 5: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ترجمہ: ''اور گندگی سے دور رہ''

باطنی پاکیزگی

ظاہری پاکیزگی کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا بھی خیال رکھ۔ اس ناپاکی سے بھی نفرت کر۔

امام الائمہ کے نزدیک برائی---- اثم---- کا معیار شخصی نہیں بلکہ نوعی تقاضا ہے۔ برائی وہ فعل ہے جسے عام تندرست انسانیت قبول کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ امام ولی اللہ ''سعادتِ انسانی'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ لِلْاِنْسَانِ کَمَالًا تَقْتَضِیْهِ الصُّوْرَةُ النَّوْعِیَّةُ وَ کَمَالًا یَقْتَضِیْهِ مَوْضُوْعُ النَّوْعِ مِنَ الْجِنْسِ الْقَرِیْبِ وَالْبُعِیْدِ وَسَعَادَتُهُ الَّتِیْ یَضُرُّہٗ فَقْدُهَا وَیَقْصِدُهَا اَهْلُ الْعُقُوْلِ الْمُسْتَقِیْمَةِ قَصْداً مُؤَکَّداً هُوَ الْاَوَّلُ (حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص 50)

''یعنی واضح رہے کہ انسان میں دو قسم کے کمالات ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اس کی صورت نوعیہ کے تقاضے سے پیدا ہوا۔ دوسرے وہ جو اس کی جنس قریب (یعنی حیوانیت) اور جنس بعید (یعنی جمادیت) تقاضا کرتی ہے لیکن وہ سعادت جس کی عدم موجودگی سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور جسے ہر صاحب عقلِ سلیم حاصل کرنے کی پوری پوری

کوشش کرتا ہے وہ اول الذکر ہے (یعنی نوعی تقاضے کے مطابق)''

پس شقاوت (بدبختی اور برائی) وہ ہوگی جو انسان کے نوعی تقاضے کے خلاف ہو۔ اسے قرآن حکیم کی اصطلاح میں ''منکر'' قرار دیا گیا ہے۔ انسانیت کے اندر یہ بُرائی خواہ شہنشاہیت (Imperialism) کے ذریعے سے آئی ہو یا نازیت (Nazi-ism) کے ذریعے سے یا کسی اور ازم (Ism) کے ذریعے سے۔ اسے قبول کرنے سے یکسر انکار کر دینا انقلاب برپا کرنے والی جماعت کے لیے لازم ہے۔

انقلاب صالح کی تیسری مد

پس انقلاب برپا کرنے والی پارٹی کے پروگرام کی تیسری مد (Item) یہ ہے کہ وہ غیر صالح نظام کی روح کو بھی قبول نہ کرے۔

حکمت ولی اللہی کی اصطلاح میں اسے ''سماحت'' کہتے ہیں چنانچہ حضرت امام الائمہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اصلِ ایں ہمہ خصلت (یعنی شعبہ ہائے سماحت کہ مذکورہ شد از ناقل)
یک چیز است و آں غالب بودنِ رائے کلی بردواعی خسیسہ بہیمیہ، از
مباشرت اشباح وشعب ایں خصال۔ الخ (ہمعات: ہمعہ 17)
''یعنی سماحت کے تمام شعبوں کی اصل بنیاد ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ
بہیمیت اور اس کی تمام شکلوں پر انسان کے نوعی تقاضے (رائے کلی)
غالب رہیں۔''

آیت نمبر 6: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ

ترجمہ: ''اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ زیادہ چاہیے''

انتفاع کا امتناع

جب تو کسی پر احسان کرے تو اپنے حق سے زیادہ معاوضہ طلب نہ کر۔ یہ خُلق عدالت کے منافی ہے۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ تو ان کو جو تعلیم دیتا ہے اس کا اجر طلب کرے اور اپنے لیے مال و دولت جمع کرے۔ اپنے کسی مزدور کو چار آنے دے کر اس سے دس آنے کا کام لینا انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ آج سرمایہ دار طبقہ اپنی

آمدنی میں محتاجوں کا حق سمجھتا ہی نہیں۔ بلکہ وہ مزدوروں کو اسی کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے مزدوروں کو کام پر لگا رکھا ہے اور انہیں بھوکوں مرنے سے بچاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مزدوروں کو صرف اتنی خوراک دیتا ہے جس سے وہ مریں نہیں۔ اور سرمایہ پرست کے سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لیے زندہ رہیں۔ کوئی انقلابی جماعت اس قسم کے ظلم کو برداشت نہیں کرسکتی اس لیے دوسرے انسان کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور قدر زائد (Surplus Value) پیدا کرنا تو ایک طرف رہا۔ ایسا احسان کرنے کی بھی ممانعت کر دی جس کا بدلہ زیادہ لینے کی خواہش ہو۔

انقلاب کا بنیادی اصول

انقلاب صالح کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسانیت کو ظلم و ستم سے محفوظ کر کے اس میں رفاہ عامہ کے ادارے قائم کیے جائیں۔ نہ کہ اپنے انتفاع (Exploitation) کا صیغہ کھول لیا جائے۔ اگر باپ اپنے بیٹے سے یا استاد اپنے شاگرد سے حد سے زیادہ کام لینے لگ جائے گا تو بیٹا یا شاگرد نافرمان ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر حکومت رعایا سے حد سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا شروع کردے گی تو سلطنت درہم برہم ہو جائے گی۔

سرمایہ پرستانہ نظام کی بربادی کے اسباب: شاہ ولی اللہ کے نظریات

کسی نظام حکومت کی بربادی کے عموماً دو ہی سبب ہوا کرتے ہیں۔ یعنی حکام کی عیاشی اور کام سے گریز اور ٹیکسوں کی بھرمار۔ چنانچہ حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَغَالِبُ سَبَبِ خَرَابِ الْبُلْدَ ان فِی هٰذا الزَّمَان شَیْئَان اَحَدُهُمَا تَضْیِیْقُهُمْ عَلَی بَیْتِ الْمَالِ بِاَنْ یَّعْتَادُوا التَّکَسُّبَ بِالْاَخْذِمِنْهُ عَلٰی اَنَّهُمْ مِنَ الْغُزَاةِ اَوْمِنَ الْعُلَمَاءِ الَّذِیْنَ لَهُمْ حَقٌّ فِیْهِ اَوْمِنَ الَّذِیْنَ جَرَتْ عَادَةُ الْمَلُوْکِ بِصِلَتِهِمْ کَالزُّهَادِ وَالشُّعَرَآءِ اَوِبُوَجْهٍ مِنْ وُجُوْهِ التَّکَدِّیْ وَیَکُوْنُ الْعُمْدَةُ عَنْدَهُمْ هُوَ التَّکَسُّبُ دَوْنَ الْقِیَامِ بِالْمَصَلِحَةِ فَیَدْخُلُ قَوْمٌ عَلٰی قَوْمٍ

فَيَنْغُضُوْنَ عَلَيْهِمْ ويَصِيرُوْنَ كَلًّا عَلٰى الْمَدِيْنَةِ وَالثَّانِىْ ضَرْبُ الضَّرَائِبِ الثَّقِيْلَةِ عَلَى الزُّرَّاعِ وَالتُّجَّارِ وَالْمُتَحَرِّفَةِ وَالتَّشْدِيْدِ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يُفْضِىَ اِلٰى اِجْحَافِ الْمُطَاوِعِيْنَ وَاسْتِئْصَالِهِمْ وَاِلٰى تَمَنُّعِ اَوْلٰى بَاْسٍ شَدِيْدٍ وَبَغْيِهِمْ.وَاِنَّمَا تَصْلُحُ الْمَدِيْنَةُ بِالْجِبَايَةِ الْيَسِيْرَةِ وَاِقَامَةِ الْحَفَظَةِ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ فَلْيَتَنَبَّهْ اَهْلُ الزَّمَانِ لِهٰذِهِ النُّكْتَةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 45)

یعنی آج کل جو شہر برباد ہو رہے ہیں تو اس کے دو بڑے سبب ہیں :

(1) بیت المال کا ناجائز استعمال

لوگ سرکاری بیت المال کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور مختلف بہانوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ہم سپاہی ہیں۔ ہمیں پنشن ملنی چاہیے یا ہم زمرۂ علماء سے ہیں، ہمیں کوئی جاگیر وغیرہ ملنی چاہیے۔ یا وہ لوگ زاہد اور شاعر کی حیثیت سے آتے ہیں، جن کو صلہ دینا بادشاہوں کی عادت میں داخل ہے۔ یا اسی قسم کے اور بہانے بناتے ہیں، اور اس طرح وہ بیت المال میں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ بیت المال سے مشاہرے تو حاصل کرتے ہیں لیکن اس کے عوض میں کوئی کام نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے لیے تنگی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اور شہر پر بار بن جاتے ہیں۔

(2) گراں بار ٹیکس

شہروں کے برباد ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر بھاری بھاری ٹیکس لگاتے ہیں۔ اور ان کی وصولی کے لیے انہیں بہت تنگ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ بخوشی ٹیکس ادا کرتے ہیں ان کا استیصال کر ڈالتے

ہیں۔ اور جو لوگ سخت ہوتے ہیں وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور بغاوت اختیار کر لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شہر آسان ٹیکسوں اور ضرورت کے مطابق محافظین کا رمقرر کرنے ہی سے اچھا رہ سکتا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ اس نکتے سے تنبیہہ حاصل کریں۔

ایک اور جگہ رومی اور ایرانی ملوکیّتوں کی حالت قلمبند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کسریٰ و قیصر کی تباہی کی مثال

اِعْلَمْ اَنَّ الْعَجَمَ وَالرُّوْمَ لَمَّا تَوَارَثُوْا الْخِلَافَةَ قُرُوْنًا كَثِيْرَةً وَخَاضُوْا فِيْ لَذَّةِ الدُّنْيَا وَنُسُوْالدَّارَ الْاٰخِرَةِ وَاسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ تَعَمَّقُوْا فِيْ مَرَافِقِ الْمَعِيْشَةِ وَتَبَاهُوْا بِهَاوَوَرَدَ عَلَيْهِمْ حُكَمَاءُ الْاٰفَاقِ يَسْتَنْبِطُوْنَ لَهُمْ دَقَائِقَ المعاش ومرافقه' فما زالو يعملون بهاويزيد بعضهم على بعض ويتباهون بهاحتى قيل انهم كانوا يعيرون من كان يلبس من صناديد هم منطقة اوتاجا قيمتها دون مائة الف درهم اولايكون له قصر شامخ و آبزن و حمام وبساتين ولايكون له دواب فارهه و غلمان حسان' ولايكون له توسع فى المطاعم و تجمل فى الملابس' وذكر ذلك يطول و ماتراه من ملوك بلادك يغنيك عن حكاياتهم' فدخل كل ذلك فى اصول معاشهم وصارلا يخرج من قلوبهم الا ان تمزّع' وتولد من ذلك داء عضال دخل فى جميع اعضاء المدينه و آفة عظيمة لم يبق منهم احد من اسواقهم ورستاقهم وغنيهم وفقيرهم الاقد استولت عليه واخذت بتلابيبه وعجزته فى نفسه واهاجت عليه غموما وهمو مالا ارجاء لها' و ذلك ان تلك الاشياء لم تكن لتحصل الابذل امول خطيرة ولا تحصل تلك الاموال الابتضعيف الضرائب على الفلاحين والتجارو اشباههم والتضييق عليهم' فان امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم وان اطاعوا جعلوهم بمنزلة الحمير والبقر يستعمل فى النضح والدياس والحصادو لاتقتنى الاليستعان بها فى الحاجات تم لاتترك ساعه من العناء حتى صاروالا يرفعون رئوسهم الى السعادة الاخروية اصلاولا يسطيعون ذلك' وربماكان اقليم واسع ليس فيهم احد يهمه دينه ولم يكن ليحصل ايضا الابقوم يتكسبون بتهيئه تلك المطاعم والملابس والابنية وغيرها

ویتر کون اصول الْمَکَاسِبِ الَّتِیْ عَلَیْھَا بِنَاءُ نِظَامِ الْعَالَمِ وَصَار عَامَّۃُ مَنْ یطوف علیھم یتکلفون محاکاۃ الصنا دید فی ھٰذاہ الاشیآء والا لم یجدوا عندھم حظوۃ ولا کانوا عندھم علٰی بالٍ' وصار جمھور الناس عیالاً علی الخلیفۃ یتکففون منہ تا رۃً علٰی انھم من الغزاہ والمدبرین للمدینۃ یترسمون برسومھم ولا یکون المقصود دفع الحاجۃ ولکن القیام بسیرۃ سلفھم' وتارۃً علٰی انھم شعرآء جرت عادۃ الملوک بصلتھم' وتارۃ علٰی انھم زھاد وفقرآء یقبح من الخلیفۃ ان لایتفقد حالھم فیضیق بعضھم بعضًا وتوقف مکاسبھم علٰی صحبۃ الملوک والرفق بھم وحسن المحاورۃ معھم والتملق منھم وکان ذٰلک ھو الفن الذی تتعمق افکار ھم فیہ وتضیع اوقاتھم معہ

(حجتہ اللہ البالغہ ص 105-106)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

ایرانیوں اور رومیوں کی عیاشی

ترجمہ: ''جب ایرانیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک بُھلا بیٹھے اور ان پر شیطنت غالب آ گئی تو اب ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی میں منہمک ہو جائیں۔ چنانچہ ان میں ہر ایک شخص دادِ عیش دینے لگ گیا اور اس پر اِترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے گوشے سے علماء اور حکماء (ماہرین فن) ان کے اردگرد جمع ہونے لگ گئے جو ان کے لیے سامان عیش مہیا کرنے کے عجیب عجیب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے۔ اور اس سلسلے میں ایک دوسرے پر فوقیّت حاصل کرنے کی کوشش اور ان ایجادوں پر فخر کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان اُمراء و سرمایہ داروں کا یہ حال ہوگیا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیّت کا پٹکا یا ٹوپی ہوتی تھی اسے بخیلی کا عار دلایا جاتا تھا۔ ایسے ہی انہوں نے عالی شان سر بفلک محل، آبزن اور حمام، بے نظیر پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور' خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کے لیے لازم قرار دے لیں۔ اور زندگی کی ضرورت اصلی اسے سمجھ لیا کہ صبح و شام عیش و نشاط کی محفلیں ہوں، جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دستر خوانوں پر جمے ہوں، اور خود لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہوں۔

اٹھارویں صدی کی دِلّی کی حالت

الغرض ان ملوکِ ایران و روم کی یہ داستان پاستان کہاں تک بیان کی جائے۔تم اپنے زمانے کے پادشاہانِ دہلی (اب پاکستان کے حکمرانوں اور اعلیٰ سول، آرمی، بیوروکریسی اور مذہبی طبقہ) کی جو حالت دیکھتے ہو وہی ان ملوک ایران و رومہ کی حالت کا قیاس کرنے کے لیے بالکل کافی ہے۔

ان ملوک و اُمراء کی زندگی کے یہ طور طریقے رفتہ رفتہ عوام کے نظام معاش کے اصل اصول بن گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سوسائٹی میں سے ان خرابیوں کا استیصال ناممکن ہوگیا۔ اس کی یہ ایک صورت باقی رہ گئی کہ ممکن ہو تو یہ چیزیں کھرچ کھرچ کر لوگوں کے دلوں میں سے نکال ڈالی جائیں۔ پادشاہوں اور امیروں کے اس طرح عیاشانہ زندگی بسر کرنے سے بہت سے خطرناک امراض پیدا ہوگئے جو حیات معاشرتی (Social Life) کے ہر شعبے میں داخل ہوگئے۔ اور یہ حالت ایسی ہمہ گیر ہوگئی کہ وبا کی طرح ساری مملکت میں سرایت کر گئی۔ اور اس سے نہ بازاری بچا نہ دیہاتی۔ نہ امیر محفوظ رہا نہ غریب۔ یہاں تک کہ ہر شخص اس کی خرابیاں دیکھ کر مگر علاج نہ پا کر عاجز آ گیا اور بے حد و نہایت مالی مصائب میں مبتلا ہوگیا۔

ٹیکسوں کی بھرمار

اس ہمہ گیر مالی مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامان عیش کثیر دولت صرف کئے بغیر حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ اور مال خطیر کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے کے لگے ہوئے ٹیکس بڑھانے کے سوا حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ پھر ان لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے ٹیکس وصول کئے جاتے تھے اور اگر ٹیکس دینے سے انکار کرتے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی اور انہیں گرفتار کر کے طرح طرح سے عذاب دیا جاتا تھا۔ اور اگر وہ اطاعت شعاری کے ساتھ ٹیکس ادا کرتے رہتے تو ان سے ٹیکس وصول کرتے کرتے ان کو گدھوں اور بیلوں کے درجے پر پہنچا دیا جاتا۔ جن سے آبپاشی، فصل کاٹنے اور رگاہنے کا کام لیا جاتا ہے اور جن کو صرف اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے کہ ان سے حاجت براری کی جاتی ہے۔

عوام کی حالت

اس تنگ حالی اور بے سروسامانی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ عوام ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے کمانے کے سوا اور کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ سعادت اُخروی کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔ اور رفتہ رفتہ ان میں سے اس طرح فکر کرنے اور سوچنے کا مادہ ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک کے ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں رہتا کہ وہ مادی اسباب کے حصول سے اوپر نظر اٹھا کر غیر مادی کائنات کے اصول حیات کے مطابق بھی کوئی حرکت کر سکے۔

انسانی معاشرہ پر خطرناک اثر

اس فاسد معاشی نظام میں سامان عیاشی جہاں مال خطیر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے وہاں ان کے حصول کے لیے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو ان عیاشیوں کے لیے طرح طرح کے کھانے اور عیاشی میں مدد دینے والی دوائیں تیار کرنے اور لباس فاخرہ ایجاد کرنے اور عالی شان محلات بنانے کے پیشے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایسے پیشے رہ جاتے ہیں، جن پر انسانی معاشرے (Human Society) کی ہستی کا مدار ہے۔

یہ مصیبت صرف بادشاہوں اور امیروں کے طبقے ہی میں بند نہیں رہ جاتی بلکہ رفتہ رفتہ عوام جن کا واسطہ ان امیروں سے پڑتا ہے اپنے امیر آقاؤں کی ریس کرنے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ انہیں ان آقاؤں کی نگاہوں میں عزت و احترام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ان کے درباروں میں قدر ہوتی ہے۔

بیکاری کی مصیبت

اس طرح رفتہ رفتہ امیر و غریب سب لوگوں کا بار کفالت پادشاہ پر آ پڑتا ہے اور وہ اس سے روزینہ طلب کرتے ہیں۔ مثلاً ایک طبقہ تو جہاد کیئے بغیر باپ دادا کے نام سے وظیفہ خوری کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ مدبرین مملکت کے نام سے پل رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ خود اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کرتے صرف اپنے باپ دادا کے نام کو کھاتے ہیں۔ ایک

گروہ پادشاہ اور اُمراء کی قصیدہ خوانی کر کے ان کے خوان کرم سے ژلّہ ربائی کرتا ہے۔ کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعا گوئی کے بہانے مالی استحصال کرتا ہے۔

پھر ان لوگوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے کے لیے معاشی تنگ حالی کا موجب بن جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین مفید ذرائع کے بجائے ان لوگوں کا ذریعہ اُمراء کی مصاحبت اور ندیمی، چرب زبانی اور چاپلوسی رہ جاتا ہے۔ اور اب اہل فکر کے افکار انہی ''فنون لطیفہ'' میں دقیقہ سنجی کرنے میں وقف ہو جاتے ہیں اور وہ انہی میں اپنے اوقات عزیز ضائع کرنے لگ جاتے ہیں۔''

(شاہ ولی اللہ کی عربی عبارت کا ترجمہ مکمل ہوا)

یہ وہ حالت ہے جب دنیا میں انقلاب آتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب قرآن نے انقلاب کی دعوت دی۔

آیت نمبر 7: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ترجمہ: ''اور اپنے رب پر صبر کر''

انقلاب کے لیے استقامت کی ضرورت

صاحب اقتدار لوگ جن کے مستقل مفادات (Vested Interests) کو اس ''انسانی'' پروگرام سے زک پہنچنے کا اندیشہ ہوگا۔ وہ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کریں گے کہ تمہیں اس پروگرام سے ہٹا دیں۔ لیکن تم قرآن کے اس بین الاقوامی پروگرام پر ڈٹے رہو۔ ہر مصیبت کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کرو اور کسی لالچ یا دھمکی میں نہ آؤ۔ اگر مخالفین تمہیں انقلاب کی تعلیم سے باز رکھنے کے لیے مشروط طور پر حاکم بھی بنانے کے لیے تیار ہو جائیں تو بھی یہ ''اعزاز'' قبول نہ کرنا۔ اور اگر تمہیں دھمکیاں دیں تو خدا پر بھروسہ رکھ کر کام جاری رکھنا۔ اور اسی کوشش میں لگے رہنا کہ تمہارے رب کا قانون نافذ ہو۔

خلاصہ

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ قُمْ فَاَنْذِرْ (اُٹھ کر ان لوگوں کو ڈراؤ) اس کی تفصیل ختم ہوگئی اور ''ڈرانے'' کا مقصد واضح کر دیا گیا یعنی:

(1) اللہ تعالیٰ ہی کو تمام طاقتوں سے بالاتر تسلیم کرو۔

(2) ہر قسم کی ظاہری طہارت (پاکیزگی) اختیار کرو۔

(3) اخلاق و اعمال اور خیالات کی پاکیزگی اختیار کرو۔

(4) انتفاع پسندی سے باز رہو۔

(5) اللہ اور صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔

اس انذار کے معنی یہ ہیں کہ اخلاق اربعہ--- اِخبات، طہارت، سماحت اور عدالت--- اختیار کرو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے وہ بچ نہیں سکتے۔

قرآن کے انذار کا نتیجہ

اس انذار (ڈراوے) کے اعلان کے بعد دو قسم کے لوگ ہو جائیں گے:

(1) انکار کرنے والے۔

(2) ماننے والے۔

اب پہلے نہ ماننے والوں کا حال بیان کیا جائے گا اس کے بعد ماننے والوں کی کامیابی کی کیفیت بیان کی جائے گی۔

جو لوگ اس انذار کی مخالفت کرتے ہیں ان کے درجے مختلف ہوں گے:

(1) ایک آدمی اسے سن تو لیتا ہے لیکن وہ اسے سمجھتا نہیں اگر اسے سمجھایا جائے تو مخالفت ترک کر دے گا۔

(2) دوسرا شخص اسے سمجھتا ہے مگر دیکھتا ہے کہ اگر میں نے اس مسلک کی پیروی کی تو میرے مفادات کو نقصان پہنچے گا۔ اس لیے وہ پوری کوشش کے ساتھ اس انقلاب کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن اسے کافر قرار دیتا ہے۔ اگلی آیتوں میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

آیت نمبر 8 : فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ترجمہ: ''جب بجایا جائے ناقور (صُور، بِگل)''

آیت نمبر 9: فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ترجمہ: ''تو وہ دن مشکل ہے''

آیت نمبر 10: عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ترجمہ: ''منکروں کے لیے آسان نہیں''

قیامت اور انقلاب

مفسرین کرام ان آیات کو قیامت پر محمول کر کے خاموش ہو گئے ہیں۔ مگر جیسے ''المزّمّل'' کی تفسیر میں دکھایا جا چکا ہے، قیامت کبریٰ سے پہلے دنیا میں قیامت صغریٰ آئے گی اور وہ یوم انقلاب ہوگا۔ چنانچہ حجاز میں وہ دن آیا تو وہ اس انقلاب کے مخالفوں کے لیے آسان نہ تھا۔ جب ان کے لیے موت کا صور پھونکا گیا تو ابوجہل اور اس کی جماعت کا جو حال ہوا اس کا اندازہ بدر کی جنگ سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی خندق کی جنگ میں مخالفین کو جس طرح راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور جس ذلّت وخواری سے پسپائی کی اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس مصیبت میں مبتلا ہوئے (خدا اس مصیبت سے بچائے)۔

الغرض وہ یوم انقلاب آنے والا ہے۔ جب تک وہ آئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے استقامت اور استقلال کے ساتھ کام کئے جاؤ۔ اور لڑنے بھڑنے کی طرح نہ ڈالو کیونکہ تیاری کے ایام میں لڑنا اس تحریک کے لیے مضر ہوگا۔

ان آیات کے بین السطور میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب اس تحریک کے مخالفین برباد ہو جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اس روز یہ مخالفین مسلمانوں کے ہاتھوں برباد کرائے جائیں گے۔ اسی لیے اس سورت میں بھی روز اول ہی سے دبی زبان اور مبہم الفاظ میں آنے والی جنگوں کا ہلکا سا تصور دے دیا گیا۔ اس فکر کی وضاحت اگلے سال نازل ہونے والی سورت--- المزّمّل--- میں کر دی گئی اور کہہ دیا گیا کہ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (علاوہ بریں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں مصروف قتال ہوں گے)۔ اس فکر قتال کی توضیح کے لیے آگے چل کر سورۂ انفال اور سورۂ توبہ نازل ہوئیں، جن میں جنگ کا بین الاقوامی قانون، تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔

بین الاقوامی پروگرام کے مخالفین

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا تجزیہ

قرآن حکیم کا یہ عام اسلوب بیان ہے کہ وہ رجعت پسند (Reactionary) مخالفین کی ذہنی کیفیت بیان کرنے کے لیے ایک نمونے کا شخص لے لیتا ہے اور پھر اس کی ذہنیت کا تجزیہ کرتا ہے۔ اگلی آیتوں میں قرآنی تحریک انقلاب کے مخالف کا اسی طرح نفسیاتی تجزیہ (Psychological Analysis) کر کے دکھایا گیا ہے۔ تاکہ سمجھدار لوگ انقلاب کی حقیقت کو سمجھ جائیں۔ کیونکہ صحیح کیفیت اور غلط ذہنیت پاس پاس لانے سے انقلاب کی اصل حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

آیت نمبر 11: ذَرۡنِیۡ وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا

ترجمہ: ''چھوڑ دے مجھے اور اسے جسے، میں نے اکیلا پیدا کیا''

تحریک قرآن کا ایک مخالف ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ورثے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لیاقت میں بھی وہ منفرد ہے۔ وہ اپنے گھرانے میں امیرانہ ٹھاٹھ سے پرورش پاتا ہے (وہ جس قسم کی ذہنیت پیدا کر لے گا وہ آگے بیان کی جائے گی) تم اس کی فی الحال پروا نہ کرو اسے میرے حوالے کر دو۔

آیت نمبر 12: وَّجَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا

ترجمہ: ''اور میں نے اسے پھیلا کر مال دیا''

وہ جوان ہوتا ہے تو تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کا مالک ہوتا ہے۔ وہ مادی ترقی میں لیاقت سے کام کرتا ہے تو اسے خوب مال و دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

آیت نمبر 13: وَّبَنِیۡنَ شُهُوۡدًا

ترجمہ: ''اور بیٹے جو (آنکھوں کے سامنے) موجود رہتے ہیں''

اس کی اولاد اس کے سامنے رہتی ہے کیونکہ اس کے کچھ کمیرے (کمانے والے) کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ اور کچھ کارخانوں میں لہو پسینہ ایک کر رہے ہیں۔ یہ چوپال یا کلب روم (Club-room) میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ادھر ادھر کی گپّوں میں وقت گزارتا ہے۔

آیت نمبر 14: وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا

ترجمہ: ''اس کے لیے بڑی فراخی پیدا کر دی''

وہ اپنے سرمائے کی ترقی سے مطمئن ہے۔ اگر کسی موقعے پر فصل میں غلّہ کم ہوتا ہے تو کارخانے سے خوب نفع ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک مد کی کمی دوسری مد سے پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس کا نفع بڑھتا رہتا ہے۔

ایک شخص ہے جو اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور ان کا تنہا وارث ہے، مال و منال سے سرفراز ہے۔ صاحب اولاد کثیر ہے۔ بہت سی مدات سے آمدنی کا مالک ہے۔ ایسے شخص کی ذہنیت سرمایہ پرستانہ ہو جانا تو تعجب انگیز نہیں۔ اور ایسا ہی شخص اپنے قبیلے کا سردار یا برادری کا چوہدری بھی بن جایا کرتا ہے۔

آیت نمبر 15: ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ

ترجمہ: ''پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں''

باوجود اتنی دولت ثروت کے وہ ننانوے کے پھیر میں ہے۔ اس کی زردوستی کی یہ حالت ہے کہ وہ ہر وقت متمنی رہتا ہے کہ اس کے سرمائے میں اضافہ ہوتا رہے اور اس کے مناصب میں ترقی ہوتی رہے۔ یہ اس کی سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا صحیح نقشہ ہے۔ وہ صرف اپنے سرمائے اور منصب میں ترقی کا خواہشمند رہتا ہے۔ مزدوروں اور کمیروں کی فلاح کا نام تک نہیں لیتا۔ اور غریب طبقے کو ترقی دینے والی تعلیم کی مخالفت شروع کر دیتا ہے۔

آیت نمبر 16: كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا

ترجمہ: ''ہرگز نہیں' وہ تو ہماری آیتوں کا مخالف ہے''

لیکن ایسے مخالف سرمایہ پرست کو ہرگز بڑھنے نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ انقلابی پروگرام (Revolutionary Programme) کا مخالف ہے۔ بلکہ (وہ) اپنی ارتجاعی

جماعت (Reactionary Party) کا رہنما بن کر اس بین الاقوامی انقلاب کی تحریک کی مخالفت میں زور لگائے گا۔ لیکن کیا وہ اس انقلاب کے مقابلے میں آ کر کامیاب ہوگا؟ ہرگز نہیں (کَلَّا) کیونکہ یہ تو اپنے اور اپنی اولاد کے سوا کسی کو لیڈر دیکھ ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ انسانیت کا بھلا اس میں ہے کہ جو بہتر ہو وہ انقلاب کا لیڈر بنے۔ یہ دنیا میں انقلاب کس طرح لائے گا؟ یہ تو اپنے ہی مال و متاع کے بڑھانے کی فکر میں ہے۔ یہ انسانیت کی بہتری کے لیے کچھ صرف کرنا جانتا ہی نہیں۔ یہ تو بین الاقوامی انقلاب (World Revolution) سے منہ موڑے ہوئے ہے جس کے نشانات صاف نظر آ رہے ہیں۔ (اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا)

آیت نمبر 17: سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا

ترجمہ: ''اسے چڑھواؤں گا سخت چڑھائی''

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا انجام

ایسا شخص انقلاب صالح کے رہنما حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کیسے بڑھ سکتا ہے؟ اس کی ہر ایک ترقی ' ترقیٔ معکوس ہوگی۔ یہ اپنی ارتجاعی پارٹی (Reactionary Party) کے بل بوتے پر نوعِ انسانی کے سب سے بڑے بین الاقوامی لیڈر کو گرا کر ابھرنا چاہتا ہے۔ تو یہ ارتجاعی (Reactionary) اپنے خیال میں اونچا بھی جا رہا ہوگا تو حقیقت میں گر رہا ہوگا۔ جتنا زیادہ اونچا جائے گا اتنا ہی وہ زیادہ شدید عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور مرنے کے بعد جہنم میں اسے اس اُلٹی چڑھائی کی مشق کرنی ہوگی۔ وہ جہنم میں ایک پہاڑی پر چڑھے گا لیکن اس کے پاؤں ترقی کی طرف نہیں جائیں گے بلکہ اوپر چڑھ کر پھر گرتا جائے گا۔ مگر اپنے ذہن میں خیال کرے گا کہ میں چڑھ رہا ہوں۔ وہ جہنم میں اس خیالی غلطی میں مبتلا رہے گا اور چڑھنے اور گرنے کی مصیبت میں پھنسا رہے گا۔

آیت نمبر 18: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ

ترجمہ: ''اس نے سوچا اور دل میں اندازہ لگایا''

مخالفانہ جانچ پڑتال:

یہ مخالفِ انقلاب حضرت نبی اکرم ﷺ کی تحریک کے متعلق سوچتا ہے اور دل میں اندازہ لگاتا ہے کہ یہ تحریک کن کن منازل میں سے گزرے گی اور کہاں تک ترقی کر سکے گی۔

آیت نمبر 19: فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ

ترجمہ: ''کمبخت نے کیا اندازہ لگایا!''

اس ارتجاعی نے اس انقلابی تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ چند قبائل عرب میں ایک وقتی ہیجان پیدا کر کے ختم ہو جائے گی۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ یہ محض قبائلی یا قومی تحریک نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی تحریک ہے۔

آیت نمبر 20: ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ

ترجمہ: ''خدا غارت کرے! کیا سوچا اس نے!!''

اس نے اس تحریک کے متعلق غلط اندازہ لگایا اور اپنی اس غلطی کی وجہ سے اس دنیاوی زندگی میں اور پھر اس کے جزو ثانی — اخروی زندگی میں — ناکام ہوگا۔ (وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (سورۂ بنی اسرائیل 72:17) (جو دنیا میں کور باطن رہا۔ وہ دوسری زندگی میں بھی کور چشم ہی اٹھے گا) اور ناکامی اور نامرادی سے دو چار ہوگا۔ اس کی ارتجاعی تحریک (Reactionary Movement) ناکام رہے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا۔

آیت نمبر 21: ثُمَّ نَظَرَ

ترجمہ: ''اس نے پھر نگاہ ڈالی''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلابی تحریک کا اندازہ لگانے کے بعد وہ پھر غور سے دیکھتا ہے کہ آیا اس تحریک کا کوئی پہلو میری نظر سے مخفی تو نہیں رہ گیا؟

آیت نمبر 22: ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ

ترجمہ: ''پھر اس نے تیوری چڑھائی اور تُرش رُو ہوا''

وہ اس انقلابی تحریک کے سازوسامان (ظاہری ضعف اور کمی سرمایہ) کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے تیوری چڑھاتا ہے (عَبَسَ) اور جس طرح ابتدا میں ہر انقلابی تحریک پر لوگ ترش روئی کا اظہار کرتے ہیں، یہ بھی اس تحریک پر تُرش روئی کا اظہار کرتا ہے۔ (بَسَرَ)

آیت نمبر 23: ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ

ترجمہ: ''پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا''

پھر اس تحریک کو کمزور سمجھ کر منہ موڑ لیتا ہے اور اپنے ارتجاعی پروگرام (Reactionary Programme) کی کامیابی کے خیال سے پھولا نہیں سماتا (اِسْتَكْبَرَ)

آیت نمبر 24: فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ

ترجمہ: ''پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے''

مخالفانہ پراپیگنڈہ

اب وہ اس انقلابی تحریک کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس تحریک کے پروگرام کو قبول کر کے اس نئی پارٹی میں شامل ہو رہے ہیں، ان کے متعلق کہتا پھرتا ہے کہ یہ لوگ سحر زدہ ہیں۔ یہ تحریک چونکہ عوام کو اٹھانا چاہتی ہے اس لیے عوام ہی اس میں زیادہ تر شامل ہوتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاکت زدہ لوگ ایک خوش آئند مستقبل کے تصور کے سحر میں مبتلا ہیں جو کبھی شرمندہ تصدیق نہ ہوگا۔

آیت نمبر 25: اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ

ترجمہ: ''اور کچھ نہیں، یہ ایک انسان کی بنائی ہوئی بات ہے''

وہ اس انقلابی پروگرام کے خلاف یہ بھی کہتا پھرتا ہے کہ یہ پروگرام الہامی تھوڑا ہی ہے جو انسانیت کے لیے مستقلاً مفید ہو۔ اس کے پیچھے خدائی امداد بھی نہیں ہے کہ یہ ضرور کامیاب ہو۔ بلکہ یہ تو اس انسان (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کا خود ساختہ پروگرام ہے، جو اس شخص اور اس کے خاندان ہی کے کام آئے گا۔ یعنی یہ شخص اپنے یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کے حق میں انقلاب پیدا کر کے بیٹھ جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ عوام کو اس تحریک سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اسے انسانیت عامہ کی تحریک سمجھ کر اس کے ساتھ اپنے مفادات وابستہ نہ کر بیٹھیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اس

انسان کا بنایا ہوا پروگرام ہے اس قسم کا (پروگرام) ہم بھی بنا سکتے ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دعوت تمام اقوام میں پھیل جائے گی۔ اور ان سب پر غالب آ جائے گی۔ اور یہی اس دعوت کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ یہ خدا کی جانب سے ہے۔ لیکن مخالفین اس تحریک کو ایک عام وقتی تحریک کے طور پر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عام بات ہے ایسی تحریکیں اٹھا ہی کرتی ہیں۔ ہم بھی اس قسم کا پروگرام بنا سکتے ہیں۔ یہ مخالف جب اس دنیا سے کوچ کرے گا تو سیدھا جہنم میں ڈالا جائے گا۔

آیت نمبر 26: سَأُصْلِيهِ سَقَرَ

ترجمہ: ''عنقریب اسے آگ میں ڈالوں گا''

ارتجاع کا انجام

اس ارتجاعی (Reactionary) کے لیے اس ظلم اور بداخلاقی کی آگ سے بچنا محال ہے جو وہ اپنے لیے پیدا کر رہا ہے۔ وہ اس میں ڈالا جائے گا۔ ایسے ہی انقلاب لانے والی پارٹی اسے دنیا میں سزا دے گی۔ وہ زندہ رہا تو ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گا۔

آیت نمبر 27: وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ

ترجمہ: ''اور تو کیا سمجھے کہ آگ کیسی ہے؟''

انسان ابھی اس جہنم کی حقیقت سے واقف نہیں۔

آیت نمبر 28: لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ

ترجمہ: ''وہ نہ باقی رکھے، نہ چھوڑے''

یہ آگ نہ تو میدان مقابلہ ہی میں رجعت پسندوں (Reactionaries) کو رہنے دے گی اور نہ آئندہ زندگی میں ان کا پیچھا چھوڑے گی۔

آیت نمبر 29: لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ

ترجمہ: ''جھلس دینے والی، آدمی کو''

جہنم کی حقیقت

یہ جہنم جس میں یہ سرمایہ پرست ڈالا جائے گا، عجیب مقام ہے۔ اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے۔ اس میں جس آگ سے واسطہ ہوگا، وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے۔ جس طرح بدن انسانی کے اندر صفراء، سودا، بلغم اور خون چار خلطیں ہیں۔ اور ان کی خرابی (سڑاند) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے انسان کا جسم جھلسا جاتا ہے۔ ایسے ہی انسان کے جسم (Nesmic Body) میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پا رہا ہے انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہو رہے ہیں۔ وہ مختلف قسم کے ''زہریلے مادے'' جو انسان کے بدن میں اکٹھے ہو رہے ہیں، جب یہ انسان جہنم میں جائے گا، وہاں وہ خاص خاص قسم کے ''آگ'' کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا، تو جس قسم کا زہر جس قسم کی ''آگ'' سے متاثر ہوسکتا ہے، اس قسم کی ''آگ'' سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر بھڑک اٹھے گا۔ اور اس کی سوزش اندرونی کا اثر نسمہ انسانی پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ سورۃ الھمزۃ میں اس آگ کی طرف ان لفظوں میں ارشاد کیا گیا ہے:

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ؕ
اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۠

(ایک آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی' وہ جھانک لیتی ہے دل کو' ان کو اس میں موند دیا ہے' لمبے لمبے ستونوں میں)

یہ خوفناک حالت ہوگی جس سے بچنے کے لیے انسان سب کچھ کرنے کو تیار ہوگا۔ لیکن وہاں کچھ نہ بن سکے گا۔ اور اسے اپنے کیے کی پوری پوری سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور جس طرح بدن انسانی کے اندر سے سارا زہر خارج ہوئے بغیر صحت حاصل نہیں ہوسکتی، ایسے ہی نسمہ انسانی میں سے زہریلے اخلاق کے اثرات خارج ہوئے بغیر صحت روحانی حاصل نہ ہوسکے گی۔

پس انسانیت کے مصالح کلیہ (Human Weal) اور رفاہ عامہ (Public Weal) کے مخالفین کے لیے قوانین انسانیت کی خلاف ورزی کرنا معمولی بات نہیں۔ جو لوگ

فطرت انسانی کی خلاف ورزی کریں گے، ان کو یہ آگ جلاتی رہے گی۔

آیت نمبر 30: عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ترجمہ: ''اس پر انیس ہیں''

ایک نفسیاتی نکتہ

انسان کی روح میں اُنیس مرکز ہیں [1] جن کے ذریعے سے وہ اپنی تکمیل کرتی ہے۔ جو لوگ روحانی سلوک کے عامل ہیں وہ انہیں خوب جانتے ہیں۔ ان 19 مراکز کے مطابق جہنم میں بھی اصلاح کے 19 مراکز ہیں۔ اور ہر ایک مرکز کو ایک جداگانہ ''محکمہ'' سمجھنا چاہیے۔ ہر روحانی ''مرکز'' کی خرابی کی جداگانہ سزا ہوگی۔

آیت نمبر 31 (الف): وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً

ترجمہ: ''اور ہم نے دوزخ کے جو داروغے رکھے ہیں وہ فرشتے ہیں۔''

اس ''آگ'' کے جو 19 مہتمم ہیں۔ وہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ جن کی قوت کا یہ مخالفین انقلاب اندازہ نہیں لگا رہے۔ چنانچہ پہلی ہی آگ جو بدر کے مقام پر بھڑکی اس میں انسانوں کے دوش بدوش فرشتوں کی مثالی قوتوں نے بھی مخالفین انقلاب کو فنا کر کے رکھ دیا۔

آیت نمبر 31 (ب): وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ترجمہ: ''اور ان کی جو گنتی رکھی ہے تو وہ ان منکروں کے جانچنے کے لیے ہے۔''

اس تعداد کا ذکر منکرین کے فہم کے امتحان کے لیے ہے کہ آیا وہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور تحریک انقلاب کو قبول کرتے ہیں یا مذاق اڑا کر عذاب کے مستحق بنتے ہیں۔

آیت نمبر 31 (ج): لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ

ترجمہ: ''تاکہ وہ لوگ جن کو کتاب مل چکی ہے یقین حاصل کریں۔''

لیکن یہ تورات اور انجیل کو ماننے والی جماعت اور ایسے ہی ہر وہ جماعت جس

---

[1] اُنیس مراکز یہ ہیں (1-5) حواس خمسہ ظاہری (6-10) (حواس خمسہ باطنی: حس مشترک، واہمہ، متخیلہ، حافظہ اور قوت متصرفہ) (11) قلب (12) مدرکہ (13) سرّ یعنی قلب اور عقل کے بطن (14) روح (15) خفی یعنی بطن السرّ (16) اخفی یعنی بطن الخفی (17) انانیہ کبریٰ (18) نورالقدس (19) الحجر البحت یعنی انانیت کبریٰ اور نورالقدس کا بطن جو تجلّی الٰہی کا نمونہ ہے ان کی تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام امام ولی اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ (دیکھئے تفہیمات الٰہیہ وغیرہ)

میں الہامی علوم پائے جاتے ہیں جن میں مثالی قوتوں کا ذکر آتا ہے ایسے ہی جو لوگ اس انقلابی تحریک کو دل سے مان چکے ہیں ان کی عقل و دانش اس کی تائید کرتی ہے وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے چنانچہ ہندو فلاسفی اور ایرانی حکمت میں بھی ان قوتوں کی طرف اشارے موجود ہیں۔

آیت نمبر 31(د) : وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا

ترجمہ: ''اور جو لوگ اب (نئی شریعت پر) ایمان لا چکے ہیں وہ اپنے یقین میں بڑھیں''

اور یہ حکیمانہ اشارے قرآن حکیم کے انقلابی پروگرام پر ایمان کی زیادتی کا باعث ہوں گے اور ان کو اپنے پروگرام کی کامیابی کا اور بھی پختہ یقین ہو جائے گا۔

آیت نمبر 31(ہ) : وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جن کو کتاب دی جا چکی ہے اور وہ لوگ جو اب (اس شریعت پر) ایمان لا چکے ہیں وہ کسی شک میں نہ پڑیں۔''

پہلی کتاب پر صحیح ایمان لانے والی جماعت کے صحیح علوم رکھنے والوں اور نئی انقلابی جماعت کے ارکان کے دلوں میں اس انقلاب اور دنیوی اور اخروی نتائج کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اہل کتاب ایک انقلابی لیڈر—— حضرت موسیٰ علیہ السلام—— کی رہنمائی کے نتائج دیکھ چکے ہیں اور اہل عرب—— امی گروہ—— جو اس رسول انقلاب کے پیرو بن رہے ہیں۔ وہ بھی اس پروگرام کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے۔

آیت نمبر 31(و) :

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا

ترجمہ: ''اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ منکر ہیں وہ کہیں گے کہ اس تمثیل کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا منشاء ہے؟'

اس کے برخلاف ایک تو وہ لوگ جن کو اس انقلابی پروگرام کی کامیابی کا پورا یقین نہیں ہے اور ان کے دلوں میں اس کی رفتہ رفتہ بڑھی ہوئی کامیابی کو دیکھ کر حسد کی بیماری پیدا ہوگئی ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس پروگرام کے کھلم کھلا مخالف ہیں کیونکہ یہ پروگرام ان کے خاص مفادات (Vested Interestes) کا مخالف ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ اس انقلابی پروگرام میں کمزوری ثابت کرنے کے لیے اعتراض کرتے ہیں کہ اس

انیس کے عدد کی تمثیل کے بیان سے کیا غرض ہے؟ حالانکہ انہیں کم سے کم اتنی موٹی سی بات تو معلوم ہونی چاہیے کہ ہمارے اخلاق اور اعمال کی خرابیوں کے مطابق جہنم میں ان کے علاج کا انتظام ہونا چاہیے۔ اور جب حکیم علی الاطلاق انہیں بتاتا ہے کہ انیس قسم کے محکمہ ہائے علاج جہنم میں موجود ہیں، تو انہیں یقین آ جانا چاہیے کہ یہ درست ہے۔ لیکن یہ مخالفین چونکہ انقلابی ذہنیت نہیں رکھتے۔ اس لیے سوسائٹی کی اصلاح کا فکر ان کے ذہنوں میں آتا ہی نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سوسائٹی کی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتے اور جو لوگ اس میں انقلاب برپا کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی کرنے کے لیے آمادہ ہیں ان کے خلاف صف آراء ہو گئے ہیں۔

آیت نمبر 31(ح): كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ

ترجمہ: ''یوں اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔''

یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یعنی انسانیت کی ترقی کی تدابیر سوچنے کے بجائے ادھر ادھر کی باتوں میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان کی کج فہمی کا۔ ان کی اس شامت اعمال کے باعث اللہ تعالیٰ اب ان کو کسی نئی حکمت سے سرفراز نہیں کرے گا۔

قرآن کی انقلابی تعلیم سب کے لیے کھلی ہے ہر شخص اسے قبول کر کے اصلاح حال کر سکتا ہے۔ لیکن جو اس انقلاب میں حصہ نہ لینا چاہے اور انیس بیس کی کج بحثوں میں پڑ جائے تو اللہ کی مشیت اسے مزید روشنی دینا نہیں چاہتی۔ جو روشنی دی گئی ہے اسے استعمال کر کے جو شخص راہ راست پر چل نکلتا ہے، مشیت ایزدی اس کے لیے مزید رہنمائی کا سامان بہم پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ وہ ایک گمراہی سے دوسری گمراہی کی طرف نکلتا چلا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ منزل مقصود سے بہت دور جا پڑتا ہے۔

آیت نمبر 31(ط): وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ

ترجمہ: ''اور جسے چاہتا ہے راہ دیتا ہے''

جو لوگ اس انقلابی پروگرام کو قبول کر لیں گے، مشیت الٰہی ان کی مزید دستگیری کرے گی۔ چنانچہ ایک اور جگہ فرما دیا ہے کہ

اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

''جو لوگ ہماری طرف آنے کے لیے سرگرم سعی ہو جائیں گے ہم ان کو اس راہ پر چلنے کے لیے کئی راستے کھول دیں گے۔''

یعنی جب کوئی انسان اللہ کی طرف چل کھڑا ہوتا ہے تو مشیت الٰہی اس کی دستگیری کرتی رہتی ہے۔ اور جہاں اس کے راستے میں کوئی پتھر آ جاتا ہے، اس کے ہٹانے یا اس کے ادھر ادھر سے ہو کر گزر جانے کی راہ بتا دیتی ہے۔ وہ علم اور عمل کی روشنی میں برابر چلتا رہتا ہے اور ہر مشکل سے بچ نکلنے کے راستے نکالتا رہتا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کا باعث بنتی رہتی ہے۔

آیت نمبر 31 (ی): وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

ترجمہ: ''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

یہ لوگ خواہ مخواہ انیس کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انیس تو مدیران اعلیٰ ہیں ان کے علاوہ پروردگار عالم کے لشکروں کی تعداد اس قدر ہے کہ اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ فرشتوں کی کل تعداد غیر متناہی ہے اور یہ سب طاقتیں اس پیغمبر انقلاب کی تائید میں ہیں۔

آیت نمبر 31 (یا) وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ

ترجمہ: ''اور یہ (جہنم) تو انسانوں کے لیے یاد دہانی ہے۔''

انسان اپنی زندگی کو زمانے سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ اگر وہ زندگی چاہتا ہے تو زمانے کا پابند ہو کر رہنا پڑے گا۔ زمانے کے ساتھ وابستگی اس پر کون سے فرائض عائد کرتی ہے؟ نبی کی تعلیم یاد دلاتی ہے کہ انسان پر زمانے کی روح کے مطابق انقلاب میں حصہ لینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کتب الٰہیہ اسے یاد دلاتی ہیں کہ دیکھو اپنی فطرت کو مت بھولو۔ فرد کا ذرا سا تغافل اسے موت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آج زمانہ ہم سے ایک نئی قسم کے اجتماع کا مطالبہ کرتا ہے وہ یہ کہ ہر فرد سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں حصہ لے۔ ہم پرانے زمانے کو لیے بیٹھے ہیں۔ جب ایک آدمی سینکڑوں افراد پر حکومت کرتا تھا۔ اب زمانہ چاہتا ہے کہ افراد خود فیصلہ کر کے آگے بڑھیں اور مل کر کام کریں۔ جو لوگ زمانے کی اس دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے، وہ برباد ہو جائیں گے۔ قرآن حکیم کی دعوت پہلے ان ہی سے اس قسم کی یاد دہانی کراتی ہے۔ چنانچہ وہ ہر مسلمان کے لیے قرآن کا سمجھ کر پڑھنا ضروری قرار دیتا ہے۔ الغرض قرآن ہر ایک مسلمان کی بے سمجھ زندگی کو غلط قرار دیتا ہے۔ اور یہی تقاضا آج کے زمانے کا ہے۔

آگے بڑھنے کی دعوت

آیت نمبر 32 (الف): كَلَّا ترجمہ: ''ہرگز نہیں''

ارتجاع غالب نہیں آسکتا

یہ سرمایہ پرست جو تحریک قرآنی کی مخالفت کرتا ہے (اَدْبَرَ) خیال کرتا ہے کہ اس کا مسلک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر غالب آجائے گا۔ وہ اس پر اینٹھ رہا ہے۔

آیت نمبر 32 (ب): وَالْقَمَرِ ترجمہ: ''قسم ہے چاند کی''

انقلاب کی پہلی منزل: عرب پر قبضہ

قرآنی انقلاب کی تدریجی ترقی کو قمر کی روشنی کے بڑھنے پر قیاس کرنا چاہیے۔ یہ پروگرام مختلف منازل میں سے گزر کر پہلے تو سرزمین عرب میں ہلال سے بدر بن کر چمکے گا اور عرب قوم کو بین الاقوامی انقلاب کی سنٹرل کمیٹی (Central Committee) بنا دے گا۔

آیت نمبر 33 : وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ترجمہ: ''اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیر لے''

پھر یہ چاند رات گزر جائے گی یعنی قومی انقلاب پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

آیت نمبر 34: وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ترجمہ: ''اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے''

بین الاقوامی منزل

اور اس کے بعد اس عرب پارٹی کی کوششوں سے بین لاقوامی انقلاب کی صبح نمودار ہوگی۔

آیت نمبر 35: اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ

ترجمہ: ''یہ واقعہ تاریخِ انسانی کے عظیم الشان واقعات میں سے ہے۔''

رفتہ رفتہ آفتاب عالمتاب کی خواب ربا اور بیدار کن روشنی کی طرح یہ عالمگیر انقلاب بھی ساری انسانیت کو بیدار کر دے گا اور ہر کہ ومہ اس سے فیضیاب ہوگا۔ یہ انسانیت گیر انقلاب (Universal Revolution) کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ

تاریخ انسانی کے عظیم الشان انقلابوں میں سے کامیاب ترین انقلاب ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انقلاب کا آغاز پہلے عرب میں ہوا۔ قریش کی کامیابی سے عرب اس انقلاب میں شامل ہوگئے۔ اور عرب مل کر بین الاقوامی انقلاب کی ایک منزل کے قافلہ سالار بنے۔

آیت نمبر 36: نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ

ترجمہ: ''یہ نوع انسان کو ڈرانے والا ہے''

مخالفین کو جنگ میں سزا ملے گی

یہ بین الاقوامی انقلاب کا پروگرام کسی خاص خطہ زمین یا کسی خاص قوم کے لیے نہیں ہے کہ وہ ملک یا خطہ اس کے ذریعے سے اپنا تفوق (بالادستی) (Imperialism) قائم کر کے دوسرے ممالک یا اقوام سے انتفاع (Exploitation) شروع کر دے۔ بلکہ یہ انقلابی تعلیم ساری نوع انسان کے لیے ہے۔ اور جو انقلاب اس کے مطابق پیدا کیا جائے، اس میں تمام انسانوں کے مفادات، جو اسے تسلیم کرلیں محفوظ رہنے چاہئیں۔ اور جو اسے قبول نہ کریں، ان کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیا جائے۔ لہٰذا ہر زمانے اور ہر ملک کے خود پرست جابر و ظالم حکمرانوں کو اس انقلابی تعلیم سے ڈرنا چاہیے۔ اور اپنے آپ کو اس کے ماتحت کر لینا چاہیے۔ تاکہ وہ انقلاب کے دنیاوی خطرناک نتائج اور اخروی عذاب سے بچ جائیں۔

اس آیت میں آنے والی جنگوں کی طرف نہایت لطیف اشارہ بشکل انذار موجود ہے، جو اس تعلیم کے انقلابی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اعلان

چنانچہ جب حضرت نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے خاندان والوں کو اس آنے والے انقلاب کے نتائج سے ڈرائیں تو آپؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔

فَهتَفَ يَا صَبَاحَاهُ: فَقَالُوا مَنْ هٰذَا؟ فَاجْتَمَعُوا اِلَيْهِ فَقَالَ: اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ قَالُوا مَاجَرَّبْنَا عَلَيْكَ

كِذْبًا، فَقَالَ: اِنِّیْ نَذِیْرٌ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ

(آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یا صباحاہ (فریاد! فریاد!)۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا یہ کون ہے؟ خیر پھر سب لوگ آپؐ کے پاس جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا۔ سنتے ہو۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر نکلے گا تو کیا تم میری بات سچ مان لو گے؟ سب نے کہا ہم نے آج تک تجھے جھوٹ بولتے نہ سنا نہ دیکھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ''تو میں تمہیں آنے والے خوفناک عذاب سے ڈراتا ہوں۔)

جن لوگوں نے ''آنے والے خوفناک عذاب'' سے بچنا چاہا، وہ آپؐ کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ اور جو اس میں شامل نہ ہوئے، وہ اس عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے اور دوسری زندگی میں اس عذاب کے زیادہ شدید تسلسل میں جا پھنسے۔

آیت نمبر 37: لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ

ترجمہ: ''اب یہ تم (میں) سے ہر ایک کے لیے ہے کہ وہ آگے بڑھے یا پیچھے ہٹے۔''

انقلاب میں آگے بڑھو

اب یہ فیصلہ خود تمہیں کرنا ہے کہ تم اس انقلاب کی صف اول (Vanguard) میں جگہ لینا چاہتے ہو یا پیچھے رہنے والوں میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ یہ فیصلہ انسان کو خود اپنی رائے سے کرنا چاہیے۔ جو شخص اپنی رائے سے انقلابی نہیں بنتا، وہ انقلابی نہیں کہلا سکتا۔ انقلاب سمجھنے کے لیے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ اس انقلاب کی صف اول میں جگہ لیں گے ان کو تکالیف پیش آئیں گی۔ لیکن آخر کار وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن جو اس تحریک میں حصہ لینے میں پیچھے رہ جائیں گے، وہ شکست کھا کر خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الْعَذَابِ (البقرہ 85:5) کے مصداق ٹھہریں گے۔ (یعنی دنیاوی زندگی میں سخت ذلت (غلامی) کا عذاب اور مرنے کے بعد کی زندگی میں اس سے بھی زیادہ شدت کا احساس عذاب۔) چنانچہ جن لوگوں نے تقدم (آگے بڑھنا) اختیار کیا ان میں سے صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ اور حضرت حمزہؓ اور

صہیب رومیؓ ہیں۔ ان کی کامیابی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور جو پیچھے رہے، ان میں سے ابوجہل اور ابولہب اور ابولہب کی بیوی وغیرہ ہیں جو دنیا سے ناکام گئے۔ اور مرنے کے بعد ان کی یہ ناکامی اور ان کے دیگر مظالم ان کے ساتھ گئے جنھوں نے ان کے لیے مکمل عذاب جہنم پیدا کر دیا ہے۔ اب آگے بڑھنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کا تذکرہ آیت نمبر 48 تک چلا گیا ہے سب سے پہلے آیت نمبر 38 میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر 38 (الف): **كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ**

ترجمہ: ''ہر ایک جاندار اپنے کیئے میں پھنسا ہے۔''

پیچھے رہنے والے برباد کر دیئے جائیں گے

انسان کی ساخت ایسی ہے کہ جو کام کرتا ہے اس کی پوری جوابدہی کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس جو شخص پیچھے رہے گا، اسے اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس کی یہ رجعت پسندی (Reaction) اور انقلاب دشمنی اس کے نفس پر ایسی چھا جائے گی کہ وہ اپنی اس ذہنیت کے نتائج سے کبھی چھٹکارا نہ پا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا فرمائی ہیں وہ اس لیے ہیں کہ ان کو ان کی فطرت کے مطابق کام میں لا کر جلا دی جائے۔ جو شخص ان قوتوں کو جِلا نہیں دیتا بلکہ غلط کاریوں کے نیچے دبا کر صالح ترقی سے روکتا ہے، اسے اس کا نقصان پورا کرنا ہوگا، اور عذاب برداشت کرنا ہوگا۔ اس کے یہ ارتجاعی اعمال بے نتیجہ نہ رہیں گے۔

انسان کے اعمال کس طرح محفوظ رہتے ہیں: امام ولی اللہ کا نظریہ

حجۃ اللہ علی الارض امام الائمہ امام ولی اللہ محدیث دہلوی (انار اللّٰہ برھانہ) فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَعْمَالَ الَّتِیْ یَقْصُدُھَا الْاِنْسَانُ قَصْدًا مُؤَکَّدًا وَالْاَخْلَاقَ الَّتِیْ ھِیَ رَاسِخَةٌ فِیْهِ تَنْبَعِثُ مِنْ اَصْلِ النَّفْسِ النَّاطِقَةِ ثُمَّ تَعُوْدُ

اِلَیْھَا ثُمَّ تَتَشَبَّثُ بِذَیْلِھَا وَتُحْصِیُ عَلَیْھَا (حجتہ اللہ البالہ ص 28)

(یعنی واضح رہے کہ جس قدر کام انسان اپنے پختہ ارادہ سے کرتا ہے اور جس قدر اخلاق انسان میں پختہ ہو جاتے ہیں ان کا بیج پہلے تو انسانی روح ہی میں سے نکلتا ہے اور پھر پھیلنے کے بعد انسانی روح ہی کی طرف واپس آجاتا ہے۔ (چونکہ نکلنے کے وقت وہ بیج چھوٹا ہوتا ہے اور واپس ہونے تک وہ پھیل چکا ہوتا ہے اس لیے وہ واپسی میں) روح کے دامن سے ملحق ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔)

گویا ہر شخص کے اعمال اس کے نسمے میں محفوظ رہتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد جب مادی بدن اتر جائے گا، تو یہ اعمال نہایت واضح شکل میں اسے محسوس ہونے لگ جائیں گے۔ پس ہر شخص کو اس انقلاب کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے تا کہ وہ اپنے قویٰ کو فطری ترقی دے سکے اور ایسی سوسائٹی پیدا کر سکے جس میں رہ کر وہ اچھے اعمال اپنے نسمے کے اندر جمع کر سکے۔ اب ان لوگوں کا ذکر آتا ہے جنہوں نے آگے بڑھ کر کام کیا۔

آیت نمبر 38(ب): اِلَّآ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ

ترجمہ: ”سوائے ان کے جو دائیں طرف والے ہیں“

انقلاب کے پیشرو

جو لوگ دنیا میں قرآن حکیم کا انقلاب برپا کرنے میں سبقت کرتے ہیں وہ سابقین (Pioneers) تو کامیاب ہوتے ہی ہیں، ان کے علاوہ ان کے دست راست بننے والے بھی پھنسے نہیں رہتے۔ وہ بھی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ اور سند کامیابی اپنے دائیں ہاتھ میں پاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کا حق ادا کیا۔ یعنی اللہ نے جو قوتیں عطا کی تھیں، ان کو حق کی راہ میں پوری طرح استعمال کیا۔

ان کے مقابلے میں ایک جماعت اصحاب شمال کی ہے جو ناکام رہتی ہے۔ السابقین اور اصحاب الیمین کی کامیابی کا راز معلوم کرنا ہو تو ان ناکام رہنے والوں کی

ناکامیابی کے اسباب خود ان کی زبانی سن لیں تاکہ کامیاب انقلابی پروگرام کی مدات واضح ہو جائیں۔

جو لوگ پیچھے رہ گئے ان کا تذکرہ آگے آیت نمبر 48 تک آتا ہے۔

بین الاقوامی پروگرام کی تفصیل

آیت نمبر 40: فِیْ جَنّٰتٍ ۛ یَتَسَآءَلُوْنَ

ترجمہ: ''وہ باغات میں ہیں، پوچھتے ہیں''

آیت نمبر 41: عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ

ترجمہ: ''مجرموں سے''

ارتجاع کا نفسیاتی تجزیہ

اصحاب یمین، جنت میں پہنچ جاتے ہیں اور مصیبتوں سے نجات پا لیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ غور کرتے ہیں کہ اب جو لوگ عذاب میں مبتلا ہیں، وہ کیوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ وہ جہنمیوں سے ان کی ناکامی کے اسباب دریافت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ:

آیت نمبر 42: مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ

ترجمہ: ''تم کو اس دوزخ میں کس چیز نے لا ڈالا؟''

تم اس ناکامی کے عذاب میں کس وجہ سے مبتلا ہوئے؟ کچھ سمجھے بھی؟ اس عذاب کو دیکھ کر جس کی خبر تمہیں پہلے دی گئی تھی، اب تو سمجھ آ گئی ہو گی؟

فائدہ: جس مجرم کو اس کی سزا ملنے کے وقت یہ علم نہ ہو کہ اسے کس جرم میں سزا مل رہی ہے، اسے اس سزا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ جہنم میں پہنچ کر مجرم خود ہی جان لیں گے کہ انہیں کس کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ سزا اور جرم میں خاص مناسبت

ہوگی۔ چنانچہ مجرم اپنے جرائم آپ بتاتے ہیں کہ:

آیت نمبر 43: قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ

ترجمہ: ''وہ کہنے لگے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے''

(1) تعلق باللہ کی ضرورت

وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی سعادت انسانی کے اس پروگرام پر عمل نہ کرتے تھے جو اتحادِ فکر' اجتماعیت اور مساوات وغیرہ بیسیوں بھلائیاں سکھاتا ہے اور جس کی انتہائی معراج تعلق باللہ ہے۔

یاد رہے کہ انسان کے قلب میں خدا شناسی کی جو قوت مضمر ہے، اسے نماز ترقی دیتی ہے تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اس آئینے میں خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے انسان کبیر—— امام نوع انسانی—— کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے۔ یہاں تک ترقی کر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کے تقاضوں کو اللہ کا حکم سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اللہ کا یعنی مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جیسے کسی دوسرے بندے کے حقوق سلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس وہ ہر وقت خدمت انسانیت کے لیے تیار رہتا ہے اور اسے اللہ کی عبادت کا جزو جانتا ہے۔

اس کی مزید کیفیت سورۂ ماعون میں بیان کی گئی ہے۔ جہاں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

''یعنی جو لوگ اپنے یتیموں اور بے کس مسکین ہمسایوں کو (جن کا ذکر ماعون کی ابتدائی آیتوں میں آیا ہے) برتنے کی چیز بھی نہیں دیتے—— مفت نہیں کہ یہ تو بہت دور کی بات ہے بلکہ ادھار—— وہ اپنی صلوٰۃ (تعلق باللہ) کے مقصد سے غافل ہیں۔ اس لیے اب جو وہ نماز پڑھتے ہیں تو یہ محض دکھاوے کی نماز ہے۔'' (سورۂ ماعون 107 : 4 تا 7)

آیت نمبر 44: وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ

ترجمہ: ''اور ہم کسی مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے''[1]

(2) مساکین کی تنظیم کی ضرورت:

جب ہم اپنے نفس کی ضرورت--- تعلق باللہ--- کو بھلا بیٹھے تو پھر دوسروں کی ضرورت کا بھی احساس ہم میں مردہ ہوگیا۔ نماز کے ذریعے سے اپنے خالق کے ساتھ تعلق نہ جوڑا۔ خدمت خلق کا جذبہ اپنے اندر پیدا نہ کیا۔ دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کرنے کی کوشش نہ کی اور عام لوگوں کی مادی اور عقلی ضرورتیں پوری کرنے کا جتنا سامان ہم کر سکتے تھے وہ نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس عذاب میں مبتلا ہوگئے۔

مسکینوں کو کھانا کھلانا کے معنی یہ نہیں کہ بھیک منگے پیدا کیے جائیں، بلکہ یہ کہ بیکار لوگوں کو تعلیم اور کام کے ذرائع بہم پہنچا کر سوسائٹی کے مفید رکن بنایا جائے۔

آیت نمبر 45: وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ

ترجمہ: ''اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر بحثیں کیا کرتے تھے۔''

بیکار مباحثے

ہم انسانیت کی خدمت کرنے کے بجائے فلسفیانہ موشگافیوں اور دور از کار بحثوں میں پڑ گئے۔ اور کمزوروں کو کمزور رکھ کر ان کا خون چوسنے کے فلسفے کے جواز میں بڑی بڑی بحثیں کرنے لگ گئے۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ بیکاروں (The Unemployed) کو کام پر لگانے کے ذرائع پر غور کرتے اور جو لوگ خدا سے تعلق جوڑنا بھول گئے ہیں ان کو اس طرف متوجہ کرتے اور انہیں علم دیتے۔

آیت نمبر 46: وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ

ترجمہ: ''اور ہم جزاء اعمال کے وقت کا انکار کرتے تھے۔''

---

[1] ان دونوں آیتوں کے مضمون— نماز اور اطعام مسکین— کو قرآن حکیم میں اقیموا الصلٰوۃ واتوا الزکٰوۃ کے جملے کے ذریعے سے سینکڑوں مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

(3) اعمال کی ذمہ داری سے انکار

یہ سب کچھ اس لیے کر گزرتے تھے کہ ہم اس کمزور محتاج اور مظلوم کی اپیل کے نتائج اور آخری فیصلے کے دن کا یقین نہ رکھتے تھے۔ اور ہم اپنے آپ کو اپنے اعمال کے لیے کسی کے آگے جواب دہ نہ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی ہم سے اس ذمہ داری اور جوابدہی کا ذکر کرتا اور یاد دلاتا تو ہم اسے جھٹلاتے تھے۔

آیت نمبر 47: حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ

ترجمہ: ''یہاں تک کہ آ گئی یقینی بات''

ہم سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے پنجے میں ہیں۔ ان سے جس طرح چاہیں کام لیں اور ہماری اس حالت میں کبھی انقلاب نہ آئے گا۔ لیکن انقلاب تو یقینی تھا مگر ہم اسے یقینی نہ جانتے تھے۔ آخر موت و ہلاکت کے انقلاب نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔

آیت نمبر 48: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ

ترجمہ: ''ایسے لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دیتی۔''

چونکہ فطرت مسخ ہو چکی ہے اور انسانیت کے اصلی جوہر خراب ہو چکے ہیں اس لیے جب تک وہ تمام زہر جو نسمے میں گھس گیا ہے خارج نہ کیا جائے، ترقی محال ہے۔ اس سلسلے میں کسی کی سفارش بھی کام نہیں دیتی۔

دوبارہ انذار

اب پھر انقلاب کے مخالفوں کو غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ سوچیں اور سمجھیں اور اس انقلاب کو قبول کریں۔

آیت نمبر 49: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ

ترجمہ: ''پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس یاددہانی (قرآن حکیم) سے روگردانی کر رہے ہیں۔''

پہلی آیت میں جو آیا تھا کہ قُمْ فَاَنْذِرْ اس کے مطابق یہ انذار (ڈراوا) ہے اور

انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن حکیم کا انقلاب ٹل جائے گا۔ یہ ہو کر رہے گا۔ اور مخالفین کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی۔ ان کو چاہیے کہ اسے فوراً قبول کرلیں۔ اوراس سے اعراض (رُخ پھیر کر) کر کے نقصان نہ اٹھائیں۔

آیت نمبر 50: كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ

ترجمہ: ''گویا گدھے ہیں بدکنے والے''

انقلاب کی تمثیل

یہ ارتجاعی لوگ (Reactionaries) آگے بڑھنا شیر کے منہ میں جانے کے برابر سمجھتے ہیں۔

آیت نمبر 51: فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ

ترجمہ: ''بھاگتے ہیں شیر سے''

یہ اس آنے والے انقلاب کے تصور سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے گدھا شیر سے دہشت کھاتا ہے۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ آخر اس انقلاب سے عوام کو فائدہ پہنچ رہا ہے، تو کیا یہ رک سکتا ہے؟ پھر مساکین اور یتامیٰ کی حالت کی اصلاح کرنا انسانیت کا لازمی جزو ہے۔ یہ اس سے کیوں بھاگتے ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انقلابی تعلیم انسان میں شیری پیدا کر دیتی ہے۔ وہ ہر چیز سمجھتا ہے اور اپنے فیصلے سے آگے بڑھتا ہے۔

نہ خورد شیر نیم خوردہ سگ
ور زسختی بمیرد اندر غار

(شیر کتے کا کھایا ہوا کھانا نہیں کھاتا، اگرچہ سختی سے غار کے اندر مر جائے)

قرآن حکیم ان کو خود سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس سے اعراض کرنا گدھا پن ہے۔ مگر جو جھوٹا کھانے کی غلاظت میں مبتلا رہنا چاہیں، اور خود غور وفکر نہ کریں، وہ بھلا قرآن حکیم کی کیا قدر کرسکتے ہیں؟

آیت نمبر 52: بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً

ترجمہ: ’’بلکہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے الگ الگ صحیفہ دے دیا جائے۔‘‘

نراج پیدا نہیں ہونے دیا جائے گا

صحیح عالمگیر انقلاب تو ساری انسانیت کو ایک نظام میں منسلک کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی تعلیم تمام انسانیت کے لیے یکساں مفید ہوتی ہے۔ لیکن یہ سرکش چاہتے ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ پروگرام یا چارٹر (Charter) دیا جاتا، تا کہ اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہوتی رہتیں۔ یہ لوگ اجتماعی نظام کے اندر آ کر انقلاب برپا کرنا چاہتے ہی نہیں، کیونکہ اس انقلاب سے ان کی ذات خاص کو خصوصی فائدہ نہ ہوگا۔

یہ نراج (Anarchism) ہے۔ اور یہ نراجی (Anarchists) اس اجتماعی پروگرام کو قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ مساوات اور عدل کی دعوت دیتا ہے۔ اور یہ اپنے لیے زراندوزی اور انتفاع کا چارٹر (Charter for Exploitation) چاہتے ہیں۔

آیت نمبر 53 (الف): كَلَّا ۖ ترجمہ: ’’ہرگز نہیں‘‘

انہیں کوئی انفرادی پروگرام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ غیر طبعی مطالبہ ہے۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ اس سے نراج (Anarchy) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کوئی منظّم انسانی معاشرہ (Organised Human Society) پیدا نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ فرد کی ترقی کا راستہ اجتماع سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس لیے تعلیم ایسی ہونی چاہیے جس سے اجتماعیت (Society) پیدا ہو۔ اور اسے ترقی حاصل ہو۔ ایک ایک انسان کو جداگانہ ہدایت نامہ دے دیا جائے تو یہ انفرادی اور اجتماعی ترقی کس طرح ممکن ہے؟

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم پارٹی بنانا چاہتا ہے۔ وہ ایک ایک انسان کو الگ الگ سمجھانے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

آیت نمبر 53 (ب): بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ

ترجمہ: ''بلکہ وہ آخرت سے ڈرتے نہیں''

یہ لوگ جو انفرادی انتفاع (Individual Exploitation) کا چارٹر (Charter) چاہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی نفسی ضروریات (Pscho-spiritual Needs) سے غافل ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ (وہ) خدا کے ساتھ تعلق قائم نہ کر کے اور مساکین اور غربا سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کر کے اپنے نفس کے اندر ایسے خوفناک زہر جمع کر رہے ہیں جو مرنے کے بعد پھوٹ نکلیں گے اور انہیں اس طرح عذاب میں مبتلا کر دیں گے جس طرح آتشک یا سوزاک یا جذام کا زہر جسم میں جمع ہو تو حالات سازگار ہوتے ہی جسم میں سے پھوٹ نکلتا ہے اور مریض کی زندگی کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ ایسے ہی یہ اپنے جسموں کے اندر انسانیت کشی کے مختلف اعمال کے ذریعے سے جو زہر جمع کر رہے ہیں وہ جہنم کی موافق ''آب و ہوا'' میں ان کے جسموں سے پھٹ نکلے گا اور ان کی زندگی ایک دائمی عذاب بن جائے گی۔ جس طرح مرنے کے بعد ان سے فطرت انسانی جواب طلبی کرے گی اور انہیں عذاب میں مبتلا کرے گی۔ اسی طرح اس دنیا میں انقلابی جماعت ان سے جواب طلبی کرے گی اور ان کو مبتلاء عذاب کرے گی۔

انقلاب سوسائٹی کے اندر سے پیدا ہوتا ہے

کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ آنے والا انقلاب بیرونی اثرات کا نتیجہ ہوگا؟ یا آنے والا عذابِ جہنم ان کے نفسوں کے باہر کی قوتیں پیدا کریں گی؟

آیت نمبر 54 (الف): كَلَّآ ترجمہ: ''ہرگز نہیں''

بلکہ وہ انقلاب خود ان کے اپنے نفسی حالات پیدا کر رہے ہیں۔ اگر ان کی ذہنیت درست ہوتی اور یہ سب کے ساتھ انصاف کرتے ہوتے تو یہ انقلاب نہ آتا۔

آیت نمبر 54 (ب): اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ

ترجمہ: ''اب بھی قرآن حکیم جو آیا ہے تو ان کی یاددہانی کے لیے آیا ہے۔''

قرآنی انقلاب کے تجربے کی دعوت

اگر یہ لوگ اپنی خفتہ (سوئی ہوئی) انسانیت کو بیدار کرلیں اور انقلاب کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں تو ان کے لیے اچھا ہے۔ قرآن حکیم ان کو ان کی بھولی ہوئی انسانیت یاد دلانے آیا ہے۔ اور وہ بتاتا ہے کہ انسانیت کے متعلق ان کے کیا فرائض ہیں۔

آیت نمبر 55 : فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

ترجمہ: ''جوکوئی چاہے اسے یاد کرے''

عیاں راچہ بیاں (ظاہر کا کیا بیان)۔ انسان آج بھی انسانیت کو بروئے کار لاکر دیکھ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ قرآن کی تعلیم اس کے لیے کس قدر مفید ہے۔ اور اس کی خفتہ روح کے کس قدر مناسب حال ہے۔ جب وہ دنیا میں اس تعلیم کے نتائج حاصل کر کے کامران ہوسکتا ہے تو یہی نتائج زیادہ واضح طور پر حیات مابعد الممات (The Life Herefter) میں اسے حاصل ہو جائیں گے۔ اس لیے جو شخص دنیوی صلاح اور اخروی فلاح حاصل کرنی چاہتا ہے وہ اس نقلابی پروگرام کو قبول کر لے جو کسی خاص انسان یا خاندان کی ترقی کا کفیل نہیں ہے بلکہ ساری نوع انسان کی سعادت کا ذمہ دار ہے۔

آیت نمبر 56 (الف) : وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

ترجمہ: ''مگر اس سے وہ اسی صورت میں نصیحت پا سکتے ہیں کہ اللہ چاہے۔''

جو لوگ اس یاددہانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ مشیت الہٰی اور حکمت الہٰی پہلے سے معین کر چکی ہے، وہی اس کام کو بجا لائیں گے۔ جو لوگ قرآن کی ہدایت سے ہدایت یاب ہوتے ہیں وہ اتفاقاً نہیں ہو جاتے۔ بلکہ یہ طے شدہ فیصلہ ہے کہ جن اشخاص میں فلاں فلاں باتیں ہوں گی وہی ہدایت پائیں گے۔ پس انسان کو اپنے اندر وہ شرطیں پیدا کرنی چاہئیں تب وہ ہدایت پا سکتا ہے۔

آیت نمبر 56 (ب) : هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ

ترجمہ: ''وہ تقویٰ کا اہل ہے اور وہ مغفرت کا اہل ہے۔''

انقلاب عدل قائم کرے گا

اس کی مشیت اور حکمت کے مطابق یہ دو قسم کے لوگ ہدایت پاسکتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف **غنیة الطالبین** میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے معنی ہیں یہ آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ (النحل 90:16)

''بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور ''فحشاء'' اور ''منکر'' سے اور ''بغاوت'' سے منع کرتا ہے۔''

اس آیت کی رو سے تقویٰ میں عدل شامل ہے۔

پس جو لوگ اپنی استعداد کے مطابق عدل کرتے ہیں وہ جب عدل کامل کی تعلیم پاتے ہیں تو اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن حکیم سے انتباہ حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو بے سوچے سمجھے حق کی مخالفت کر بیٹھتے ہیں، مگر اپنے ظلموں پر اصرار نہیں کرتے۔ جب انہیں متنبہ کیا جاتا ہے تو وہ باز آجاتے ہیں۔ یہ اہل مغفرت ہیں۔

قرآن حکیم ان دو قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو بیدار کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے ہرگز یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ انصاف کو چھوڑ کر کسی انسان کو بخش دے گا، کیونکہ وہ خود اہل تقویٰ یعنی عادل ہے۔ البتہ اگر انسان ایک جگہ غلطی کرے مگر متنبہ ہو کر دوسرے موقع پر اعلیٰ درجے کی نیکی کرے تو وہ اسے بخش دیتا ہے۔ یہ اس کی عدالت کے منافی نہیں ہے۔ پس اللہ سے معافی مانگنے کے لیے انسان اپنی غلطی کا ازالہ کرے اور کوئی بہتر نیکی کرے تو وہ بخش دیا جاسکتا ہے۔

سورت کا خَلَاصَۃُ الْکَلَام

(1) صالح انقلاب پسند کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت کو ترقی دینے والے قانون کے خلاف جو غیر صالح نظام موجود ہو اسے قبول نہ کیا جائے۔ (نمبر 1-3)

(2) صالح انقلاب پسند ہر قسم کی پاکیزگی کا خیال رکھتا ہے اور اس کا آغاز لباس کی پاکیزگی سے کرتا ہے اور وہ اپنے بدن اور ماحول کو بھی پاک رکھتا ہے۔ (نمبر 4)

(3) صالح انقلاب پسند کسی قسم کی خیالی اور علمی ناپاکی کو قبول نہیں کرسکتا۔ اس لیے وہ ہر غیر صالح نظام کا انکار کر دیتا ہے۔ (نمبر 5)

(4) صالح انقلاب پسند ہر قسم کے انتفاع (Exploitation) کا مخالف ہوتا ہے اور کسی انسان پر کسی قسم کا ظلم نہ خود کرتا ہے اور نہ اسے برداشت کرتا ہے۔ (نمبر 6)

(5) صالح انقلاب پسند تادم مرگ محض خدا پر بھروسہ کر کے کام کرتا ہے اور مشکلات سے گھبرا کر اپنے لائحہ عمل پر شک کرنے نہیں لگ جاتا۔ (نمبر 7)

(6) قرآن کا انقلاب سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ (نمبر 8 تا نمبر 25)

(7) اس ذہنیت کا انجام دنیا میں ناکامی ہوگا۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں درد ناک عذاب۔ (نمبر 26 تا 31)

(8) قرآن کی تعلیم بین الاقوامی تعلیم ہے۔ (نمبر 31 تا 36)

(9) یہ بین الاقوامی تعلیم قومی درجے سے ترقی کر کے بین الاقوامی درجے پر پہنچے گی، اور مساکین کی تنظیم کرے گی اور ان کا تعلق اللہ سے قائم کرے گی۔ مخالفین ناکام رہیں گے۔ (نمبر 37 تا 56)

نظر بازگشت

مُزَّمِّل اور مُدَّثِّر کا تقابل



یہ دونوں سورتیں — اَلمُزَّمِّل اور اَلمُدَّثِّر — مکی دور کی ابتدائی سورتیں ہیں اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت پر قائم ہونے کے پہلے ہی سال میں اتری ہیں۔ ان دونوں کے مضامین باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک دوسرے کا تتمہ معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ جو چیز مُزَّمِّل میں مفصل ہیں ان کی طرف مُدَّثِّر میں اجمالی اشارات پائے جاتے ہیں۔ اور مُزَّمِّل میں مجمل بیان ہوئی ہیں ان کو مُدَّثِّر میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس انقلابی تعلیم کو روئے زمین پر متمکن (غالب) کرنے کے لیے ایک جماعت کی ضرورت تھی۔ اس لیے مُزَّمِّل میں آپ کو رفقاء کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے لیے نماز تہجد — قیام شب — مقرر کی گئی تاکہ ان رفقاء کی تیاری تعلیم و مصاحبت سے کریں۔ اس کے بعد دوسری سورت میں تزمیل — تیاری رفقاء — کی غرض بیان کر دی گئی۔ یعنی یہ کہ آپؐ دنیائے انسانیت سے ہر قسم کے ظلم کو محو کریں گے۔ اور معاشرہ انسانی کو ہر قسم کی پاکیزگی سے معمور کریں گے۔ انسانی زندگی کو بین الاقوامی معیار پر بلند کرنے کے لیے چار اخلاق انسانوں کے اندر پیدا کیے جائیں گے۔ یعنی

(1) اللہ کی طرف اخبات (جھکنا) — وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

(2) طہارت — وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

(3) سماحت — وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

(4) عدالت — وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ

ان اخلاق اربعہ کے علاوہ شعائر اللہ-- وہ چیزیں جن میں تجلیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے-- سے تعلق قائم کرنے کے لیے حکم دیا گیا کہ **لِرَبِّکَ فَاصْبِرْ** جس سے مراد یہ ہے کہ تعلق باللہ اپنے وسیع ترین معنوں میں صرف قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

اس طرح قرآن حکیم کے آنے والے انقلاب کا مجمل خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔

یہ انقلاب، جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ سورۂ **مُزَّمِّل** میں اس کا اجمالی ذکر **وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُوْلِی النَّعْمَۃِ** میں کیا گیا تھا۔ لیکن **مُدَّثِّر** میں اس کا قدرے تفصیلی ذکر آیات نمبر 11 تا25 میں کیا گیا ہے اور سرمایہ پرستانہ ذہنیت کا نہایت باریک نفسیاتی تجزیہ کر کے دکھایا گیا ہے کہ اس ذہنیت کا انسان فارغ البال ہونے کے باوجود زر اندوزی کرتا ہے اور ذرائع پیداوار کو اپنے قبضے میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے اور جہاں کسی تحریک سے جو عوام کے فائدے کے لیے جاری کی جائے، اس کے ذاتی مفادات کو ذرا سی بھی ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اس تحریک کے خلاف عملی اقدامات شروع کر دیتا ہے، جس کا آغاز غلط فہمی پیدا کرنے والے پراپیگنڈہ سے ہوتا ہے اور انجام عملی عناد پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس تحریک عوام (Mass Movement) کو روکنے کے لیے متوازی تحریک (Parallel Movement) کے پروگرام بھی وضع کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔ لیکن انقلاب صالح کی تحریک صحیح خطوط پر چل رہی ہو تو مخالف تحریک کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ اور مخالفین مرنے کے بعد اپنے ساتھ داغ ناکامی لے جاتے ہیں۔ جو ہمیشہ ان کے لیے سوہان روح بنے رہتے ہیں اور دوسری زندگی میں ان کے لیے المناک عذاب کا باعث بن جاتے ہیں۔

کوئی انقلابی تحریک خواہ کتنی بھی عالمگیر نوعیت کی کیوں نہ ہو، اول دور میں بین الاقوامی عناصر کو جمع نہیں کر سکتی۔ اس کی طبعی رفتار یہ ہوتی ہے کہ ایک خطے کے افراد جو ایک زبان بولتے ہیں، ایک صاحب فکر کے گرد جمع ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ مضبوط جماعت بن جاتی ہے۔ یہ بین الاقوامی کام کی مرکزی جماعت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ **مُزَّمِّل** میں ذرا تفصیل کے ساتھ اور **مُدَّثِّر** میں اجمال کے ساتھ قرآنی تحریک کے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ دونوں سورتوں میں اس تحریک کے اصلی

رنگ-- بین الاقوامیت-- کی طرف صریحی اشارے موجود ہیں۔

دونوں سورتوں سے بین الاقوامی تحریک کے جو اصول کار نکلتے ہیں وہ حسب ذیل معلوم ہوتے ہیں:

(1) تبلیغ و تنظیم

(2) تعلق باللہ کا قیام

(3) مساکین کی منظّم خدمت

(4) ظاہری پاکیزگی کا التزام

(5) خیالات وافعال کی پاکیزگی کا استمرار

(6) سرمایہ پرستی کا ہر شکل وصورت میں استیصال، خواہ وہ ذہنی ہو یا صوری

(7) انفرادیت کی اجتماع کے ساتھ وابستگی

(8) انسان میں اپنے افعال واعمال کی ذمہ داری کے احساس کی بیداری

(9) ہر شخص اپنی ذمہ داری پر انقلاب میں شامل ہو

(10) دنیا میں بین الاقوامی انصاف وعدل قائم کرنے کا تہیّہ۔

کیا قرآنی انقلابی تحریک کے سوا اور بھی کوئی تحریک کامیاب ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔قرآن ہر ایک انسان کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتا ہے۔

فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ؟

کوئی ہے جو خواب غفلت سے بیدار ہوکر اس انقلاب میں تَقَدُّمۡ (آگے بڑھنے کو اختیار) کرے؟



قرآنی اصولِ انقلاب

سورت العصر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ط

پیش لفظ

انسانی اجتماع کو ترقی دینے میں حضرت ابراہیمؑ کا کردار

انسانی اجتماع (Society) کو ترقی دینے میں جن بلند فکر اور عالی دماغ لوگوں نے حصہ لیا، ان میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص بلند مقام حاصل ہے۔ آپ اب سے کوئی چار ہزار سال پہلے ''اُر'' (عراق) کے مقام پر پیدا ہوئے۔

آپؑ سے پہلے جن لوگوں نے انسانی اجتماعات کی رہنمائی کی، ان کا فکر اپنے مخصوص اجتماع کی ترقی کو مرکز بنا کر کام کرتا رہا۔ لیکن آپؑ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے انسانیت عامہ کو اپنے فکر کا محور بنایا۔ اس حیثیت سے آپ بے شک امام الناس [1] (نوعِ انسانی کے لیڈر) کہلانے کے صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔

ابراہیمؑ نے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا

نیز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہر معاشرے کا ہادی اپنے معاشرے والوں کو ذاتِ الٰہی کا تصور دلانے کے لیے اردگرد کے ماحول کو استعمال کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا رہا کہ ہادی کے گزر جانے کے بعد لوگ ان مظاہرِ قدرتِ الٰہی ہی کو ''خدا'' مان کر پوجنے لگتے اور شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پہلے ہادی ہیں جنھوں نے مظاہرِ طبیعی کی بجائے انسانی روح کو خدا شناسی کا ذریعہ بنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا شناسی آسان ہوگئی۔ اور نیچر (فطرت) پر قبضہ کر کے اسے انسانی ترقی کے لیے استعمال کرنے کا راستہ صاف ہوگیا۔

---

[1] اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً. (سورۂ بقرہ 124:2)

دعوتِ حنیفیت کی حقیقت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو ''حنیفیت'' کہتے ہیں۔ یہ دعوت کیا تھی؟ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ آپ انسانیت کو دو لعنتوں سے، جو آپ کے زمانے تک پیدا ہو چکی تھیں، بچانا چاہتے تھے یعنی:

1- شہنشاہیت انسانی (Imperialism)

2- الوہیت انسانی (Brahmanism)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اجتماع میں ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو ملکی سیاست پر قبضہ کر کے اپنے خاندان یا اپنی جماعت کے مفادات (Interests) کو ترقی دینے والے قوانین نافذ کرتے ہیں۔ اور اس طاقت کے بل بوتے پر اپنی رعایا سے ناجائز فائدے اٹھاتے ہیں۔ اور انہیں ناجائز ٹیکسوں کے بوجھ تلے اتنا دباتے ہیں کہ انہیں ان ٹیکسوں کے ادا کرنے کے لیے محنت و مشقت کرتے رہنے کے سوا کوئی وقت ہی نہیں ملتا کہ انسانیت کو ترقی دینے کی طرف دھیان دیں۔ 1ے

یہ حالت انسانیت کے لیے بہت بڑی لعنت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس کے خلاف بہت بلند درجے کے باغی تھے۔ 2ے

ایسے ہی بعض اوقات علمی طبقہ عوام کو علم عامہ سے محروم کر دیتا ہے۔ اور خود علم کا اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اس علمی اجارہ داری کے طفیل عوام پر ''خدائی'' کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام ان سرمایہ داران علم کے محتاج بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح علمی

1ے ملاحظہ ہو حجتہ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ (باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم) طبع مصر جلد اول ص 105۔

2ے قرآن حکیم سیدنا ابراہیمؑ کا قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ایک موقعہ پر فرمایا: اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَفَرۡنَا بِكُمۡ وَبَدَا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةُ وَالۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗۤ (ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے کہا۔ ہم تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، اپنی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے پروگرام کے منکر ہیں۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان دائمی عداوت اور بیر ظاہر ہو گیا ہے جو اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔ (سورۃ الممتحنہ 4:60)

طبقہ عوام کو طرح طرح سے لوٹتا ہے۔ وہ جہالت میں مبتلا ہو کر سعادت اخروی پر غور کرنے کی استعداد بھی کھو بیٹھتے ہیں اور رفتہ رفتہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔1ے

یہ برہمنیت (Brehmanism) بھی انسانیت کے لیے بہت بڑی لعنت ہے۔ اور سیدنا ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ انسانیت کو اس ''انسانی اُلوہیّت'' سے نجات دلائیں۔

دعوتِ حنیفیت کے معاشرتی نتائج

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انسانی روح یا نسمہ کو خدا شناسی کا ذریعہ بنا کر بتادیا کہ:

1- تمام انسان اپنے اندر خدا شناسی کا جوہر رکھتے ہیں۔ انبیاءؑ اور ان کے شاگرد اسی روح کی بیداری کی کوشش کرتے رہے۔

2- چونکہ سب انسان انسانیت کے لحاظ سے برابر ہیں اس لیے کوئی انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کا خدا نہیں بن سکتا چہ جائیکہ ''شہنشاہ'' بن کر بیٹھ جائے اور لوگوں کو غلام بنائے رکھے۔

3- خدا شناسی ہر ایک انسان کی انسانیت کا فطری تقاضا ہے اس لیے معرفت الٰہی کا علم اسے مفت ملنا چاہیے جیسے ہوا اور پانی سب انسانوں کے لیے ہیں۔

4- اجتماع انسانی میں صرف خدا کا قانون چل سکتا ہے کسی حاکم کا (خواہ وہ بادشاہ ہو یا شہنشاہ) قانون نہیں چل سکتا۔ انسانیت کا شرف اس میں ہے کہ انسان صرف خدا کے قانون کے آگے جھکے۔ یہ انسانیت کی آزادی کا اعلان تھا۔ یہ وہ توحید ہے جس کے سیدنا ابراہیم علیہ السلام داعی تھے اور توحید کا یہی تخیل ان کی تحریک حنیفیت کا (اور بعد میں اسلام کا جو دعوت حنیفیت ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے) سنگ بنیاد ہے۔

5- انسانیت میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا ہر ایک انسان کا حق ہے۔ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے یا اپنے جیسے خودغرض لوگوں کا اجتماع پیدا کر لے اور ان کی طاقت کے بل بوتے پر خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کے لیے مخصوص کر لے اور کمزور انسانوں کو ان سے محروم کر دے۔

1ے ملاحظہ ہو حجتہ اللہ البالغہ امام ولی اللہ دہلویؒ طبع مصر جلد اول ص 106۔)

غرض اس عظیم فکر کے ذریعے سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک طرف تو انسانی ربوبیت (شہنشاہیت اور مطلق العنان بادشاہی) کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف خدا شناسی کے علم کو عام کر کے برہمنیت کا خاتمہ کر دیا اور تمام انسانوں کو خدا کی بندگی میں لاکر مساوات کی سٹیج پر لا کھڑا کیا۔ اس طرح انسان اور انسانیت کا پایہ بہت بلند کر دیا۔

تحریک حنیفیت کا اہم پہلو: جماعت کے ذریعہ تبدیلی

تحریک حنیفیت کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ جو لوگ اس تحریک کو قبول کریں گے وہ کفر، ظلم، شرک، غلامی اور فکری غلامی کے خلاف ایک طاقتور پارٹی بن جائیں گے اور معاشرے میں سے ظلم کی تمام شکلیں مٹانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ اس عظیم الشان انسانیت گیر تحریک کا انقلابی پہلو ہے جسے سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکردگی میں کام کرنے والی جماعت مہاجرین و انصار نے عمل میں لا کر دکھایا۔ اور اب یہ اصول ہر ایک قوم اور ہر زمانے کے لیے بنیادی اصول بن گیا کہ جب معاشرے میں ظلم بڑھ جائے تو ایک حنفی جماعت اسے انقلاب کے ذریعے دور کرے گی۔

تحریک حنفی ابراہیمی کا یہ وہ اصول ہے جس کی مکمل تشریح اس سورۃ العصر میں کی گئی ہے۔

تحریکِ حنیفیت کے مراحل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فکرِ عظیم کی اشاعت کے لیے ایک طرف عرب کی وادی (غیر ذی زرع) (بے آب و گیاہ) میں ''بیت اللہ الحرام'' کا مرکز قائم کیا۔ جہاں اپنے بڑے بیٹے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو بسایا اور دوسری طرف ''کنعان'' میں مرکز قائم کیا۔ جہاں اپنے دوسرے فرزند جلیل سیدنا اسحٰق علیہ السلام کو بسایا۔

پہلا مرحلہ

حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق پہلے ''کنعان'' کی سرزمین سے اس فکر کی اشاعت شروع ہوئی۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے اس علم (جھنڈا) کو بلند کیا جن میں سیدنا یوسف، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیھم السلام جیسے اولوالعزم داعی پیدا ہوئے۔ بنی

اسرائیل کو تورات جیسا بین الاقوامی قانون عطا ہوا، لیکن بدقسمتی سے وہ قبائلیت سے اوپر نہ اٹھ سکے اور اس انسانیت گیر تحریک کی جتنی اشاعت ہونی چاہیے تھی، نہ ہو سکی۔

دوسرا مرحلہ

اسرائیلی شاخ سے حنیفی (ابراہیمی) فکر کی جس قدر خدمت ہو سکتی تھی وہ ہو چکی۔ اور ان میں اس فکر کو آگے بڑھانے کی مزید صلاحیت ظاہر نہ ہوئی تو حکمت الٰہی نے ابراہیمی نسل کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل سے جو عرب میں بین الاقوامی پوزیشن حاصل کر رہے تھے، یہ خدمت لینی چاہی۔ اور ان کی رہنمائی کی خاطر انہی میں سے بہترین انسان کو منتخب کر کے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اس نبی معظم کا نام **محمد** (ﷺ) ہے۔ اور اسے اس پروگرام کی تکمیل کے لیے جو انقلابی لائحہ عمل دیا گیا وہ قرآن حکیم ہے۔

قرآن حکیم: تحریک حنیفیت کی تکمیل کا انقلابی لائحہ عمل

قرآن حکیم وہ کتاب عظیم ہے جس میں انسانی انقلاب کا مکمل پروگرام دیا گیا ہے۔ اس میں انسانیت کے خواص بتائے گئے ہیں۔ اور وہ اقدار معین کی گئی ہیں جنہیں قائم کرنے ہی سے معاشرہ انسانی اصولوں پر ترقی کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ اصول انسانی فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں اس لیے غیر متبدل ہیں۔ یعنی جب تک انسان بحیثیت انسان زندہ ہے، قرآنی اصول حیات اس کے معاشرے کے سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی ترقی و تربیت کا مکمل کورس ثابت ہوتے رہیں گے یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ اور یہی سبب ہے کہ قرآنی اقدار کو رجعت پسند افراد و اجتماعات کے چنگل سے بچانے کے لیے انقلاب کا نسخہ تجویز کیا گیا۔ یہ وہ نسخہ ہے جسے ہر زمانے میں ہر ایک جماعت جو ان اقدار کو معاشرے میں قائم کرنا چاہے، استعمال میں لا سکتی ہے۔ اب جب کبھی بعض معاشروں میں ارتجاع (Reaction) پیدا ہوگا، انقلابی قوتیں ابھرتی رہیں گی اور ارتجاع کا خاتمہ کرتی رہیں گی۔ اس لیے بھی اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی۔

آپ ﷺ کی تیار کردہ انقلابی پارٹی

اس انقلابی پروگرام کو چلانے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک نہایت مضبوط، جاں سپار جماعت (پارٹی) پیدا کی جس کی نظر بین الاقوامی (International) بلکہ انسانیت گیر تھی۔ اس بین الاقوامی پارٹی یا حزب اللہ کی تنظیم نہایت مستحکم طبعی اصولوں پر کی گئی، جو رہتی دنیا تک انقلاب کی تکمیل میں مدد دیتے رہیں گے۔ اس طرح پارٹی بنا کر کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پروگرام کو چلانے والی حکومت پیدا ہوگئی جس نے انسانیت عامہ کی ترقی میں اقتصادی اور روحانی پہلوؤں کو برابر اپنے سامنے رکھا۔

یہ پارٹی کس طرح بنائی گئی؟ اس کے اساسی قواعد قرآن حکیم کی اس مختصر سورۃ العصر میں منضبط کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1872ء-1944ء) نے اس سورۃ کی تفسیر میں یہی اصول واضح کئے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ انہیں نہایت غور سے مطالعہ کر کے قرآنی انقلاب کی تکنیک کو سمجھنے میں ان سے فائدہ اٹھائے گا۔ **واللّٰہ المستعان۔**

بشیر احمد (لدھیانوی)
جنرل منیجر
ادارہ حکمتِ اسلامیہ
223 سمن آباد، لاہور

قرآنی اصولِ انقلاب

یعنی

تفسیر سورۃ العصر (103)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾
اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

ترجمہ:

''زمانہ کی قسم! یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان کے جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے کام کیے اور آپس میں حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر و استقامت کی تلقین کرتے رہے۔''

تمہید سورت

مختلف قوموں میں نبیوں کے ذریعے سے جو شریعتیں آئیں، ان میں بعض اصول ایسے ہیں جو سب الہامی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ گویا علوم متعارفہ (Postulates) ہیں۔ ان کے مجموعے کو دین کہتے ہیں۔ مثلاً یہ عقیدے کہ:

(1) خدا ایک ہے۔
(2) موت کے بعد بھی زندگی ہے۔
(3) انسانوں کو ان عملوں کی جزا (یا سزا) ملتی ہے۔
(4) مختلف قسم کی شخصی نیکیاں (اصول اقترابات[1]) مثلاً طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نفلی عبادات وغیرہ اور
(5) مختلف معاشرتی اصول و معاشرتی ارتفاقات[2] مثلاً نکاح، اجتماعی عدل قائم کرنے اور ظلم کو مٹانے کی کوشش کرنا، غلط کاروں کو سزا دینا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑنا۔

یہ سب دین کے اصول کہلاتے ہیں۔

ان عقیدوں، شخصی نیکیوں، معاشرتی اور ثقافتی اصولوں نے ہر زمانے میں قوموں کے مزاج اور جغرافیائی اور تاریخی حالات کے مطابق مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کی ہیں۔ ان خاص شکلوں کا مجموعہ (جو دین کے اصول ہر زمانے میں اختیار کرتے رہے ہیں) اس زمانے کی شریعت کہلاتا ہے۔

(ملخص از ''باب بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناھج مختلفة'' حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 86-87)

قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ دین کے بنیادی اصولوں کی تشریح بعض چھوٹی سورتوں میں کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لمبی سورتوں میں، جہاں ان اصولوں کے

---

1. اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے طریقے۔
2. زندگی کی مشکلوں کو آسان کرنے کے طریقے

استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، ان پر تفصیلی بحث نہیں کرتا بلکہ صرف اشارہ کر دینا یا ان کے لیے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی سورتوں میں ان اصولوں کو انہی معنوں میں لیا جائے گا۔ جو چھوٹی سورتوں میں معین کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے۔: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے عمل کئے)۔ اس مختصر سے فقرے میں دو اصطلاحیں آئی ہیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ اور وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح سورۂ عصر میں کر دی گئی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم کے باقی مقامات میں ان اصطلاحوں سے وہی معنی مراد ہوں گے جو اس سورت میں معین کئے گئے ہیں۔

جو لوگ قرآن حکیم کے اس اسلوب بیان اور اس قسم کی اصولی آیتوں کی مراد اچھی طرح سے نہیں سمجھتے وہ اس کتاب عظیم کا مقصد معین کرنے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اور وہ ہر ایک سورت میں اصولی کلمات کے الگ الگ معنی کرتے ہیں جو ان کے خیال میں اس جگہ کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ یہ ان کی بڑی بھول ہے۔ اب ہم اس سورت پر نظر ڈالتے ہیں۔

==========

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر1: وَالۡعَصۡرِ "قسم ہے زمانے کی۔"

اس میں واؤ قسمیہ ہے۔

قسم کی حقیقت

شریعت اسلامیہ کا یہ قطعی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا یا حلف اٹھانا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ **مَنۡ اَحۡلَفَ بِغَیۡرِ اللّٰہ فَقَدۡ اَشۡرَکَ** (الترمذی) (جس نے اللہ کے سوا کسی اور کا حلف اٹھایا اس نے شرک کا ارتکاب کیا)۔ اس حدیث میں شرک سے مراد خواہ اس کا ادنیٰ درجہ ہی لیا جائے، بہر کیف وہ شرک ہی کی مد میں آتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ خود قرآن حکیم میں بہت جگہ غیر اللہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان مقامات میں سے ایک یہ مقام **والعصر** بھی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب کسی امر کے متعلق دو فریقوں میں جھگڑا ہو جائے تو ہر ایک فریق سے دلیل یا شہادت طلب کی جاتی ہے۔ دلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کو اس طرح سے کھول کر بیان کر دینا کہ سننے والا اسے اچھی طرح سے سمجھ جائے۔ جو شخص اس طرح سمجھنے کا عادی ہو۔ اسے دلیل ہی دی جانی چاہیے اور اس کے سامنے مفصل طور پر بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ شہادۃ (گواہی) بھی دلیل ہی کی ذیل میں آتی ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخاطب کے سامنے کوئی بات کھول کر بیان کی جائے

تو اس کا ذہن الجھاؤ میں پڑ جاتا ہے۔ جب وہی بات مختصر طور پر مثال کے ذریعے سے سمجھا دی جائے تو اسے آسانی سے سمجھ لیتا اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ مثال کے لیے کبھی کلمۂ قسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا طرز بیان اسی قسم کا ہے۔ وہ کبھی تو دلیل بیان کر دیتا ہے، کبھی مثال سے کام لیتا ہے اور کبھی مثال کے لیے کلمہ قسم ہی استعمال کر کے ایک حقیقت مخاطب کے ذہن نشین کر دیتا ہے۔

قسم کا اسلامی قانون

اسلامی قانون یہ ہے کہ جو فریق دلیل نہ لا سکے۔ وہ قسم کھاتا ہے۔ اس موقع پر قسم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قسم کھانے والا اپنے سچا ہونے پر اللہ تعالیٰ کو، جو عالم الغیب ہے، بطور گواہ پیش کرتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ اس قسم کی شہادت ایک دیندار مسلمان سے یقیناً قبول کر لی جاتی ہے۔ لیکن اسلام اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتا کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو حقیقی معنوں میں علم غیب حاصل ہے اور اسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ جھوٹے کو اس کے جھوٹ کی سزا دے۔ ان معنوں میں بے شک یہ درست ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھاتا ہے۔ وہ شرک کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ جس کی میں قسم کھا رہا ہوں۔ وہ ہر قسم کا ذاتی علم غیب بھی رکھتا ہے اور مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں وہ تمثیل کے لیے ہیں یعنی جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ بطور گواہ یا مثال پیش کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس سورت میں ''عصر'' (زمانے) کو اسی غرض کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

عصر (زمانہ کی) حقیقت

عصر کے معنی ہیں وقت، جس کے ساتھ گزرنے کا تصور بھی ہو، یعنی گزرنے والا زمانہ[1] زمانے کے گزرنے سے معاشرے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ صالح اور صحیح ہی ہوں۔ بعض غلط کار لوگوں کے اثر سے بڑی تبدیلی

[1] جب زمانے کے ساتھ گزرنے کا تصور نہ ہو، اور مطلق زمانہ مراد ہو تو اسے دہر کہتے ہیں

(Absolute time) بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ معاشرے کی یہ غلطیاں اور غلط کاریاں ملاء اعلیٰ کی سکرین (Screen) پر غلط رنگ کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے اس رنگ کے بدلے جانے کے لیے ذات باری سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ جب حکمت الٰہی چاہتی ہے کہ معاشرے میں انقلاب آئے--- اور اس ''چاہنے'' کے خاص قاعدے اور اصول ہیں--- اس وقت معاشرے میں انقلابی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں۔

الوہیتِ الٰہی کے دو شعبے

اللہ تعالیٰ کی اس شان ربوبیت کے متعلق حجتہ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ:

(جب انسان کی تخلیق کے بعد نوع انسان کی تربیت کا دور شروع ہوا) اس مرتبے میں ربوبیت الٰہی دو شعبوں میں تقسیم ہوگئی۔

(1) ربوبیت کے وہ احکام جن پر زمانے کے تغیر و تبدل کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً احوال و افعال و اخلاق جیسے نطق انسانی (انسان کے بولنے کی صلاحیت)، اس کی ہنسنے کی عادت، اس کی جرأت اور کیاست (فہم و فراست) اور معاشرہ انسانی کے لیے ضروری ارتفاقات اور بِرّ واِثم کے اصول جو انسانوں کو اسی طرح طبیعی الہام کے ذریعے سے ملتے ہیں جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو۔

(2) ربوبیت کے وہ احکام جو زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان تبدیل ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان صورت نوعیہ انسانیہ کے ساتھ تَشَبُّہ (مشابہت) قائم رکھے، جو ان ادوار و اعصار کے ساتھ مقرون ہے اور بِرّ واِثم کے اصول کو زمانے کے لیے لباس میں مناسب صورتوں میں پیش کرے۔

مطلب یہ ہے کہ انسانیت کے دو حصے ہیں:

(1) بنیادی انسانیت' جس میں کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

(2) انسانیت کے وہ پہلو، جو مرور زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تبدیلی اگر اچھی ہے تو فَبِہَا، ورنہ اسے تبدیل کر کے حقیقی انسانی پہلو کی طرف لانا ہوگا۔

روحِ عصر اور تاریخ کی شہادت

روح عصر (Zeitgeist) یعنی ملاء اعلیٰ کے فیصلے انسانی معاشرے میں ان انسانوں کے ذریعے سے پھیلتے رہتے ہیں جو حساس ذہنوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اور جب معاشرتی تبدیلیوں کے خراب پہلو غالب آ جاتے ہیں تو ایک بڑا انقلاب آ کر معاشرے کی حالت تبدیل کر دیتا ہے۔ جو لوگ معاشرے کے اندر غلط تبدیلیوں کا سدباب کرنے کی جدوجہد نہ کریں، وہ بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور جو غلط تبدیلیاں کر کے اپنے مفادات کو ترقی دیتے ہیں وہ بھی آخر نقصان اٹھاتے ہیں۔

زمانے میں یہ تبدیلیاں ہمیشہ آتی رہی ہیں اور ہمیشہ آتی رہیں گی۔ ہمارے خیال میں عصر کے اس تصور کا ایک پہلو تاریخ بھی ہے جو گزرے ہوئے زمانے کے واقعات کے مجموعے کا نام ہے۔ گویا اس آیت میں تاریخ ہی کی شہادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

تاریخ کی شہادت پیش کرنا، اعلیٰ درجے کا علمی استدلال ہے۔ البتہ جو لوگ تاریخ کی اہمیت نہیں سمجھتے وہ اس استدلال کی اہمیت کو بھی پوری طرح سے سمجھ نہیں سکتے۔ خود قرآن حکیم گزشتہ اقوام کے حالات سے بھرا پڑا ہے اور وہ بار بار کہتا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ

ترجمہ: ''یعنی مختلف ممالک میں چل پھر کر دیکھو کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑا' ان کا انجام کیا ہوا''۔ (الانعام 11:6)

آیت نمبر 2: وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ

ترجمہ: ''انسانی تاریخ گواہ ہے کہ انسان یقیناً گھاٹے میں ہے۔''

روح عصر (Spirit of the Age) کے ان اثرت کے ظہور کے وقت انسان کی حکمت عملی کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اس وقت حق قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور عملی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں، ان کے سوا باقی تمام انسان نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو ارتجاع میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو ارتجاع میں مبتلا نہ ہوتے ہوئے انقلاب کے لیے نہیں اٹھتے۔

زمان و مکان کی یہ وہ معاشرتی حقیقتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے پہلی

مرتبہ انسان کی توجہ دلائی ہے اور انسان کو آمادہ کیا ہے کہ زمانے کی تسخیر کر کے اسے اپنی منزل کی طرف چلنے پر مجبور کر دینا بھی انسانی شرف ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

انقلاب کے عملی اُصول

قرآن کہتا ہے کہ جب سے انسانی تاریخ لکھی گئی ہے اس پر نظر ڈالو، تم دیکھو گے کہ وہ اس امر کی ناقابل تردید شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ جب تک کسی انسانی اجتماع میں چار باتیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے، پیدا نہیں ہوگئیں وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اسی طرح وہ ان کے بغیر آئندہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

وہ چار باتیں یہ ہیں:

''نظریہ'' اور ''ایمان'' کا ہونا

1- اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ''جنہوں نے ایمان اختیار کیا۔''

(یعنی انسانی اجتماع میں کامیابی کے لیے پہلا بنیادی اصول ایمان اور نظریہ کا قائم ہونا ہے۔)

اس آیت میں ایمان سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب تاریخ عالم کی شہادت پیش کی گئی ہے تو ایمان کے معنی بھی وہی لیے جانے چاہئیں جو دنیا کے تمام دینوں میں اصولی طور پر مانے جاتے رہے ہیں۔

مولانا محمد قاسمؒ فرماتے ہیں کہ ''جب تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کی نیت یا ارادہ کرتے ہو۔ اگر کوئی شخص یہ نیت یا ارادہ کر لے کہ میں اللہ کے سب حکموں کی تعمیل کروں گا تو یہ جامع نیت ایمان ہے۔''

جن لوگوں نے قرآن حکیم کو مانا یا اس سے پہلے جنہوں نے تورات یا انجیل کو تسلیم کیا، انہوں نے ان کتب الٰہیہ میں معین اصول پائے اور ان اصولوں کو مان کر ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت بنالی۔ اور انہیں انسانی اجتماع میں قائم کرنے کے لیے اپنا جان و مال تک قربان کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اسے ان کا ''ایمان'' کہا جائے گا۔ لیکن جن انسانی گروہوں میں ایسی الہامی کتابیں موجود نہیں، ان کے اندر حکمائے الٰہی کی کوششوں سے

جو صحیح علم آیا جس نے انہیں خدا پرستی کی راہ پر لگایا اور انہوں نے اسے تسلیم کر کے اس کے مطابق کام کرنے کا ارادہ کرلیا اور اس کی خاطر اپنا جان و مال قربان کرنے کا تہیہ کر لیا تو یہ ان کا ایمان ہوگا۔

اسلام نے ایمان کا جو مختصر اور جامع فارمولا پیش کیا ہے وہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ.

''یعنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جیسا بھی وہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ ہے اور میں نے زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق سے اس کے تمام کے تمام احکام قبول کر لیے۔''

پس قرآن کہتا ہے کہ کسی اجتماع کے کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے افراد کے دلوں میں اپنی جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے صحیح علم کو قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو جماعت ایسے لوگوں سے بنی ہوئی نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی اور نہ کبھی کامیاب ہو سکتی ہے۔

فلسفہ ولی الٰہی کی بنیاد

امام ولی اللہ دہلویؒ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ تمام الہامی شریعتوں کا موضوع انسانیت عامہ ہی رہا ہے۔ یعنی یہ تمام شریعتیں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتی تھیں اور اسی کے تزکیے اور ترقی کے لیے آئی تھیں۔ مختلف شریعتوں میں جو ظاہری اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ ان قوموں کے لحاظ سے ہے جن میں وہ آئیں۔ ورنہ حقیقت میں ان سب شریعتوں کی تہ میں انسانی فطرت ہی کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور سب میں مشترک امر یہی انسانیت عامہ ہے۔

اس لحاظ سے ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے اسے یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ جب تک کوئی شخص ایسے صحیح عقائد یعنی ترقی بخش نظام معنوی کا مالک نہ ہو۔ جن کی بنیاد انسانی فطرت پر ہو اور وہ ان عقیدوں کو عمل میں لانے کے لیے اپنا نصب العین اس

طرح سے نہ بنا لے کہ وہ ان پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو آمادہ ہو جائے۔ اس وقت تک وہ کامیابی کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔

چنانچہ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

وَيَجِبُ بَذْلُ الْجُهْدِ عَلٰى اَهْلِ الْاٰرَآءِ الْكُلِّيَةِ فِیْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ وَتَمْشِيَتِهٖ وَاِخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّهٖ فَرُبَمَا لَمْ يَمْكُنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِمُخَاصِمَاتٍ اَوْ مُقَاتِلَاتٍ ، فَيُعَدّ كُلُّ ذٰلِكَ مِنْ اَفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص104 طبع قاہرہ مصر)

''یعنی جو لوگ اجتماعی رنگ میں سوچتے ہیں ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ حق کی اشاعت کرنے اور اسے چلانے میں اور باطل کو مٹانے اور اسے روکنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کریں۔ لیکن یہ اکثر ممکن نہیں ہوتا جب تک حق کی حقانیت اور باطل کی غلطی دلائل و براہین کے ذریعے ثابت نہ کر دی جائے یا باطل کے مٹانے اور حق کے قائم کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے جہاد و قتال (انقلاب کے لیے) نہ کیا جائے۔ اس وقت ان میں سے ہر ایک بات بہترین نیکی شمار ہوتی ہے۔''

غرض کامیابی کے لیے کوئی بلند نظریہ یا نصب العین قائم کرنا ضروری ہے جسے ایمان کا درجہ دیا جا سکے۔ مسلمانوں کا انقلابی نصب العین قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں۔ جنہیں خیر القرون (نمونہ کا دور) میں عمل میں لا کر دکھایا جا چکا ہے۔ اور وہی نمونہ ہمیشہ کامیابی کا معیار ہے۔

تاریخ کی شہادت

کیا تاریخ سے کوئی شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی شخص یا جماعت نے کوئی جامع نظریہ ''ایمان'' اختیار کیے بغیر کامیابی حاصل کی ہو؟

عمل کا درست ہونا

2- وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور صالح اعمال کیے)

انسان اجتماع میں کامیابی کے لیے دوسرا اصول عمل صالح کا ہونا ہے۔

عمل صالح کیا ہے؟

بدن انسانی کی ہر وہ حرکت وسکون جو انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس کی تعمیل و تکمیل کے لیے ہو، عمل صالح ہے۔

عمل کی صالحیت کا مدار

اصل میں کسی عمل کا اچھا یا برا ہونا، اس کی ظاہری شکل کے اعتبار سے اتنا نہیں ہوتا، جتنا اس کی روح کے لحاظ سے اور کرنے والے کی اس نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اسے عمل پر اکساتی ہے۔ مثلاً دنیا کی تمام قوموں میں یہ مانا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت اچھا فعل (عمل صالح) ہے۔ گو ہر ایک قوم میں عبادت کی صورت الگ الگ رہی ہو، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اور اس کا قرب حاصل کرنا انسان کے لیے ضروری ہے۔ یہ قرب حاصل کرنے کا جذبہ ہی عبادت یا صلوٰۃ کی اصل روح ہے۔ اب اگر یہی عبادت صرف دکھاوے کے طور پر کی جائے تو سب سے بُرا عمل تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کی پرزور مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ (6-4: 107)

''افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر، صرف دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔''

ایسے ہی کسی انسان کو مار ڈالنا بظاہر کتنی بری بات معلوم ہوتی ہے!! سب قوموں

کے عقل مند لوگ اسے برا کہتے ہیں اور کہتے آئے ہیں لیکن جب حق کی حمایت میں مرنے اور مارنے کی نوبت آجائے یا کمزور انسانوں کو ظلم سے بچانے کی ضرورت پڑ جائے تو کوئی شخص بھی قتل کرنے سے انکار نہیں کرتا بلکہ اس وقت انسانی قتل کو بہت قابل تعریف فعل سمجھا جاتا ہے۔

پس جو کام انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس نیت سے کیا جائے کہ سب انسانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، وہ عمل صالح ہے۔

''ایمان'' اور عمل صالح کا تعلق

اصل میں ایمان جڑ ہے عمل کی۔ جب تک جڑ زندہ ہے، درخت زندہ ہے۔ جب جڑ مر جاتی ہے، درخت خود بخود مرجھا کر گر جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں ایمان انفرادی اور اجتماعی کاموں کی بنیاد ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے:

1- اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ○

''کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی جانچ نہ ہوگی۔''

2- اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَیَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾ (آل عمران 142:3)

''کیا تمہیں خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک معلوم نہیں کیا جو تم میں لڑنے والے ہیں اور معلوم نہیں کیا جو ثابت قدم ہیں؟''

3- سورۃ توبہ میں منافقین سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ:

وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ

(105:9)

''اور کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ۔ پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے۔''

4- اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حمایت ان کے عملوں کی وجہ سے کرتا ہے نہ کہ ان کے صرف اقوال کی وجہ سے:

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام6:127)

5- اور اصلی مومنوں کے اعمال یہ بتائے گئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال8:74)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔''

6- اجتماعی طور پر اقوام کا امتحان بھی عمل کے مطابق ہوتا ہے، محض عقیدوں کی بناء پر نہیں:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (یونس10:13-14)

''اور ہم یقیناً تم سے پہلی جماعتوں کو، جب انہوں نے ظلم کیا، ہلاک کر چکے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے تھے لیکن وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ ہم مجرموں کی قوم کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلافت[1] دی۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح سے عمل کرتے ہو۔''

آخر میں قرآن حکیم نے یہ قطعی اور حتمی قانون فطرت بیان کر دیا ہے کہ:

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں خلافت سے مراد بین الاقوامی حکومت ہے۔(حجۃ البالغہ ص 27ج1)

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ (نساء 4:123-124)

''مدار نہ تمہاری امیدوں پر ہے، نہ اہل کتاب کی امیدوں پر، جو کوئی برا کام کرے گا سزا پائے گا۔ اور اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا۔ اور جو کوئی اچھے کام کرے گا۔ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو، ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان کا حق تِل بھر بھی ضائع نہ ہوگا۔''

خلاصہ یہ کہ ایمان قائم کرنے کے بعد اگر نتائج نکل سکتے ہیں تو فقط عمل سے۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (24:53) کیا انسان کو صرف کسی چیز کی تمنا کر لینے ہی سے وہ مل سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ قاعدہ صرف یہ ہے کہ: لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (39:53) یعنی انسان کو وہی یا اتنا ہی ملتا ہے جو یا جتنا وہ خود عمل کرتا ہے۔ غرض ایمان عمل کی بنیاد ہے اور عمل ایمان کا نتیجہ۔ ایمان ایسا ہونا چاہیے جو عمل پر اکسائے۔ اور عمل وہ ہو جو ایمان کے مطابق ہو۔

تاریخ کی شہادت

اب تاریخ پر نظر ڈالو۔ کیا اس میں ایک بھی شہادت یا مثال ملتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی اجتماع میں لوگوں نے اچھے عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان تو بنا لیا لیکن انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے ایمان کے مطابق نہ ڈھالی، پھر بھی وہ اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگئے؟ تاریخ کے سارے ورق الٹ جاؤ، اس کی ایک مثال بھی نہ پاؤ گے۔ البتہ تاریخ انسانی سے جو حقیقت بلا تردید ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کے مطابق کام کیا اور

اسے اجتماع میں غالب کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ پس ایمان کے مطابق کام کرنا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا ہی اصل میں عمل صالح ہے۔ اور ہمیشہ کامیابی اسی سے حاصل ہوئی ہے اور اسی سے حاصل ہوگی۔

جماعت کی ضرورت و اہمیت

آیت نمبر 3: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ''وہ آپس میں حق کی تلقین کرتے ہیں''۔

انسانی اجتماع میں کامیابی کا تیسرا اصول: حق کے پھیلاؤ کے لیے باہم مل کر جدوجہد کرنا۔

تواصی باالحق کیا ہے؟

بنیادی طور پر حق میں پختگی اور ثبوت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جب تک کوئی بات صرف علم کے درجے تک ہے، ضروری نہیں کہ وہ عمل پر اکسائے۔ لیکن جب کسی بات کا علم یقین کے اس درجے تک پہنچ جائے کہ وہ عمل صالح پر بھی اکسائے تو وہ حق بن جاتا ہے[1] اسی طرح جب ایمان انسان کے ہر عمل کی بنیاد بن جائے اور وہ اس کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہ کرے بلکہ یہ محسوس کرنے لگے اگر یہ ایمان کسی طرح میرے دماغ میں سے نکال لیا گیا تو میں مرجاؤں گا، اس وقت وہ ایمان حق کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنے ایمان میں امن اور اس کے مطابق عمل کرنے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے میں راحت پاتا ہے۔

پارٹی کی ضرورت

اگر کوئی شخص کسی عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان بنا لے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے، اور اپنا جان و مال اور سب کچھ اس پر قربان کر دینے کا پختہ ارادہ بھی رکھتا ہو، تو بھی وہ اجتماع میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے ساتھ ایسے

[1] کیونکہ جب کوئی تعلیم محض علم کے درجے سے نکل کر سوسائٹی میں گڑ جاتی ہے وہ مضبوط ہو جاتی ہے۔

لوگوں کو نہ ملائے جن کا ایمان اس کے اپنے ایمان جیسا ہو، اور پھر وہ سب مل کر اپنے مشترک ایمان کی تکمیل کے لیے پوری پوری اور انتہائی جدوجہد کریں، اور اگر اپنے میں سے کسی کے ایمان یا عمل میں کمزوری یا کوتاہی پائیں تو اسے ایمان پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کریں۔ [1]

پروپیگنڈے کی ضرورت

حقیقت یہ ہے کہ حق کی اشاعت کرنا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ اجتماع میں پھیلتا ہے۔ اس سے پارٹی پیدا ہوتی ہے اور ترقی کرتی ہے۔ جب تک حق کی حمایت میں قربانی دینے والی جماعت (پارٹی) پیدا نہ ہو جائے، اجتماع میں حق قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ تاریخ ایسی مثالیں تو پیش کرتی ہے کہ ایک اولوالعزم نبی جانفروش افراد کی جماعت ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہا۔ لیکن وہ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کرتی کہ ایک صالح عمل صاحبِ ایمان فردتن تنہا جماعت کے بغیر حق کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگیا ہو۔ [2] امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ یَحْتَاجُ اِلٰی اُصُوْلٍ اُخْرٰی غَیْرِ الْاُصُوْلِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْمَا سَبَقَ مِنْهَا اَنْ یَّدْعُوْا قَوْمًا اِلَی السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُصْلِحَ شَانَهُمْ ثُمَّ یَتَّخِذَ هُمْ بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهٖ فَیُجَاهِدَبِهِمْ اَهْلَ الْاَرْضِ وَیُفَرِّقَهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی : کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

---

[1] یہ عمل تواصی بالحق ہے۔ اس عمل میں کبھی کسی بات کے کرنے کا حکم دیا جائے گا اور کبھی کسی بات کے کرنے سے روکا جائے گا۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم میں اسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی کہا گیا ہے۔

[2] یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ (29:48) (محمد ﷺ اور ان کے ساتھی) آیا ہے۔ یعنی آپ کی کامیابی کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ بلکہ ایک جگہ تو صریح لفظوں میں حکم دیا گیا ہے کہ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ (سورۂ کہف 28:18) یعنی تو صرف ان لوگوں کے ساتھ وابستگی رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے رہتے ہیں۔ وہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں اور تیری آنکھیں انہیں چھوڑ کر نہ دوڑیں۔

لِلنَّاسِ(110:3) وَذٰالِکَ لِاَنَّ هٰذَا الْاِمَامَ نَفْسَه‘ لَا یَتَاتّٰی مِنْهُ مُجَاهَدَةَ اُمَمٍ غَیْرَ مَحْصُوْرَةٍ (حجتہ اللہ البالغہ، جلد اول ص118)

آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی اس آیت کی مکمل تفسیر ہے۔

''یعنی اس امام کو جو تمام قوموں کو ایک ملت پر جمع کرے، ان اصولوں کے علاوہ جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ اور اصولوں کی ضرورت ہے۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک جماعت کو صحیح پروگرام کی دعوت دے۔ انہیں (ان کی غلط کاریوں سے) پاک کرے۔ پھر ان کی حالت کو درست کرے۔ اور پھر انہیں اپنا آلہ کار بنائے۔ اور ان کی مدد سے تمام دنیا سے جنگ کرے۔ اور انہیں دنیا بھر میں (دعوت و تبلیغ کے لیے) پھیلا دے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم بہترین امت ہو جو تمام انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔) کا یہی مطلب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تن تنہا تمام قوموں سے لڑ نہیں سکتا۔''

تاریخ کی شہادت

اب پھر انسانی تاریخ پر نظر ڈالو۔ اور دیکھو کیا ایک مثال بھی ایسی ملتی ہے کہ ایک شخص ایمان اور عمل صالح کے باوجود اپنے ساتھ اپنے جیسے ہم خیال لوگوں کو جمع کیے بغیر اکیلے اور تن تنہا اجتماع میں اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگیا؟ تاریخ اس کی ایک مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

صبر و استقامت سے کام لینا

آیت نمبر 4: وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ''وہ آپس میں صبر کی تلقین کرتے ہیں۔''

انسانی اجتماع میں کامیابی کے لیے چوتھا اصول یہ ہے کہ مشکلات اور تکلیفوں کے باوجود صبر و استقامت کے ساتھ حق کے غلبہ کے لیے کام کرنا۔

''صبر'' کیا ہے؟

جب انسان اپنے ایمان کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی راہ میں بے شمار مشقتیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں۔ وہ انہیں

جھیلتا ہے ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اپنے ایمان پر مردانہ وار ڈٹا رہتا ہے۔ یہ صبر ہے۔

کفر کیا ہے؟

اگر رکاوٹیں زیادہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان آگے قدم نہ بڑھائے اور ٹائم مارک (Time Mark) کرتا رہے۔ لیکن مشکلات سے گھبرا کر شکست مان لینا اور اصول سے پیچھے ہٹ جانا ہرگز جائز نہیں۔ ایماندار آدمی کا صرف ایک کام ہے۔ فرض ادا کرتا ہوا جان دے دے، یا ٹائم مارک (Time Mark) کرے۔ اور جب آگے بڑھنے کا موقع پیدا ہو، فوراً قدم آگے بڑھائے۔ اصول سے پیچھے ہٹ جانا اور اپنے ایمان کا انکار کر دینا کفر ہے۔ جو شخص کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹ جانے کو جائز سمجھ لیتا ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایمان والوں کے اجتماع کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اپنے جس ساتھی کو پھسلتا، کمزور ہوتا پائیں، اسے سہارا دے کر گرنے سے روکیں۔ صرف اسی صورت میں اجتماع کامیاب ہوسکتا ہے۔

اجتماع میں کمزوریوں کے اسباب

یہاں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کسی اجتماع میں جو ایمان کسی نظریے پر قائم ہوا ہو اس میں دو وجہ سے کمزوری آ سکتی ہے:

پہلا سبب: مالی اشتراک کا نہ ہونا

اس اجتماع میں ضرورت کے مطابق مالی اشتراک نہ ہو۔ اور دولت سارے اجتماع میں چکر لگانے کی بجائے ایک چھوٹے سے طبقے میں بند ہو کر رہ جائے۔ اس حالت میں ایک بہت بڑا طبقہ نادار رہ جاتا ہے۔ اب اگر مالدار لوگ خود دادِ عیش دیتے رہیں، اور اپنے نادار ساتھیوں کو ایمان پر قائم رہنے اور قربانیاں دینے کی تلقین کرتے رہیں، تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ بددلی بڑھتی ہے جس سے دشمن کو ریشہ دوانیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اجتماع کی اندرونی پختگی اور مضبوطی کے لیے ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار کی تقسیم اس طرح سے ہو کہ سارے اجتماع کی طبعی بنیادی ضرورتیں یعنی خوراک، لباس، مکان، تعلیم، صحت وغیرہ پوری ہوتی رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو نادار افراد اپنی ان ضرورتوں کے پورا

کرنے میں اتنے پھنس جاتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کی تکمیل سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ اور ہوتے ہوتے وہ اس تحریک سے بالکل ہی کٹ جاتے ہیں۔ اس طرح سے تحریک مر جاتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ ایرانی اور رومی شہنشاہیتوں کی بربادی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان ملکوں کے مالدار طبقے اپنی عیش سامانیوں کے لیے کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر بڑے بڑے ٹیکس لگاتے رہتے تھے تو:

جَعَلُوْا هُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَمِيْرِ وَالْبَقَرِ يُسْتَعْمَلُ فِى النَّضْحِ وَالدِّيَاسِ وَالْحِصَادِ وَلَا تُقْتَنٰى اِلَّا لِيُسْتَعَانَ بِهَا فِي الْحَاجَاتِ ثُمَّ لَاتُتْرَكُ سَاعَةً مِّنَ الْعَنَاءِ حَتّٰى صَارُوْا لَا يَرْفَعُوْنَ رُؤُسَهُمْ اِلَى السَّعَادَةِ الْاُخْرَوِيَّةِ اَصْلًا وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ذٰالِكَ

(حجتہ اللہ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم ج 1 ص 106, 105)

”انہیں گدھے اور بیل بنا کر چھوڑتے تھے جنہیں آبپاشی کرنے، فصل کاٹنے اور گاہنے اور اپنی حاجتیں پوری کرنے میں استعمال کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ انہیں محنت مشقت سے ایک دم کی بھی فرصت نہ ملتی تھی کہ آخرت کی سعادت پر غور کرسکتے۔ رفتہ رفتہ ان میں ان امور پر غور کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی تھی“۔

دوسرا سبب: علمی اشتراک نہ ہونا

اس اجتماع میں علمی اشتراک نہ ہو۔ یعنی جس عقیدے یا صحیح علم کو ایمان بنایا گیا ہے اس کے متعلق اجتماع کے ہر ایک رکن کو کم سے کم ضروری معلومات پوری طرح سے حاصل نہ ہوں، بلکہ چوٹی کے چند لیڈر ہی تحریک کا علم رکھیں، اور وہی پالیسی بنائیں، اور عوام اس علم سے محروم ہوں، اور پارٹی کے چلانے میں ان کا کوئی ہاتھ نہ ہو، یہ برہمن ازم (Brahmanism) ہے۔ اس صورت میں دشمن کا پروپیگنڈہ سخت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

(1) وہ پہلے تو جاہل لوگوں کے دلوں میں ایمان کے متعلق وسوسہ پیدا کرتا ہے۔

(2) پھر وسوسہ بڑھتے بڑھتے شک میں بدل جاتا ہے۔
(3) اور پھر ہوتے ہوتے شک انکار کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔
(4) کبھی دشمن ڈھل مل یقین لوگوں کو اندرونی انتشار پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

لیکن اگر ہر شخص کو ضروری علم حاصل ہو تو کوئی بھی وسوسے میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور تحریک دشمن کے فکری حملے سے محفوظ رہتی ہے۔

غرض، مشکل حالات میں افراد کو ایمان پر قائم اور عمل پر آمادہ رکھنے کی عملی صورت اس کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ اجتماع میں افراد کی ضرورت کے مطابق مالی اشتراک ہو اور ضروری علم عام ہو، کوئی شخص نہ بھوکا ننگا رہے اور نہ جاہل اور بے خبر۔

مساوات

جب اجتماع میں بقدرِ ضرورت مالی اور عملی اشتراک پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں ہر فرد کی بدنی اور عقلی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، کمزوروں کی خبر گیری اور ظالموں کی سرکوبی کا نظام مضبوط ہوتا ہے، اس وقت اس اجتماع میں لیڈرشپ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو عوام کی خدمت کرنے میں سب سے آگے اور عدل و انصاف قائم رکھنے میں سب سے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں۔

تاریخ کی شہادت

اب تاریخ انسانی پر ایک نظر ڈالو! کیا اس کے اوراق اپنے اندر اس کی ایک مثال بھی رکھتے ہیں کہ کسی بلند نظریے پر پارٹی بن جانے کے باوجود اس کے افراد میں ایمان اور عمل صالح بھی موجود ہوں، وہ پارٹی استقامت کے ساتھ کام کرنے اور اندرونی مالی اور عملی اشتراک کے بغیر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی ہو؟

انقلابی جماعت کے تقاضے اور منافقین کے رویے

انقلابی جماعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصب العین یا مقصد جسے ایمان بنا لیا گیا ہے بالکل صاف' واضح اور معین ہونا چاہیے کیونکہ اسی صورت میں افراد پارٹی میں

شامل ہو کر متحدہ طور پر کام کر سکتے ہیں۔ اگر نصب العین معین نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے مطلب کے معنی لے گا۔ اور وہ نصب العین ہی جماعت (پارٹی) کے انتشار فکر کا باعث بن جائے گا۔ تاریخ اس امر کی بیسیوں مثالیں پیش کر سکتی ہے کہ نصب العین واضح نہ ہونے کے سبب سے پارٹی ہمیشہ اختلافات کی آماج گاہ بنی رہی، اور وہ اپنے نصب العین کو عمل میں نہ لا سکی۔ تاریخ اسلام میں اس کی مثال خوارج کی ہے جن میں نصب العین کی ترجمانی کے اختلافات پیدا ہوتے رہے اور یہ جماعت اپنی مستقل حکومت پیدا نہ کر سکی۔

کوئی نصب العین جتنا واضح اور معین ہوگا، اتنا ہی اس پر ایمان لانے والے اس کی خاطر جان دینے پر زیادہ آمادہ ہوسکیں گے، اور جتنا غیر معین اور مبہم ہوگا اتنا ہی فرار کی راہیں کھلیں گی، اور لوگوں کو جان و مال بچانے کا موقع ملے گا۔ ظاہر ہے کہ جس تحریک میں جان و مال بچانے کا موقع مل جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نصب العین تو معین ہے لیکن بعض وہ ارکان جو اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے، وہ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔ یہ لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ وہ مشکل ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ انقلاب کی مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) کا فرض ہوتا ہے کہ انقلابی پروگرام کی ترجمانی میں ایسے لوگوں کو داخل نہ کرے اور کوئی داخل ہو چکا ہو تو اسے جس طرح بھی ممکن ہو غیر مؤثر بنا دے۔

بعض اوقات کم علم یا جاہل ارکان بھی نصب العین کو مبہم بنانے میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا پورا پورا بندوبست ہونا چاہیے تاکہ یہ لوگ نصب العین کے متعلق صحیح علم حاصل کریں اور لاعلمی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے نہ پھریں۔

ان دونوں صورتوں میں یعنی منافقوں اور جاہلوں کی موجودگی میں ساری جماعت کی علمی قوتیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ان دونوں کا انسداد ضروری ہے۔"

=========

سورت کا خلاصہ

قرآنی انقلاب کے اصول

اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ گواہ ہے کہ انسان اجتماعی تحریک میں چار اصول اختیار کر کے ہی کامیاب ہوسکتا ہے:

1- کسی ایسے عقیدے یا علم کو جس سے سارے اجتماعِ انسانی کو فائدہ پہنچتا ہو، اپنا نظریہ جان کر کام کرنا۔

2- اس نظریے کے مطابق عملی زندگی بسر کرنا۔

3- اس نظریے پر ایک مضبوط جماعت پیدا کرنا۔

4- اس جماعت یا پارٹی کا انتشار پیدا کرنے والے بیرونی اور اندرونی حملوں سے محفوظ ہونا (جس کے دو ذریعے ہیں):

(الف) بقدرِ ضرورت مالی اشتراک کے ذریعے سے۔

(ب) علمی اشتراک کے ذریعے سے۔

ان میں سے پہلی دو باتوں کا تعلق اجتماع کے ہر ایک فرد کی ذات سے ہے۔ جب تک کسی فرد میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں یعنی وہ ایک مشترک نظریے کو قبول کر کے اسے ایمان نہ بنا لے، اپنی جان و مال اس پر قربان کرنے کے لیے وقف نہ کر دے، اور اپنی پوری زندگی اس نظریے کے مطابق بسر کرنے کا پختہ ارادہ نہ کر لے، اس وقت تک وہ پارٹی میں جگہ نہیں پاسکتا۔

باقی دو باتیں اجتماع کے متعلق ہیں۔ یعنی پارٹی میں اندرونی اشاعت ہو تا کہ ہر رکن اس نظریے کو، جسے سب نے ایمان بنا لیا ہے، اچھی طرح سمجھے اور اس پر قائم رہے۔ اور بیرونی پروپیگنڈا ہو' جس سے پارٹی کے ارکان میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔ نیز اس جماعت میں بقدرِ ضرورت مالی اور علمی اشتراک ہو، تا کہ تمام افراد

اطمینانِ قلب اور روشن دماغی کے ساتھ کام کرتے رہیں۔ اور ایک دوسرے کو مالی اورعلمی مدد دیتے رہیں۔ جس اجتماع میں یہ باتیں نہ ہوں وہ توڑ دینے کے لائق ہیں۔

قرآنی انقلاب کے چار قاعدے

یہ چھوٹی سی سورت قرآن حکیم کی انقلابیت کو پوری طرح سے واضح کرتی ہے۔ اس میں انقلاب کے وہ اصول بیان کئے گئے ہیں جن کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں نے عمل کر کے قرآن حکیم کی حکومت قائم کر دکھائی۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کی پیروی کرنے کا تمام انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ جیسے ریاضی کے چار ابتدائی قاعدے (یعنی جمع،تفریق، ضرب، تقسیم)۔ نہ ریاضی کے ان قاعدوں کے استعمال سے کسی غلط نتیجے کے نکلنے کی توقع ہوسکتی ہے، نہ انقلاب کے ان اصولوں کے استعمال سے کسی خلافِ توقع نتیجہ نکلنے کا اندیشہ۔ ایسے ہی ریاضی کے ہر ایک قاعدے کے استعمال سے جو نتیجے حاصل ہوتے ہیں، وہ اسی قاعدے کے استعمال سے حاصل کیے جاسکتے ہیں، کسی اور قاعدے کے استعمال سے نہیں۔ ایسے ہی انقلاب سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے، وہ کسی اور طریقے سے حاصل ہونا ناممکن ہے۔

انقلابی طریقہ کار کے تین حصے

حقیقت میں انقلاب ایک طریق کار (Methodology) ہے، جس کے تین حصے ہیں:

1- نصب العین (Ideal) 2- جماعت (Party) 3- لائحہ عمل (Programme)

اس لحاظ سے اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو:

(الف) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں نصب العین معین کرنے کی ضرورت اوراس کے مطابق عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(ب) وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ میں جماعت کی ضرورت جتائی گئی ہے اور اس کے پیدا کرنے کا طریق بتایا گیا ہے۔

(ج) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں انقلاب کے عملی پروگرام یا لائحہ عمل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

نوع انسانی کی ساری تاریخ گواہ ہے کہ ان چار قاعدوں کو (انقلابی طریقے کے مطابق) عمل میں لائے بغیر انسان کبھی حق کو قائم نہیں کرسکا۔ اور تاریخ کا یہ مسلسل عمل ظاہر کرتا ہے کہ ان چاروں اصولوں پر عمل کئے بغیر کوئی جماعت کبھی حق کو قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

تاریخ کی شہادت

تاریخ اسلام کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر سیدنا عثمان غنی ؓ کی شہادت یا زیادہ سے زیادہ سیدنا علی مرتضیٰ ؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک جو پچاس برس کا زمانہ ہے، وہ انقلاب کی یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہے۔ اس زمانے میں قرآنی نظام سیاست، معاشیات اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے طریقوں کو غالب کرنے کا نصب العین معین شکل میں ان کے سامنے تھا۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (9 : 100) مہاجرین اور انصار میں سے ابتدائی مسلمان، وہ مرکزی جماعت تھی جو حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کی رہنمائی کر رہی تھی۔ انہوں نے اپنی ضرورتوں کے مطابق فوجی لائحہ عمل مکمل کیا۔ پہلے عرب پر قبضہ کر کے قومی انقلاب قائم کیا، پھر ایران اور روم کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ مشرق اور مغرب کی طرف بڑھے، اور نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرہ 2:115) ''اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں''۔

عصر حاضر کا تقاضہ

آج بھی مسلم نوجوان انقلاب کے انہی اصولوں کو اختیار کر کے قومی اور بین الاقوامی کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے۔ ان اصولوں کو اختیار کئے بغیر وہ قرآن حکیم کو کبھی

بھی کامیابی کے ساتھ کامل طور پر قائم نہیں کرسکتا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ قرآنی اصول حیات کو قائم کئے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔

قرآن حکیم کا بین الاقوامی اور عالمگیر غلبہ ہی مطمح نظر ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پارٹی کے سامنے رکھا اور جس کی کامیابی کی خاطر انہوں نے جان توڑ کوشش کی۔ آج بھی ہمارے نوجوانوں کے سامنے یہی نظریہ، یہی نصب العین اوریہی مقصد حیات ہے۔ ان انقلابی اصولوں کے مطابق دین اسلام کے حوالے سے غلبۂ دین کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''دین اللہ کا غلبہ ادیان پر قائم کرنے کا عمل حضرت رسول اکرم ﷺ نے شروع فرمایا **فَقَهَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ الْاُمِّيِّيْنَ حَتّٰى دَانُوْا بِالْاِسْلَامِ** یعنی ''آنخضرت ﷺ نے عرب پر سیاسی غلبہ حاصل کیا یہاں تک کہ اہل عرب اس دین کے قانون کے مطیع ہوگئے۔''(1)

اس کے بعد بقول امام ولی اللہ دہلویؒ غلبہ اسلام کی دوسری منزل آنخضرت ﷺ کے ساتھیوں نے طے کی۔ اور اسلام کو ایرانی اور رومی سلطنتوں پر سیاسی غلبہ دیا۔ اب مسلمان نوجوان کا فرض ہے کہ وہ بھی پہلے اپنے وطن عزیز میں قرآن کا غلبہ قائم کریں۔ اور اس کے بعد اسے دنیا بھر کی سب سے بڑی سیاسی و معاشی طاقت بنائیں تاکہ وہ انسانی قدریں دنیا میں قائم ہوسکیں جو وہ غالب کرنا چاہتا ہے۔ **واللّٰہ المستعان۔**



(1) ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ص 165، ج اول مقصد اول

قرآنی فکرِ انقلاب

سورت الاخلاص، سورت الفلق اور سورت الناس
کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مبنی بر افکارِ عالیہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

فلسفہ ولی اللہی کی روشنی میں انقلابی تفسیر

اس میں امام الائمہ حجۃ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی روشنی میں دکھایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کے انقلاب کی بنیاد توحید کے فکرِ عظیم پر ہے، جو کائنات اور نوع انسان میں کامل طور پر ظاہر و باہر ہے۔

فلسفہ ولی اللہی کیا ہے؟ (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اسلام بین الاقوامی انقلاب کی عالمگیر تحریک ہے جس کے امام حضرت محمد رسول ﷺ ہیں۔ اس نقلاب کی بنیاد قرآن حکیم پر ہے۔ آپؐ اور آپؐ کے قریبی صحابہ (ساتھیوں) کی کوششوں سے جو جماعت پیدا ہوئی وہ پہلے عرب پر غالب آئی۔ پھر وہ ایک محدود علاقے میں مرکز اقوام بنی۔ یہ اس کی زندگی کے ابتدائی پچاس سال کی روداد ہے جن میں وہ نہایت اعلیٰ اصول قائم رکھ سکی۔ اس دور کی تاریخ اور فلسفۂ اسلام کے نام پر انقلاب لانے والوں کے لیے رہتی دنیا تک نمونہ ہے۔ اس دور کی تاریخ امام ولی اللہ دہلویؒ سے بہتر کسی نے نہیں لکھی، اور نہ ان کے سوا کسی اور نے اس دور کا فلسفہ معین کیا ہے۔

عہد حاضر میں یورپ اور اس سے اثر لینے والی دنیا کو علمی رنگ میں سوچنے اور سمجھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ اب علمی اور شعوری رنگ میں اسلام کی حقیقت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کے سوا اور کسی طریق سے نہیں سمجھائی جا سکتی۔ اور نہ یورپ کی مرکزیت کو اس کے سوا کسی اور طریقے سے توڑا جا سکتا ہے اور یورپ کی مرکزیت توڑے بغیر قرآن اور اسلام کو قائم کرنا ناممکن ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے 'مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ' (اللہ کے رسول محمد اور ان کے ساتھیوں) کے کام کے نمونے پر برّعظیم پاک و ہند میں اسلام کو جمہوری رنگ میں غالب کرنے کا ایک جامع سائنٹیفک سیاسی معاشی اور اخلاقی انقلاب کا عملی پروگرام کارل مارکس سے سو (100) سال پہلے بنایا۔ اس کا محور دہلی تھی۔ پاکستان حقیقت میں اسی انقلاب کی جزوی تصویر ہے جسے مکمل کرنا ہر پاکستانی نوجوان کا فرض ہے۔ (تحریر از مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ)

(اس تفسیر کے طبع اول کا سب ٹائٹل)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

دیباچہ

قرآن حکیم کی دعوت عالم گیر انقلاب (Wolrd Revolution) کی دعوت ہے جس کا تعلق ساری نوعِ انسانی کے ساتھ ہے۔ اس انقلاب کا عنوان اعلیٰ ''توحید الٰہی'' ہے۔ اور یہ:

☆ ایک خالق
☆ ایک نظامِ اقدار، اور
☆ ایک سیاسی و اقتصادی نظام

کی طرف بلاتا ہے۔

اس انقلابی تحریک کا آغاز مکہ مکرمہ میں ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوا، جہاں اس کا سوشل نظام (خلافت باطنہ) قائم ہوا۔ مدینہ منورہ میں اس نے اپنی ابتدائی منزل (عربی قومی انقلاب کی منزل) پوری کی۔ پھر یہ انقلاب بین الاقوامی منزل میں داخل ہوا۔

اس عالم گیر انقلاب کا پہلا دور سترہویں صدی عیسوی تک رہا۔ پھر اس کی لہریں مدہم پڑ گئیں اور دنیا ایک ارتجاعِ عظیم (Reactions) میں مبتلا ہوگئی۔ پہلے دور کے ابتدائی پچاس برس انقلاب کے نمونے کا دور ہے۔ اس کے بعد کے سارے زمانے میں اس انقلاب کی پشت پناہی قومی شاہی نظامات کرتے رہے۔ اس دور میں جو چھوٹے چھوٹے ارتجاعات (Reactions) آتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک کے بعد دوسرے یا تیسرے درجے کا انقلاب بھی آتا رہا، اسلام کا بنیادی اصول یعنی توحید الٰہی

قائم رہا، لیکن اٹھارہویں صدی سے دنیا ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ اب بادشاہت دنیا سے اٹھنے لگی اور انسانی معاشرے میں جمہوری اور عوامی دور شروع ہوگیا۔

اس مختصر سے کتابچے میں جو قرآن حکیم کی آخری تین سورتوں اخلاص اور معوذ تین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کی تفسیر پر مشتمل ہے، ہم اس عالمگیر انقلاب کے بنیادی فکر یعنی توحید اور اس کے معنویات (Implications) پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ انقلابی تحریک کے اس دور میں اس فکر کو قرنِ اوّل کی روشنی میں ازسرنو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ نئے دور کے انقلابی اپنے عمل کو اس دور کے فکر پر ڈھال کر آگے بڑھیں۔

یہ اوراق مولانا عبیداللہ سندھی (نوراللہ مرقدہ) (1872-1944ء) کے افکار سے ماخوذ ہیں اور انہی کے مطالعے اور تجرباتِ زندگی کا نتیجہ ہیں۔

مولانا سندھی کا نیاز مند

بشیر احمد بی۔ اے

جنرل منیجر ادارۂ حکمت اسلامیہ

223 N، سمن آباد، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

تمہید سورت الاخلاص

کسی معاشرے کی اجتماعی زندگی تین ستونوں پر قائم ہوتی ہے:

(1) سیاسیات

(2) اقتصادیات اور

(3) فلسفہ

اگر کسی معاشرے کو ایک "شخص" (Person) مان لیا جائے تو سیاست اس کے اجزاء کو آپس میں مربوط کر کے اس کے ڈھانچے کو قائم رکھتی ہے۔ اقتصادیات اسے نشوونما بہم پہنچاتی ہے اور فلسفہ اس کی معنوی زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔

اگر کوئی مخالف طاقت اس معاشرے پر حملہ کر کے اس کی سیاسی طاقت چھین لے لیکن اس کا اقتصادی ڈھانچہ (Economic Structure) اور اس کا نظام فکر (Ideology) محفوظ رہیں تو وہ اپنی سیاسی شکست کا مداوا کر کے اپنی ہستی ازسرِ نو قائم کرسکتا ہے۔ تاریخ اس کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے۔[1]

لیکن اگر اس معاشرے کی فوجی اور سیاسی شکست کے بعد اس میں اقتصادی بدحالی بھی پیدا کر دی جائے لیکن اس کا فکری نظام قائم رہے تو بھی وہ پہلے سے زیادہ محنت کر کے اپنی اقتصادی حالت کی اصلاح اور اپنی سیاسی کمزوری کا مداوا کرسکتا ہے۔[2] لیکن اگر سیاسی طاقت اور اقتصادی نظام کے ساتھ ہی اس معاشرے کا فکری نظام بھی

---

[1] افغانستان کی جنگیں اس کی اچھی مثالیں ہیں۔ انگریزوں نے اسے تین مرتبہ (1919, 1879-1852) میں سیاسی اور فوجی شکست دی۔ لیکن اس کی اقتصادی اور فکری طاقت محفوظ رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانوں نے اپنے آپ کو پھر مضبوط کرلیا۔ (مرتب)

[2] ہمارے زمانے میں "اسرائیل" شاید اس کی موزوں مثال ہو۔ یہودیوں نے شکست پر شکست کھائی ملک ملک مارے مارے پھرے لیکن آخر کار تجارت اور صنعت وحرفت کے ذریعے سے اپنی اقتصادی حالت بحال کر کے ایک چھوٹے سے ملک میں اپنا ایک سیاسی مرکز قائم کر ہی لیا۔ (مرتب)

ٹوٹ جائے تو پھر اس کے معاشرے کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔1

بَرِّعظیم پاکستان و ہند میں خود ہماری تاریخ اس تاریخی عمل کی ایک مثال ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں بَرِّعظیم ہند پر ہمارا قبضہ تھا۔ اس زمانے میں یورپی قومیں اس بَرِّعظیم کی طرف بڑھیں، انہوں نے یہاں کی حکمران طاقت کو شکست دینے کے لیے پہلے یہاں سیاسی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر فکری حملہ کیا۔

سیاسی میدان میں فرانس اور برطانیہ کی آویزش دکن میں شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ انگریزوں نے فرانسیسیوں کو نکال باہر کیا۔ 1858ء تک سارے ملک پر خود قابض ہوگئے اور مغل حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ہماری سیاسی اور فوجی شکست تھی۔

اقتصادی میدان میں یورپی قوموں، خصوصاً انگریزوں نے ہماری صنعت و حرفت اور تجارت کو برباد کر دیا۔ ہمارے ملک کی پیداوار کوڑیوں کے مول خرید کر لے گئے اور اپنی مصنوعات سونے کے بھاؤ ہمارے ملک میں ٹھونس دیں۔ رفتہ رفتہ اس بَرِّعظیم کی ساری آبادی کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر دیا۔ یہ ہماری اقتصادی شکست تھی۔

اس پر اکتفا نہ کر کے انگریزوں نے ہم پر فکری حملہ بھی کیا۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے مذہبی افکار میں جو ہماری زندگی کی بنیاد تھے، وسوسے پیدا کرنے شروع کئے۔ یہ ان کا منفی فکری حملہ تھا۔ اس کے ذریعہ سے انہوں نے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی مذہبی حقائق کے خلاف شکوک پیدا کر کے ان کے یقین کی جڑیں ہلا دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے افکار ایسے انداز میں پیش کئے کہ ہمارے نوجوان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ یورپی مادہ پرستانہ سائنس اور فلسفے نے ہمارے نوجوانوں کے افکار میں مزید تزلزل پیدا کر دیا۔ یہ یورپ والوں کا مثبت فکری حملہ تھا۔

اس دوگانہ حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا نوجوان طبقہ مغربی افکار سے مرعوب ہوگیا۔ یہاں تک کہ وہ یورپی طرز پر سوچنے لگا اور اپنی شخصیّت کھو بیٹھا۔ لیکن ہم میں سے ایک

1 اسلام جن ملکوں میں اپنی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں داخل ہوا، ان ملکوں مثلاً ایران، افغانستان، ترکستان، مصر، شام وغیرہ میں اصل مذہب کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہا۔ اب ان ملکوں کی سیاسی اور اقتصادی طاقت اسلام ہی کی خدمت میں استعمال ہو رہی ہے۔ (مرتب)

اہم اقلیّت نے اس فکری حملے کو برداشت کر لیا۔ وہ اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ گئے اور اس نے رفتہ رفتہ محنت کر کے 1947ء میں انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔[1]

یہ ہماری سیاسی فتح ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ہم تاریخ کے عمل کو اُلٹ دیں اور فکری نظام پر قائم کی ہوئی مملکت پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط کریں۔ پھر اسے بین الاقوامی میدان میں غالب کریں۔ اس وقت ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے اسلام (مکمل طور پر) قائم کر لیا۔

اصل میں کسی قوم کا نظامِ فکر اس کے فلسفہ حیات (Philosohy of Life) پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ اس کے افکار میں سے تعارض (Conflict) دور کر کے وحدتِ فکری پیدا کر دیتا ہے جس سے معاشرے میں وحدتِ عمل ظاہر ہوتی ہے۔ یہ فکر و عمل کی وحدت ہی اس معاشرے کی نشو و نما اور قوت کا موجب بنتی ہے۔ اس کے برخلاف جس معاشرے میں وحدتِ فکری نہ ہو اس میں انتشارِ عمل پیدا ہو جاتا ہے اور اندرونی اختلافات اس کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔

قرآن کا مرکزی فکر

قرآنی نظامِ فکر (Ideology) میں توحیدِ الٰہی مرکزی نقطہ ہے جس کا خلاصہ سورۂ اخلاص میں دیا گیا ہے۔ یہ مرکزی فکر کسی خاص محدود معاشرے کی تنظیم کے لیے نہیں

---

[1] یہ اقلیت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر کام کرنے والوں کی ہے اس جماعت کے کارکنوں نے پہلے 1826ء میں پشاور کو مرکز بنا کر کام کرنا شروع کیا اور کوشش کی کہ سکھوں سے پنجاب چھین کر دہلی پر قبضہ کریں۔ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر جمہوریت قائم کریں۔ لیکن یہ جماعت 1831ء میں بالاکوٹ کے حادثے میں شکست کھا گئی۔ اس کے بعد اس کے کارکنوں نے انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لیے 1915ء میں افغانستان اور ٹرکی کے فوجی اتحاد کی کوشش کی۔ لیکن ان کا یہ پروگرام بھی پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا البتہ وہ انگریزوں کو جزوی شکست دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد اس پارٹی کے ایک نامور انقلابی کارکن مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1872-1944ء) نے 1926ء میں استنبول (ٹرکی) سے آزادئ ہند کا پروگرام شائع کیا۔ جسے یورپ میں خوب اشاعت دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کی آزاد ریاست قائم کرنے کا تخیل مسلمانوں میں پیدا ہو گیا اور 1947ء میں پاکستان کی ریاست وجود میں آ گئی۔ (مرتب)

بلکہ ساری نوع انسانی کی تنظیم کے لیے ہے۔ یہ ایک اور مقام ''آیت الکرسی'' میں بھی دیا گیا ہے لیکن وہاں کا طرز بیان اونچے درجے کے سوچنے والے طبقے کے لیے ہے۔ ''سورۂ اخلاص'' میں اسی فکر کو اوسط درجے کے انسانی ذہنوں کی رعایت رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت بے نظیر ہے۔

اعلان بیزاری

قرآنی انقلاب کی ابتدائی منزل کی تاریخ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں اس انقلاب کا ظہور ہوا۔ مخالف لوگوں کا فکر شرک پر مبنی تھا۔ قرآن نے پہلے تو اپنی جماعت کی جداگانہ مستقل حیثیت مخالفین سے منوائی اور اعلان کیا:

''اے لوگو! جو میرے نظام فکر کا انکار کرتے ہو میں (کسی) اس چیز کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس (ذات واحد) کی عبادت کرتے ہو جس کا میں پرستار ہوں۔ (ایسے ہی) نہ میں (کبھی) ان کی پوجا کروں گا جن کی تم کرتے ہو اور نہ تم اس ذات کی عبادت کرو گے جس کی میں کر رہا ہوں۔ (اس لیے) تمہارا مسلک حیات الگ ہے اور میرا مسلک حیات الگ ہے۔'' (سورۂ کافرون نمبر 109)

جنگ

اس اعلان مبارزت کے بعد جنگ چھڑ جانی ناگزیر تھی۔ چنانچہ اس کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ کے بین الاقوامی پُرامن (Open City) کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا۔ اس میں بہت سے سیاسی اور نفسیاتی فائدے پوشیدہ تھے۔ اس کے بعد ''جنگِ بدر'' (2ھ) سے جو سلسلہ شروع ہوا وہ آخر فتح مکہ (8ھ) پر ختم ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

(الف) مخالفین کی سیاسی شکست

سب سے پہلے مخالفین کی سیاسی شکست کا اعلان ہے، چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے:
''جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی تو تُو نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے''۔ (سورۃ النصر 110) یہ مخالفین انقلاب کی فوجی اور سیاسی

شکست تھی۔

(ب) مخالفین کی اقتصادی شکست

اس کے بعد مخالفین کو اقتصادی (Econimic) اور معاشرتی (Social) شکست کا سامنا کرنا پڑا۔قرآن حکیم فرماتا ہے :

''ابو لہب کے (جو اسلام کی مخالف پارٹی کا گویا مہاجن (Leader) تھا دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ اس کا مال اور اس کی کمائی کسی کام نہ آئی''۔ (سورۂ لہب نمبر 111)

(ج) مخالفین کی فکری شکست

(1) سورۂ اخلاص 112:

قرنی انقلاب کے مخالفین کی سیاسی اور اقتصادی شکست کے نتائج کی تکمیل کے لیے قرآن حکیم نے اپنے نظریہ توحید کا اس زور سے پروپیگنڈہ کیا کہ عرب کی مشرکانہ ذہنیت بالکل برباد ہوگئی اور قرآنی ذہنیت ان پر غالب آئی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کا مشرکانہ ذہنیت کی طرف لوٹنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ دِيْنِكُمْ (المائدہ315) یعنی اب تمہارے نظام حیات کے منکر (کافر) اس بارے میں قطعاً مایوس ہو چکے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر لیں گے۔

خالق کے متعلق فکر کو اس طرح صاف کرنے کے لیے کہ شرک کی گنجائش مطلق باقی نہ رہے قرآن حکیم کی یہ سورت اخلاص نہایت جامع ہے۔

(2) سورۂ فلق (113):

سورۂ اخلاص میں جس توحید باری کا ذکر کیا گیا ہے اس کا پھیلاؤ تمام کائنات میں دیکھنا ضروری ہے۔ اگر ایک عقل مند انسان ساری کائنات کو اپنے نظریہ توحید پر منطبق کر لے تو وہ توحید میں پختہ ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ تصورِ کائنات (Weltons Chawng)

جو معاشرے کی تنظیم کے لیے ضروری ہے اگر وہ توحید کو کائنات کے ساتھ جمع نہ کر سکے یعنی وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ساری کائنات کے وجود کا ایک ایک ذرہ کس طرح ایک وجود اقصیٰ (Ultimate Being) سے آیا ہے اور ساری کائنات میں ایک ہی ذہن عالی (The Great Mind) کی تدبیر کس طرح کام کر رہی ہے تو اس کی توحید آج ہے تو کل نہیں ہوگی۔

(3) سورۂ الناس (114):

کائنات میں بے شمار اشیاء موجود ہیں۔ بعض اپنی چھوٹائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سالمہ (Atom) اور منفی برقیہ (Electron)۔ بعض اپنی بڑائی میں حیرت انگیز ہیں جیسے سحابے (Nebulae) اور کہکشائیں (Galaxies)۔ خود کائنات اپنی وسعت اور تنظیم و ترتیب کے اعتبار سے نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس سے بھی اوپر انسان کا ذہن (Mind) ہے جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ حیرت ناک چیز ہے۔ وہ اس کائنات کا تصور کرتا ہے اور اس کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنی اَنا (Ego) کو اپنی نوع میں منحصر سمجھتا ہے۔ اس لیے اگر اس کی نوع میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثر ونفوذ پوری طرح سے سمجھ میں آجائے تو یہ عقیدہ مکمل طور پر پختہ ہو جاتا ہے۔

ان سورتوں میں توحید کے نظریے کی تکمیل کی گئی ہے، اس لحاظ سے یہ سورتیں سورۂ اخلاص کا تتمہ ہیں۔

وہ فلسفہ توحید جس نے انقلاب کے ذریعہ سے شرک کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں، ان تین سورتوں میں مکمل ہوگیا۔ اب یہ تعلیم ہے اور رسول اکرم ﷺ اور آپ ؑ کے ساتھیوں کا عملی نمونہ۔ جب تک نوع انسانی کرۂ زمین پر قائم ہے اس تعلیم سے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے قریبی ساتھیوں کا نمونہ سامنے رکھ کر پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

=========

سورۃ الاخلاص (112)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾
لَمْ يَلِدْ ۙ٥ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ ع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ ترجمہ: ’’تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہی ہے‘‘

ثَنوِیَّتْ کا ردّ:

دنیا میں دو قسم کی جماعتیں پائی جاتی ہے:

(1) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند ہیں اور

(2) وہ جماعتیں جو کسی دین کی پابند نہیں ہیں۔

جب کوئی قوم اپنے بلند ترین انسانی نصب العین (دین) سے گر جاتی ہے تو اس میں شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ غیر مذہبی جماعتوں میں شرک عموماً ثنویت (Dualism) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کوئی فلسفی جماعت یہ سمجھ نہیں سکتی کہ خیر اور شر ایک ہی مرکز سے نکل سکتے ہیں۔ وہ ان کے لیے جدا جدا مرکز مان لیتی ہے۔ جیسے زرتشت کی جماعت نے، جو شروع شروع میں مذہبی جماعت تھی، جب فلسفیانہ مسلک اختیار کر لیا تو اس نے خیر کا ایک مرکز مانا اور اسے اَہورمُزد یا یزدان کہا اور شر کا دوسرا مرکز قرار دیا اسے اہرمن کہا۔ یہ اہلِ فلسفہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ خیر اور شر ایک مرکز سے کس طرح صادر ہو سکتے ہیں؟

حالانکہ وہ اس مسئلے پر کائنات گیر ذہن سے غور کرتے تو وہ تصور کر سکتے تھے کہ کائنات کی ہر ایک چیز اپنی جگہ مفید ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ایک نوع کے لیے مفید ہے اور دوسری کے لیے غیر مفید یا مضر۔ کون نہیں جانتا کہ:

(One Man's Meat is Another's Poison)

اس لیے کسی شے کو شر مطلق (Absolute Evil) کی ذیل میں لانا غلط ہے۔ اس طرح ہر ایک شے کا وجود ایک مرکز سے ماننا حکمت عالیہ کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کا ایک وجود ہے جو کائنات کے وجود کے ایک ایک ذرّے کا مصدر و منبع ہے۔ ایسے ہی کائنات میں جو

تدبیر جاری ہے اس کے پس منظر (Background) میں بھی اس ذات واحد ہی کا ذہن عظیم کارفرما ہے۔

شفاعت کے غلط پہلو کا رَدّ

آیت نمبر 2 : اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ ترجمہ: ''اللہ بے نیاز ہے''

مذہبی جماعتیں مرکزی طاقت تو ایک ہی تسلیم کرتی ہیں، لیکن جب وہ شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو بعض ذیلی طاقتیں ایسی بھی مان لیتی ہیں جنہیں مرکزی طاقت چھوڑ نہیں سکتی۔ ان ذیلی طاقتوں کے تقاضوں کو ماننا مرکز کے لیے ضروری سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک انسان پیدا کیا اسے اپنے قرب کا درجہ عطا فرمایا۔ اب وہ شفاعت کرے تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کرسکتا)۔ اس آیت میں اسی قسم کے مشرکانہ فکر کا رد کیا گیا ہے۔[1] اور بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے کوئی انسان کتنا ہی معزّز کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق کام کرنے پر مامور ہے۔ اس میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بات بالجبر منوا لے۔

اِبنّیت کا رَدُ :

آیت نمبر 3 : لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ ترجمہ: ''نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا''

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کام کر رہی ہیں۔ اس کی تجلیات یوں تو ہر ایک انسان کے قلب پر پڑتی ہیں، لیکن جس انسان کے قلب پر ان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علوم حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح تحصیل علوم کا ایک مکمل نظام موجود ہے۔ ایسے خاص افراد کو انبیاء کہتے ہیں۔ گری ہوئی مذہبی جماعتیں اس نظام کو نہیں سمجھتیں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو خدا کا ''بیٹا'' کہنے لگ جاتی ہیں۔[2] حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو ہی نہیں سکتا اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہوسکتا ہے۔

---

[1] انبیاء کرام خصوصاً حضرت نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا مسئلہ اس سے الگ چیز ہے اس کے متعلق قرآن حکیم میں جگہ جگہ تصریح کر دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن (اجازت) سے ہوگی۔ (مرتب)

[2] قرآن حکیم میں آیا ہے وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ (التوبہ 30:9) یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ (مرتب)

بت پرستی کا رد

آیت نمبر 4: وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ترجمہ: ''اور نہ اس کے برابر کوئی ہے''

ثَنُوِیت کا ایک درجہ تو وہ تھا جس میں خیر وشر کے الگ الگ مرکز مان لیے گئے تھے۔ اس کا ردّ پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ کوئی کمزور طاقت ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے برابر ہوگئی ہے۔ قدیم یونانیوں کا یہ عقیدہ تھا۔ اور ہندوؤں میں بھی اکثر اسی قسم کی افکار پائے جاتے ہیں۔جس کی وجہ سے ان میں بت پرستی یا دیوتا پرستی رائج ہوگئی۔ اس آیت میں ان کا ردّ کیا گیا ہے۔

غرض اس مختصر سورت میں :

(1) ثَنُوِیت

(2) شفاعت مطلقہ

(3) **اِبُنیّت**، اور

(4) بُت پرستی یا دیوتا پرستی

کا پورا پورا رد کردیا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ وہی وجود کا مصدر مطلق ہے۔ اور اس کی تجلیات کائنات میں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک امر پر قرآن حکیم کی سورتوں میں مفصل بحثیں آ چکی ہیں۔ سورۂ اخلاص گویا ان تمام بحثوں کا خلاصہ (Epitome) ہے۔

جن اہل مکہ کا اس سورۃ پر ایمان بن گیا وہ اور کچھ سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ قرآن حکیم کے دیئے ہوئے توحید کے سبق کو تو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ اب ان میں کسی قسم کی بھی مشرکانہ ذہنیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور اس مشرکانہ ذہنیت کی خاطر جو اقتصادی طاقت پیدا ہوتی، وہ عود نہیں کرسکتی۔ اور یہ اقتصادی طاقت جس سیاسی طاقت کی بحالی کی کوشش کرتی، وہ کبھی وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس طرح سے قرآنی ذہنیت عرب میں مستحکم طور پر قائم ہوگئی۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الفلق

تمہید سورت

توحید کا پھیلاؤ کائنات میں

توحید ایک نظریے کے طور پر بیان کر دیئے جانے کے بعد ضروری ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ اصولِ توحید ساری کائنات میں کس طرح کارفرما ہے۔ چنانچہ سورۂ فلق میں یہی چیز دکھائی گئی ہے۔

سورت کی تمثیلی شرح

حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسمؒ نے اس سورت کے مضامین کو تمثیل کے ذریعے سے واضح کیا ہے۔

(1) باغبان ایک پودا لگاتا ہے اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں پودے کی طبعی دشمن ہیں، ان سے پودے کو بچانے کا سامان کرے مثلاً بعض چوپائے سبزی کھاتے ہیں، یہ ان کی طبعی غذا ہے۔ ان کی جو طبیعت ہے اس میں پودے کی موت پوشیدہ ہے۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو اس قسم کی چیزوں کے شر سے بچانے کے لیے اس کے گرد باڑ لگا دے۔

(2) پودے کے بڑھنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے۔ باغبان وہ بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اگر وہ غذا بہم نہ پہنچائے تو پودا اسی طرح فنا ہو جائے گا جس طرح جانوروں سے

نہ بچائے جانے کی صورت میں فنا ہو جاتا۔

(3) بیرونی آفتیں مثلاً برف، شدید گرمی، بجلی وغیرہ بھی پودے کو ہلاک کرسکتی ہیں۔ باغبان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پودے کو ان بیرونی آفتوں سے بھی بچائے۔ اگر وہ پودے کو ان آفتوں سے نہیں بچائے گا تو وہ جس طرح چارپائے کے حملے سے یا غذا کے بہم نہ پہنچنے سے ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اس آفت کا شکار ہو کر بھی ہلاک ہوسکتا ہے۔

(4) ایک شخص کو پودے سے تو کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن اس کے مالک سے عداوت رکھتا ہے۔ وہ اس عناد کی وجہ سے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ اگر پودے کو اس کی چیرہ دستی سے نہ بچایا جائے تو بھی پودا اسی طرح سے فنا ہو جائے گا، جس طرح پہلی تین حالتوں میں فنا ہو جاتا۔

یہ پودے کی زندگی کی طبعی منزلیں ہیں۔

انسان کو ایک پودا مان لیا جائے تو اسے بھی ان چاروں قسم کی آفتوں سے بچانے کی ضرورت ہوگی۔ انہیں ذہن میں رکھ کر خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی بدنی قوتوں کو جس قدر نقصان پہنچ سکتے ہیں اُن سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر کر دیا جائے۔

دفع مضرت کی ضرورت

انسان کا جو تعلق کائنات سے ہے اس کے دو رُخ مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

(1) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے۔

(2) انسان کو اس عالم کی چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے۔

جب ایک عقل مند انسان ان دونوں پہلوؤں پر غور کرنے بیٹھے گا تو وہ سمجھ لے گا کہ انسان کو کائنات سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس سے بچاؤ کی تدبیر پہلے سے ہونی چاہیے۔ دفع مضرت کے سلسلے میں کائنات کے ساتھ انسان کے جو تعلقات ہیں وہ

منضبط کر لیے جائیں۔ اور ان میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو کارفرما مان لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کا جس قدر تعلق کائنات کے ساتھ ہے، اس کے ہر ایک حصے میں خدائے وحدہ لاشریک کی تاثیر کام کر رہی ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہی انسان کو ہر ایک قسم کے شر سے بچا سکتا ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر ایک عقل مند انسان سوچتا ہے تو یہ اثر خود بخود اس کے ذہن میں آجاتا ہے کہ کائنات سے جو منفعت انسان کو پہنچ سکتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے۔

سورۂ فلق کا موضوع

اس طرح کائنات کے تمام اجسام میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر و تدبیر کا ایک نمونہ ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ اور انسان اپنے بدن کی سلامتی کو دیکھ کر کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی سورۂ فلق کا موضوع ہے۔

اب ہم اس مثال کے مطابق اس سورت پر غور کرتے ہیں۔

==========

سورة الفلق (113)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾

وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾

وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٪﴿۵﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''کہہ دے کہ میں چیر کر پیدا کرنے والے رب کی پناہ میں آتا ہوں''

عملِ انفلاق اور اس کی ہمہ گیری

تمام مادی اشیاء کی تخلیق میں عملِ انفلاق (Fission) کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ عمل ساری کائنات میں جاری ہے۔ خود کائنات کے متعلق حکماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی ایک بہت بڑے انفلاق (Big Bang/Explosion) سے شروع کی۔ اس کے نتیجے کے طور پر سحابیے (Nebulae) وجود میں آئے۔ اور پھر ان کے انفلاقات سے تمام ستارے (سورج) پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہمارے سورج کے ایک ساتھی کے انفلاق سے سیارے بنے جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے۔ اس کے بعد زمین کے کسی انفلاق سے ہمارا چاند وجود میں آیا۔

اسی طرح سے اعضاء والے جانداروں (Organisms) میں خلیات (Cells) کے پھٹنے (Fission) سے مرکب ابدان پیدا ہوتے ہیں۔ تمام حیوانات میں خلیات کے پھٹنے سے ہی نشوونما کا عمل ہوتا ہے۔ اور دانے اور گٹھلی کے پھٹنے سے ہی پودے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کو فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی (دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا) بتایا گیا ہے۔

عملِ انفلاق کے عالمگیر نظام کے خالق کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر تدبیر اور کائنات گیر قدرت کا اس سے بہتر تصور نہیں دیا جاسکتا جیسا اس آیت میں دیا گیا ہے۔ پھر یہ عملِ انفلاق محض تخریبی نہیں ہے بلکہ تعمیری بھی ہے اور نظامِ ربوبیت کا مددگار

ہے۔ اس حیثیت سے بھی نظام انفلاق کی عظمت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہر قسم کے شر سے پناہ کا مرکز بن سکتا ہے۔

(1) پہلا شر

آیت نمبر 2: مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''ہر ایک چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔''

جس چیز کی مخلوقیت میں انسان کے لیے شر ہے (جیسے سانپ بچھو وغیرہ)، اس کے شر سے بچنے کے لیے رَبُّ الۡفَلَقۡ کی پناہ میں آتا ہوں۔

یہ پودے کی زندگی کی وہی منزل ہے جب اسے ان چیزوں سے خطرہ لاحق ہوتا ہے جن کی طبیعت میں پودے کے لیے شر ہے۔

(2) دوسرا شر

آیت نمبر 3: وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے''

جب چاند غروب ہو جاتا ہے اور رات تاریک ہو جاتی ہے، اس کی روشنی سے پودے کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانیت کو ''غذا'' پہنچانے والی جتنی چیزیں ہیں مثلاً صحیح علم، علم کے مطابق عمل کا صحیح نمونہ، ان کے فقدان سے جو نقصان انسان کو پہنچ سکتا ہے وہ ہماری اس مثال کے کلیے میں آ جاتا ہے۔

ہمیں تمام ایسی چیزوں اور سامانوں کے نہ ملنے سے جن سے ہماری انفرادی، اجتماعی اور نوعی پرورش ہوتی ہے، جو اور جس قدر نقصان پہنچ سکتا ہے، اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

(3) تیسرا شر

آیت نمبر 4: وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے''۔

نفث: پھونک مارنا: نفاثات پھونکیں مارنے والیاں۔ یہ مؤنث کا صیغہ ہے، یہ جماعت

کے لیے بھی آتا ہے۔ اکثر مفسرین اتنی ہی بات کہہ کر خاموش ہوگئے کہ عورتیں جو پھونکیں مار کر جادو کرتی ہیں۔ یہ اس عمل کی ایک مثال ہے اس کی دوسری مثال جماعتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

عُقَدُ : عقدة : (بہ معنی گرہ) کی جمع۔ اگر **نفاثات** سے مراد عورتیں لی جائیں تو **عقد** سے مراد ''دھاگے میں لگائی جانے والی گرہیں'' ہوسکتی ہیں۔ اگر اس سے مراد جماعتیں لی جائیں تو **عقد** سے مراد ''پختہ خیالات'' ہوں گے جنہیں انسان گرہ باندھتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ یا ایمان ہوتا ہے جو اس کے وجود کے ساتھ اس طرح سے پیوست ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ تمام انسانی ترقی اسی نکتے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایمانی قوت جتنی مضبوط ہوگی، اتنا ہی انسان کی ہمت اور ارادہ مضبوط ہوگا۔ اور وہ اتنا ہی مضبوط اور دیرپا کام کرسکے گا۔

پراپیگنڈہ کرنے والی ایک جماعت پراپیگنڈہ کرتی ہے۔ وہ ایک فکر (اور سوچ) لوگوں کے کانوں میں پھونکتی اور ان کے دلوں میں ڈالتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کا اپنا عقیدہ رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح مخالف پراپیگنڈہ کرنے والی جماعتیں اپنے پراپیگنڈہ کے زور سے انسان کے زندگی بخش پروگراموں کو نکما ثابت کرکے ایک انسانی معاشرے کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔

آج کل پراپیگنڈے کی طاقت توپ و تفنگ کی طاقت سے زیادہ مؤثر مانی گئی ہے۔ ایام جنگ میں 9/10 طاقت پراپیگنڈہ (Cold War) یا اعصابی جنگ (War of Nerves) کی تسلیم کی گئی ہے، اور 1/10 آلات کے ذریعے جنگ (Hot War) کی، جس میں معمولی بندوق سے لے کر انتہائی مہلک آلات تک سب داخل ہیں۔

انسانی معاشرے کی فکری زندگی کے لیے پراپیگنڈے کا وہی اثر ہے جو پودے کے لیے برف وغیرہ کا۔

(4) چوتھا شر

آیت نمبر 5: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾

ترجمہ: ''اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے''۔

ایک شخص کو ایک نعمت دی گئی ہے۔ اس کا حاسد یہ نہیں چاہتا کہ اس شخص کے پاس وہ نعمت رہے، لیکن مجھے اس سے بڑھیا مل جائے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے وہ نعمت اس سے اعلیٰ تر نعمت ملے یا نہ ملے، لیکن اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔

چیزوں کی تقسیم حکمت الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی حکمت جسے جو دینا مناسب خیال کرتی ہے، عطاء فرما دیتی ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص سے دشمنی کرتا ہے جسے کوئی نعمت دی گئی ہے، وہ اصل میں نعمت تقسیم کرنے والے پروردگار ''**اَلْمُعْطی**'' سے دشمنی کرتا ہے۔ محسود کے ساتھ اس کی براہ راست کوئی عداوت نہیں ہوتی۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے باغ کے مالک سے دشمنی کرنے والا اپنی دشمنی پودے پر نکالے۔

ایسے شخص سے بچنے کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

نتیجہ:

اس مختصر سی صورت میں ان تمام شرور کا ذکر آ گیا ہے جن سے انسان کو اپنی ترقی کے لیے بچنے کی ضرورت ہے۔ توحید کا عقیدہ ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ انسان اپنی جسمانی سلامتی کی خاطر ہر قسم کی مضرت سے بچنے کے لیے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آ جائے۔ اس کے ساتھ یہ تصور خود بخود انسان کے ذہن میں آ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ساری کائنات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے جو کائنات کے کسی گوشے سے انسان کو پہنچ سکتا ہے، بلکہ کائنات کی کسی شے سے انسان کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت ہی سے پہنچ سکتا ہے، اس تصور سے ہر ایک بچے' بوڑھے اور مرد و عورت کے دماغ میں قدرت الٰہی کی وسعت بیٹھ جاتی ہے۔

اتنا بڑا علم اتنے مختصر الفاظ میں ایسے عام فہم انداز اور مقرون اشیاء کے ذریعے سے بیان کرنے کی مثال قرآن حکیم کے سوا اور کسی جگہ تلاش کرنا بے سود ہے۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورت النّاس

تمہید سورت

توحید کا پھیلاؤ نوع انسانی میں

کائنات یا شخص اکبر (Macrocosm) کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانے کے بعد ضروری ہے کہ خود نوع انسانی کے اندر اس فکر کا پھیلاؤ دکھایا جائے۔ انسان کو شخص اصغر (Microcosm) کہا جاتا ہے۔ وہ مجموعی طور پر کائنات کا نمائندہ ہے۔ وہ کائنات کی سب سے بڑی شخصیت ہے۔ اس کا ذہن کائنات کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور حیرت ناک چیز ہے۔ اور اس کی اَنا (Ego) سب سے زیادہ موثر اور ہمہ گیر ہے۔ اس لیے اس کے اندر توحید کا پھیلاؤ دکھانا زیادہ ضروری ہے۔ کائنات کے وسیع دائرے کے اندر انسانیت کا دائرہ چھوٹا سہی، لیکن یہ سب سے اہم دائرہ ہے۔ اس کا مرکز بھی وہی توحید خالص ہے جس کا ذکر سورۂ اخلاص میں آچکا ہے۔

اس انسانی دائرے میں انسانی اجتماعیت کا اہم ترین مقام ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا موضوع (Subject) ہے۔ لیکن اسلام تمام شرائع کو ایک نظام میں جمع کرتا ہے۔ اس لیے اس سورت میں نوع انسانی کے دائرے کے اندر توحید باری کو جس

وسعت سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب عظیم کا حصہ ہے۔

تمام ادیان عالم میں سے صرف اسلام اجتماعیت انسانی کے درجہ کمال پر بحث کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی پیش کردہ اجتماعیت انسانی تین اہم مراکز—(Co-centric) دائروں میں گھومتی ہے۔یعنی :

(1) دائرہ ربوبیت

(2) دائرہ ملوکیت

(3) دائرہ الوہیت

ان تینوں میں توحیدِ الٰہی کیسے کام کرتی ہے، اس کی حقیقت سورۃ الناس میں ہے۔

==========

سورة الناس (114)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِۙ ①

مَلِكِ النَّاسِۙ ② اِلٰهِ النَّاسِۙ ③

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ ④

الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِۙ ⑤

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الناس

تفسیر سورت

آیت نمبر 1: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾

ترجمہ: ''کہہ دے کہ میں تمام انسانوں کی ربوبیت کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں۔''

(1) دائرہ ربوبیت

سورۂ فلق کی تشریح میں پودے کی جو تمثیل اختیار کی گئی تھی، اسے آگے بڑھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان پودے کی طرح پیدا ہوتا ہے اور نشوونما پا کر اپنے جیسے اور ''پودے'' پیدا کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔

انسان اپنے آباؤ اجداد کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے اس کی تربیت کی۔ پھر وہ خود اپنے آپ کو اپنی اولاد کی تربیت کرتے پاتا ہے۔ گویا اس کے خاندان کے اندر ''ربوبیت'' کا ایک نظام موجود ہے۔ لیکن قرآن حکیم انسانوں پر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ ربوبیت کا یہ عمل کسی ایک خاندان کے اندر محدود نہیں ہے۔ یعنی یہ دائرہ اتنا تنگ نہیں کہ ہمارے آباؤاجداد ہماری پرورش کر کے ختم ہوگئے اور ہم اپنی اولاد کی پرورش کر کے ختم ہو جائیں گے۔ بلکہ کوئی نظام ایسا ہے جو ساری نوع انسانی کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہ ذات جو ساری نوع انسانی ہی کی نہیں بلکہ ساری کائنات کی ربوبیت کر رہی ہے، حقیقی معنوں میں رب ہے۔ بلکہ ہماری نوعی تربیت کا دائرہ کائنات

گیر نظام ربوبیت کے اندر واقع ہے، یعنی رب کائنات نے کائنات کی تربیت کا نظام ایسا بنایا ہے کہ ہماری تربیت اس کے اندر آجاتی ہے، مثلاً سورج کی حرارت سے سمندروں سے پانی کے بخارات اٹھ کر اور بادل بن کر برستے ہیں۔ جن سے نباتات اُگتے ہیں، یہ نباتات ہماری غذا کا کام دیتے ہیں، گویا ہماری غذا بہم پہنچانے کا نظام سارے کا سارا دوسرے جانداروں کی تربیت کے اندر آتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد اپنے آباؤ اجداد کی ربوبیت کے محتاج تھے۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کے دست نگر تھے۔ اور اب ہماری اولاد ہماری طرف سے ربوبیت کی محتاج ہے۔ یہی سلسلہ دیگر حیوانات میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کرۂ زمین پر ہر جگہ ربوبیت عامہ کے آثار موجود ہیں۔ بلکہ نوع انسانی کی تخلیق سے بھی پہلے سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلۂ ربوبیت کی تخلیق و تدبیر میں نہ ہمارے آباؤ اجداد کا ہاتھ ہے، نہ خود ہمارا، نہ ہماری اولاد کا۔ ربوبیت عامہ کا یہ نظام اتنا وسیع ہے اور اس کی تدبیر اتنی پیچیدہ ہے کہ عقل مند سے عقل مند انسان بھی ابھی تک ربوبیت کے اس نظام کا پورا اندازہ نہیں لگا سکے۔ اور پھر یہ ربوبیت کسی ایک زمانے یا خطے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، وہ مکان یا زمان کی پابند نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر انسان کی فطرت سلیمہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک ''ربِ مطلق'' کی ہستی کو تسلیم کرے۔ اور پھر اس کا جو تعلق انسانیت عامہ کے ساتھ ہے، وہ معیّن کر کے اپنی ''ربوبیت'' کو اس کی ربوبیت عامہ کا پرتو سمجھے اور اپنے آپ کو ''رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'' (یعنی) ''رَبُّ النَّاسِ'' کا خلیفہ جانے۔ اسی میں انسان کا شرف ہے اور یہی اس کی ترقی کا راستہ ہے۔

(2) دائرہ ملوکیت

آیت نمبر 2: مَلِكِ النَّاسِ ۝٢

ترجمہ: ''لوگوں کے بادشاہِ حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔''

انسان کی ارتفاقی زندگی (Cultural Life) کی ترقی میں ایک منزل آتی ہے جب وہ دیہاتی زندگی (ارتفاق اول 1) اور قصباتی زندگی (ارتفاق دوم 2) سے بلند تر ہوکر شہری زندگی (ارتفاق سوم 3) اختیار کرتا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر وہ معاشرے میں حکومتی نظام پیدا کرتا ہے تاکہ اس میں عدل قائم کرے۔

یہ عدل جب انسانی زندگی کے معاشی اور اقتصادی شعبوں کا انتظام کرتا ہے تو ربوبیت کی شکل اختیار کرتا ہے اور جب سیاست کے شعبے میں کام کرتا ہے تو ملوکیت بن جاتا ہے۔ یہ دونوں دائرے ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں معاشی عدل اور سیاسی عدل انہیں بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے، جن بنیادوں پر یہ عدل خاندان میں قائم ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو غذا بہم پہنچاتے ہیں، ان کی تعلیم وتربیت اور صحت وتفریح کا سامان کرتے ہیں، ان کی غلطیوں پر رحم آمیز عدل (Justice Tempered with Mercy) سے ان کی سیاست کرتے ہیں، ایک اچھی حکومت بھی اسی طرح کرتی ہے۔ اس کا نظام ربوبیت اور نظام عدل پورے معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جب حکومت اس بلند معیار سے گر جاتی ہے اور معاشرے میں ظلم وطغیان سر اٹھاتا ہے تو معاشرے میں سے انقلابی

1-2-3 امام ولی اللہ دہلویؒ (1703-1763) کی اجتماعیات (Sociology) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انسان جب حیوانیت سے اوپر اٹھ کر انسانیت میں داخل ہوتا ہے تو وہ پہلے چھوٹے چھوٹے دیہات بنا کر رہتا ہے جن میں کاشتکاری، چند برتنوں کا استعمال، زبان کا استعمال، لباس اور مکان کا استعمال کرتا ہے اور تعین زوجہ کرتا ہے۔ اس منزل میں اس کی تخلیقات میں صفائی اور حسن کم ہوتا ہے۔ اسے امام صاحب ارتفاق اول (The First Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بڑے بڑے قصبات آباد کرتا ہے اور ارتفاق اول کی چیزوں میں صفائی اور حسن کا اضافہ کرتا ہے۔ اسے وہ ارتفاق دوم (The Second Stage of Human Culture) قرار دیتے ہیں۔ اس سے آگے ترقی کر کے وہ معاشرے میں نظام حکومت قائم کرتا ہے۔ یہ ارتفاقات کی تیسری منزل (The Third Stage of Human Culture) ہے۔ جب وہ سیاسی قوموں میں بٹ گیا اور ان میں خونریزیاں ہونے لگیں تو بین الاقوامی حکومتیں قائم ہونے لگیں، تاکہ قوموں کو ان خونریزیوں سے روکا جائے۔ یہ بقول امام صاحب انسانی ترقی کی چوتھی اور آخری منزل یا ارتفاق چہارم (The Fourth Stage of Human Culture) ہے۔

قوتیں ابھرتی ہیں اور وہ اس نظام کو برباد کر کے نیا نظام قائم کر لیتی ہیں۔[1]

ایک عقل مند انسان اجتماع انسانی میں مرکزی مقام حاصل کر لے تو وہ اپنی "ملوکیت" اور اس کی حد بندیوں پر غور کرے گا تو دیکھئے گا کہ ساری کائنات ایک مستقل نظام تدبیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ یہ نظام فطری قوانین پر مشتمل ہے جن کا اثر و عمل نہایت وسیع اور ناقابل تبدیل ہے۔ وہ اس نظام فطرت کو توڑنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا۔ ان قوانین میں ایک مکمل ربط اور ان کے عمل میں یکسانیت ایک برتر حکیمانہ قوت کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ساری کائنات کو چلا رہی ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ اپنی ملوکیت کو اس "مَلِک الکُلّ" کی ملوکیت کا سایہ پاتا ہے اور اپنا شرف اسی میں سمجھتا ہے کہ خود کو اس شہنشاہ مطلق کا خلیفہ قرار دے کر اس کے احکام کو انسانی معاشرے میں نافذ کرے۔ یہ جذبہ ایک دانش مند اجتماعی انسان کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ترقی کرنے والا انسان وہی ہوتا ہے جو اجتماعی ہو۔[2]

قرآن حکیم واضح دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ حکومت اور ملوکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ دوسرے تمام حکمران اس کے محتاج ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتان آذری

اس کی ملوکیت کا حلقہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا اس کی ربوبیت کا۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد اس کا نتیجہ سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں رہتا، اور وہ یہ کہ انسان اپنے معاشرے میں اپنی مطلق العنان حکومت قائم کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس لیے انسانی معاشرے میں فقط شورائی نظام حکومت ہی قائم ہوسکتا ہے۔

1۔ جب کسی معاشرے میں سے انقلابی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ظلم وطغیان کو برداشت کرنے لگ جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اسے بربادی کا عذاب آلیتا ہے۔ (مرتب)

2۔ ایک انسان اپنی ضرورتیں پوری طرح سے محسوس کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنی ذاتی طاقتوں کے استعمال سے یہ ضرورتیں پوری نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک جماعت جمع کر لیتا ہے جس کی مدد سے اس کے مطلب پورے ہونے لگتے ہیں۔ ایسا انسان اجتماعی انسان کہلاتا ہے۔ (مرتب)

(3) دائرہ الوہیت

آیت نمبر 3: اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳

ترجمہ: ''میں انسانوں کے معبودِ حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔''

انسانی اجتماع میں یہ تیسرا دائرہ ہے۔ یہ بھی پہلے دو دائروں ربوبیت اور ملوکیت پر منطبق ہوتا ہے۔

الوہیت سے مراد دلوں کو کھینچ لینے والی وہ محبوبیت ہے جو عشق تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ جائے۔

انسان کے اندر حُب کا ایک جذبہ موجود ہے۔ وہ اصل میں علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ انسان کو کسی ذات میں چند خوبیاں نظر آتی ہیں جو اسے اپنی طبیعت کے مناسب محسوس ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے دل میں اپنے محبوب کے لیے ایک کشش پاتا ہے۔ انسان خود جتنا بلند درجے کا ہوتا ہے اتنے ہی بلند درجے کا محبوب اس کے لیے کشش کا باعث ہوتا ہے۔

جب انسان کائنات پر غور کرتا ہے تو اس میں ہر جگہ حسن و جمال کا ظہور پاتا ہے اور جب وہ نوعِ انسانیت کی ترقیات کا جائزہ لیتا ہے تو وہ ان میں حسن اور احسان دونوں کی وسیع علامات پاتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ ان کو طے کرتا ہوا ایک ایسی ذات تک پہنچ جاتا ہے جو کائنات اور نوعِ انسانی کے اندر حسن و احسان کی مرکز ہے۔ وہ اس ذات کے لیے اپنے قلب کے اندر ایک کشش پاتا ہے اور پھر اسی کا ہو رہتا ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات ''رَبِّ النَّاس'' اور ''مَلِکِ النَّاس'' کے رنگ میں رنگا جا کر معاشرے میں کام کرتا ہے، تو لامحالہ اس کی ''ربوبیت'' عام ہوتی ہے۔ اور اس کے عدل کا دائرہ اس کی ''ربوبیت'' کے دائرے کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی وہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی تربیت نہیں کرتا بلکہ سارے انسانی معاشرے کی ''ربوبیت'' کا نظام سوچتا ہے۔ وہ صرف اپنے خاندان کے اندر عدل قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ سارے انسانی معاشرے کے لیے معاشرتی اور معاشی عدل قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے انسانی معاشرے کا مرکزِ محبت بن

جاتا ہے۔ ایسے ہی جو جماعت اس طرح سے کام کرے، وہ بھی انسانی معاشرے میں محبوبیت حاصل کر لیتی ہے۔ وہ سارے انسانی معاشرے کو اپنا خاندان تصور کر کے اس کی خدمت کرتی ہے۔ یہ ہے انسانی فطرت۔

ایک اجتماعیت پسند انسان جس طرح ربوبیت کے عالمگیر نظام کو دیکھ کر اپنی ''ربوبیت'' کو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یا رَبِّ النَّاسِ کی ربوبیت کی ذیل میں لے آتا ہے اورساری کائنات میں باضابطگی اور نظم ونسق کی وسعت کو دیکھ کر اپنی حکومت کو حاکم علی الاطلاق (مَلِکِ النَّاسِ) کی ملوکیت کے تابع کر کے اس کی خلافت قرار دے لیتا ہے، اسی طرح سے وہ اپنی محبوبیت کو بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت میں مدغم کر کے صرف اسی کو محبوب حقیقی قرار دے لیتا ہے۔ جب حُبّ اس درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ انسان اپنے اختیار کو محبوب کے اختیار کے تابع کر دیتا ہے، اسے **عبادۃ** کہتے ہیں اور محبوب کو ''الٰہ'' کہتے ہیں۔

ایک اجتماعی انسان حُبّ کے اس درجے پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو نہ صرف اپنا الٰہ تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ساری کائنات کا الٰہ مانتا ہے۔ اور وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی انسان اللہ کے سوا کسی چیز یا انسان سے اعلیٰ درجے کی محبت کرے اور انسانی اختیار کو اس الٰہ واحد کے سوا کسی اور کے تابع کر دے۔ اس قسم کی ذہنیت' انسانی ملوکیت یا مطلق العنانی کو کبھی قبول نہیں کرسکتی۔ اور اس ذہنیت کا مالک انسان جہاں اجتماعیت پسند ہوگا، وہاں وہ حقیقی معنوں میں جمہوریت پسند بھی ہوگا۔

غرض انسان سلامتی فطرت کے ساتھ چل رہا ہوتو وہ اپنی ثقافتی اور ارتفاقی ترقی میں ان تین درجوں میں سے گزرے گا:

☆ وہ اپنے آپ کو دوسروں کا ''مربی'' بنانے کی کوشش کرے گا۔
☆ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر ''حاکم'' بنانے کی کوشش کرے گا۔
☆ وہ اپنے آپ کو دوسروں کا ''محبوب'' بنانے کی کوشش کرے گا۔

یہ جذبات ہر ایک انسان میں موجود ہیں۔ اگر اسے صلاحیت اور علم حاصل ہوتو وہ اپنے انہی جذبات کی مثالوں کی روشنی میں کائنات کا مطالعہ کر کے یہ بصیرت حاصل کرے گا کہ انسانیت عامہ کے ''رب'' ''ملک'' ''اللہ'' کو پہچان لے۔ اور پھر اس

سے بھی اونچا اٹھ کر اس ذات واحد کی ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت کی واضح نشانیاں ساری کائنات میں مشاہدہ کر کے اسے ہی ساری انسانیت اور ساری کائنات کا رب، ملک اور الٰہ تسلیم کر لے۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانیت کی ترقی انہی تین کمالات انسانی کی ترقی پر منحصر ہے۔ یعنی انسانیت کی خدمت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کا نائب بنے۔ اس طرح سے انسانیت کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید کا مظاہرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر 4: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۬ الْخَنَّاسِ ۝۴

آیت نمبر 5: الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵

ترجمہ: ”وسوسہ پیدا کرنے والے، چھپ جانے والے کے شر سے، جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔“

وسوسے کی حقیقت

ان انسانی کمالات کی ترقی کی دشمن کیا چیز ہے؟ اس فکر جلیل میں خلل کس طرح پڑتا ہے؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے ذہن میں کسی فکر عظیم کے متعلق کوئی کمزور نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اسے وسوسہ کہتے ہیں۔ یہی وسوسہ ترقی کر کے شک بن جاتا ہے۔ جس کا انجام انکار ہوتا ہے۔

انسانی فکر کو بدلنے والی طاقتوں کے دو حصے کر لیجئے:

(1) انسانی جماعتیں

انسان کسی سوسائٹی میں رہنے لگے تو اس سوسائٹی کے اثر سے رفتہ رفتہ اس کا فکر تبدیل ہونے لگتا ہے۔ اصل میں تو ایک طبقے سے دوسرا طبقہ اثر لیتا ہے۔ لیکن بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے مفادات دو طبقوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ ایسے انسان ایک طبقے سے متاثر ہو کر اس اثر کو دوسرے طبقے میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس طرح اثرات مختلف طبقوں میں پھیل جاتے ہیں۔

(2) انسان کے سوا دوسری طاقتیں

ان کے اثر سے بھی انسان کے دماغ کا فکر بدل جاتا ہے۔ یہ ساری طاقتیں ہمارے سامنے نہیں آتیں۔

''وسواس'' کیا ہے؟

عالم مثال میں انسان کا ایک قرین (ساتھی) ہوتا ہے جو یا تو شیطنت کی طرف مائل ہوتا ہے یا ملکیت کی طرف۔ یہ جن (پوشیدہ مخلوق) اگر شیطنت کی طرف مائل ہو تو ہمارے افکار میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی انسانی جماعتیں اپنے مخالف نظام فکر میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں جس کے بہت سے طریقے ہیں۔ ان جماعتوں کے کارندے جو بظاہر پراپیگنڈہ کرتے ہیں اصل محرک نہیں ہوتے۔ اصل محرک ان کے پیچھے ہوتے ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہوتے۔ وہ جماعتیں ان کارندوں کو لکھا پڑھا کر ان سے کام لیتی ہیں اور انسان کے فکر میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔

ہم اپنے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اس امر کا تجربہ کر چکے ہیں کہ وہ اپنے ذہن کو ہمارے ذہن کی طرف متوجہ کر کے تاثیر ڈالنا چاہتے ہیں تو ہم پر اثر ہوتا ہے۔ صوفیا کے ہاں یہ ایک مستقل فن ہے۔ اسے ''توجہ دینا'' کہتے ہیں لیکن نہ ہر ایک صوفی توجہ دے سکتا ہے، نہ ہر ایک طالب توجہ لے سکتا ہے۔ اس فن کے قواعد و اصول ہیں جن کے تحت توجہ دی جاتی ہے۔ اس سے طالب کے قلب میں افکار پیدا ہوتے ہیں۔

ایسے ہی ہم نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی فکری تاثیر (Suggestion) ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پراپیگنڈہ کے ذریعے سے عوام کے دلوں میں خیالات پیدا کرنا تو سب جانتے ہیں۔ اس طرح سے عوام کے افکار میں انتشار پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا آغاز وسوسے ہی سے ہوتا ہے اس طاقت کو جو وسوسہ پیدا کرنے میں مرکزیت کا مقام رکھتی ہے۔ وسواس کہا جاتا ہے۔

آیت نمبر 6: مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٦﴾

ترجمہ: ''جنوں اور انسانوں میں سے''

اس قسم کی وسوسہ پیدا کرنے والی طاقتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) وہ طاقتیں جو نظر آتی ہیں اور
(2) وہ طاقتیں جو نظر نہیں آتیں۔

اول الذکر میں انسان داخل ہیں اور آخرالذکر میں جن، سفلی، ملائکہ اور عُلوی ملائکہ شامل ہیں۔

یہ دونوں قسم کی طاقتیں ہمارے دلوں میں افکار پیدا کرتی ہیں۔ امرِحق کے خلاف جو انتشارِ فکر پیدا ہوتا ہے، وہ فکری مرض ہوتا ہے، جو رفتہ رفتہ انکارِ حق تک پہنچ جاتا ہے۔

باطل افکار کا نتیجہ

یہ باطل افکار:
کبھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے متعلق ہوتے ہیں۔
کبھی اللہ تعالیٰ کی ملوکیت کے متعلق ہوتے ہیں۔
کبھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے متعلق ہوتے ہیں۔

(الف) ارتکاز دولت

اللہ تعالیٰ کی ''ربوبیت'' کے متعلق جو باطل افکار پیدا ہوتے ہیں وہ آخرکار دولت کے ارتکاز (Concentration of Wealth) اور پیداوار کے احتکار (Hoarding) پر منتج ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ سرمایہ داری پیدا کرتے ہیں جس سے بقول امام ولی اللہ دہلویؒ انسان کے اخلاق کا فساد پیدا ہوتا ہے۔

(ب) انسانی ملوکیت و آمریت

اللہ تعالیٰ کی ''ملوکیت'' کے متعلق جو باطل خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ انسانی ملوکیت (Imperialism) پیدا کرتے ہیں جن میں انسانوں سے ناجائز انتفاع (Exploitation) پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی فسادِ اخلاق پیدا ہوتا ہے۔

(ج) شرک اور ظلم

اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے متعلق جو غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ شرک پیدا

کرتے ہیں، جو انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے، اور یہ تپ دق کی مانند ہے۔ اس سے خدا پر سے انسان کا بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک طاقت سے مصالحت (Compromise) کرنے کی طرف جھکنے لگتا ہے۔ اوراس طرح اس میں سے انقلابیت (RevolutionrySpirit) نکل جاتی ہے اور رجعت پسندی (Reactionism / Conservatism) پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بلند نصب العین پر قائم نہیں رہتا اور نہ صالح بین الاقوامی نظام پیدا کرسکتا ہے۔

سماحت کے خلق سے عاری

ایسے ہی ربوبیت الٰہی کے عقیدے میں فساد پیدا ہوتا ہے تو انسان سماحت [1] کے خُلق سے عاری ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ حرص اور طمع کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان کوئی اعلیٰ درجے کا اجتماعی نظام نہ پیدا کرسکتا ہے، نہ چلاسکتا ہے۔

عدل کے خلق سے عاری

مُلُوکیۃ الٰھی کے عقیدے میں فساد پیدا ہو جائے تو انسان معاشرے میں خود ''مَلِکِ النَّاسِ'' (انسانوں کا خودمختار مالک) بن بیٹھتا ہے جس سے سیاسی تغلب پیدا ہو جاتا ہے اور انسان عدل کے خُلق سے عاری ہو جاتا ہے۔

اخبات کے خلق سے عاری

اُلُوھیۃ الٰھی کے عقیدے میں خلل پڑ جائے تو انسان علم کا اجارہ دار بن بیٹھتا

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں انسانیت کی ترقی کا مدار چار قسم کے اخلاق حاصل کرنے میں ہے۔ یعنی طہارۃ، سماحت، اخبات اور عدالت۔ طہارت سے مراد لباس، ماحول اور افکار کی پاکیزگی ہے۔ سماحت سے مراد ہے دنیاوی لذتوں میں انہماک نہ ہونا تاکہ انسان اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے وقت نکال سکے۔ اخبات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبے کا دل میں ہونا جس کی وجہ سے وہ اس کے احکام کی پیروی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ اور عدالت سے مراد ہے معاشرے میں سے ہر قسم کا ظلم و طغیان دور کر کے عدل و انصاف قائم کرنا۔ تفصیل کے لیے دیکھو امام صاحب کا رسالہ ''ہمعات'' ''حجۃ اللہ البالغہ'' اور ''بدور بازغہ'' (مرتب)

ہے اور تقدس کا جامہ پہن لیتا ہے۔عوام جہالت میں مبتلا ہو کر اپنے جیسے انسانوں کو خدا بنا بیٹھتے ہیں۔اس طرح انسانیت کے دونوں طبقے اخبات کے خُلق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

انسانیت کی بربادی

غرض توحید کامل میں وسوسہ پیدا ہو جانے سے انسان سماحت، عدل اور اخبات کے بنیادی اخلاق سے بالکل عاری ہو جاتا ہے۔ اور ان کی بربادی سے طبعی طور پر طہارت کے خُلق پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔اس طرح انسان اپنی پوری انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔جس معاشرے سے یہ اخلاق نکل جائیں وہ انسانیت سے محروم ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔

انسانیت کو اس بربادی سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ''رَبِّ النّاس'' ''مَلِکِ النَّاسِ'' اور ''اِلٰهِ النَّاس''تسلیم کرے اور خود معاشرہ انسانی میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ بن کر ان صفات الٰہی کا مظاہرہ کرے۔

فکری غلبہ اور اس کے نتائج

جب اللہ تعالیٰ کی توحید کامل یعنی وجود کی وحدت اور تدبیر کی مرکزیت (جس طرح وہ ساری کائنات اور نوع انسانی میں جاری و ساری ہے) انسان کے ذہن میں بیٹھ جائے اور (وہ) اپنے علم اور تجربے سے اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا کامل یقین پیدا کرلے، تو کوئی مشرکانہ تصور انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ اور نہ معاشرے میں ظلم قائم رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے مکہ معظّمہ کی سوسائٹی میں یہ ذہنی انقلاب لا کر اسے شرک اور ظلم سے بالکل پاک کر دیا۔ اور پھر مدینہ منورہ کو مرکز فکر وعمل بنا کر سارے عرب میں ایک عظیم الشان ذہنی، سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی انقلاب مکمل کرلیا جس کا اثر حدودِعرب سے نکل کر رَبُّ الْـمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (شرق وغرب کے رب) کی سرزمین میں پھیلنے لگا۔

سورۃ فاتحہ کے ساتھ ربط

قرآن حکیم کی پہلی سورت الفاتحہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تین بنیادی صفات کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(1) ربوبیت

(2) رحمانیت اور رحیمیت

(3) مالکیت

آخری سورۃ الناس میں بھی ان کے مقابلے میں تین صفات کا اعادہ کیا گیا ہے:

(1) ربوبیت (رب النَّاس)

(2) ملوکیت (ملک النَّاس)

(3) اُلُوھیت (الٰہ النَّاس

''سورۂ فاتحہ'' میں اللہ تعالیٰ کو رَبُّ الْعٰالَمِیْنَ کہا گیا ہے۔ تو ''سورۃ الناس'' میں اسے رَبُّ النَّاسِ بتایا گیا ہے۔ دونوں کا مقصود ایک ہی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں ربوبیت کو رحمانیت اور رحیمیت سے مربوط کیا گیا ہے تو سورۃ الناس میں خدا تعالیٰ کی الوہیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رحمانیت اور رحیمیت دونوں کا عمل ذات خداوندی کو کائنات کا مرکز بناتا ہے جو الوہیت کا مآل (نتیجہ) ہے۔

سورۂ فاتحہ میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ کا بطور مَلِکِ النَّاسِ اشارہ (تعارف کروایا گیا ہے) کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں صراطِ مستقیم کی استدعا کی گئی ہے۔ سورۃ الناس میں وسواس کے شر سے بچانے کی دعا کی گئی ہے۔ توحید باری تعالیٰ تک پہنچنے کی عملی شکل صراط مستقیم کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس راہ میں وساوس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

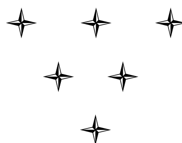
سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی استدعا کی گئی ہے۔ تو سورۃ الناس میں صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرنے والی طاقت ''الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ '' کے دو مظاہر ''الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ '' کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس وَسْوِاسِ الْخَنَّاسِ کے اثر سے جب قومیں صراط مستقیم سے ہٹتی ہیں تو یا تو وہ یہود صفت بن کر ''مَغْضُوْب علیہ'' ہوتی ہیں یا نصاریٰ صفت بن کر ''ضآلّین'' میں شمار ہوتی ہیں۔

گویا قرآن حکیم کی ان آخری تین سورتوں میں اللہ تعالیٰ ربوبیت' ملوکیت (یا مالکیت) اور الوہیت کی طرف توجہ دلا کر صراط مستقیم یا توحید کے بنیادی فکر پر استقامت حاصل کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے کہ یہی ایک چیز شرف انسانی کی بنیاد ہے۔ اور اسی سے نوع انسانی کے لیے ہر قسم کی مادی اور معنوی ترقیوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہی فکر قرآنی انقلاب کا بنیادی فکر ہے جس پر ساری نوع انسانی کو جمع کرنا انسانیت کی طبعی ضرورت ہے۔

و آخر دعوانا أن الحمد لِلّٰه ربّ العالمين.

و الصّلوٰةُ و السّلام علٰى رسوله الكريم، الّذى هو خاتم النّبيّين.

و علٰى أصحابهِ الّذين هم المهتدين و المهديّين.



امام عبید اللہ سندھیؒ کا اُسلوبِ تفسیر

قرآنی معارف ومطالب میں مجھے شاہ ولی اللہؒ (دہلوی) صاحب کے علاوہ کسی اَور حکیم کے افکار سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے قرآن سے جو کچھ اَخذ کیا ہے اور جو بھی معانی مضامینِ قرآن سے استنباط کیے ہیں، مجھے ان کے تعیّن اور تائید کے لیے شاہ صاحبؒ کی حکمت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے مفسرین سے اختلاف کیا ہے، وہاں میں نے شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) صاحب کے اُصول کو اپنے لیے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ)، شاہ رفیع الدین (دہلویؒ)، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اقوال کو حجت بنایا ہے۔ اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر ورائے کی بنا پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے، میں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے۔ سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رَدّ کر دیں۔ مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہو سکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہلِ علم اس کے قبول کرنے میں اِباء (انکار) نہ کریں۔





رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute